دوست دشمن سب ترے مجذوب قائل ہیں مگر
کوئی قائل ہے زباں سے کوئی قائل دل میں ہے
مجذوب

انوار الرشید

امیر المتکلمین، امام العارفین، سیف اللہ المسلول
حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم
کے
نصیحت آموز و بصیرت افروز حالات و ارشادات

جلد اول

نقش اول: مولانا احتشام الحق آسیا آبادی
ترتیب و اضافہ: جناب احمد نور المقتدی

نظر ثانی و اضافات
حضرت مولانا مفتی عبد الرحیم صاحب
نائب رئیس جامعۃ الرشید

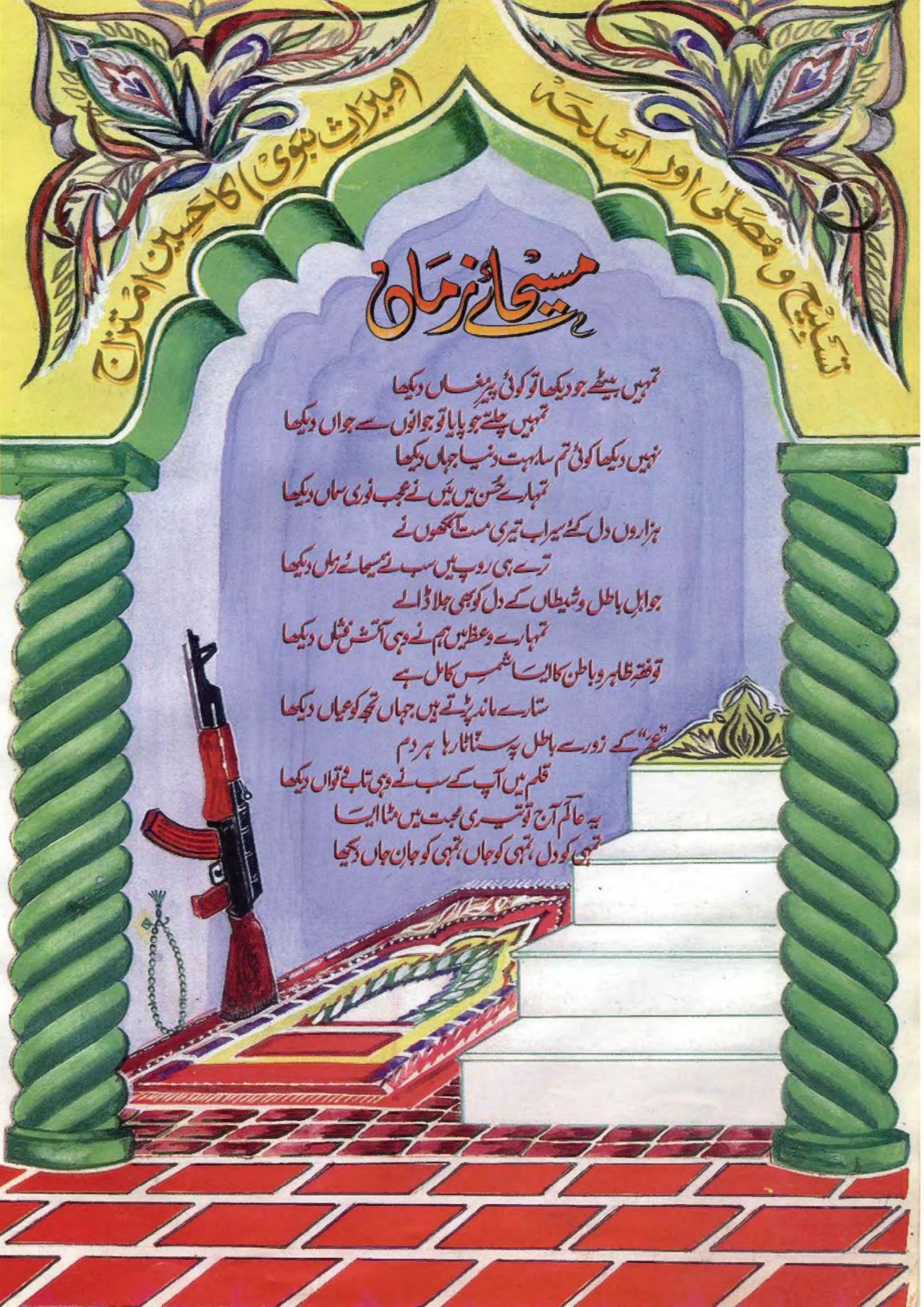

تسبیح و مصلی اور اسلحہ (میراث نبوی) کا حسین امتزاج

مسیحائے زماں

تمہیں بیٹھے جو دیکھا تو کوئی پیرِ مغاں دیکھا
تمہیں چلتے جو پایا تو جوانوں سے جواں دیکھا
نہیں دیکھا کوئی تم سا بہت دنیا جہاں دیکھا
تمہارے حُسن میں مَیں نے عجب نوری سماں دیکھا
ہزاروں دل کئے سیراب تیری مست آنکھوں نے
ترے ہی روپ میں سب نے مسیحائے زماں دیکھا
جو اہلِ باطل و شیطاں کے دل کو بھی جلا ڈالے
تمہارے وعظ میں ہم نے وہی آتش فشاں دیکھا
تو فقہِ ظاہر و باطن کا ایسا شمسِ کامل ہے
ستارے ماند پڑتے ہیں جہاں تجھ کو عیاں دیکھا
”عمر“ کے زور سے باطل پہ سناٹا رہا ہر دم
قلم میں آپ کے سب نے وہی تاب و تواں دیکھا
یہ عالَم آج تو تیری محبت میں مٹا ایسا
تجھی کو دل، تجھی کو جاں، تجھی کو جانِ جاں دیکھا

فہرست مضامین "انوار الرشید" جلد اوّل

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
صاحبِ سوانح کی تحریر کا عکس	۹	استاذ کی خصوصی دعاء	۶۸
مختلف نگارش کے دستخط	۱۱	دارالعلوم دیوبند میں داخلہ	۶۹
چند عبرت آموز تحریرات	۱۲	اساتذۂ کرام	۷۰
یورپ کی ڈگریوں کے پرخچے	۱۳	بغرضِ جہاد فنونِ حرب میں کمال	۷۳
شیعہ کا کفر والحاد	۱۵	حسنِ ظاہر وقوتِ جسمانیہ	۹۷
گستاخِ رسول کے دماغ کا آپریشن	۲۹	نوعمری ہی میں تعمقِ علم	۱۱۵
تقدیم	۳۷	علومِ لدنّیہ	۱۳۶
تقریب	۳۹	موافقتِ اکابر	۱۴۱
استکمال	۴۳	فنونِ دنیویہ میں بھی ماہرین پر فوقیت	۱۷۵
خاندان	۴۸	زندگی کا دوسرا دور	۲۰۱
ولادت باسعادت	۴۹	سلسلۂ تدریس	۲۰۱
زمانۂ طفولیت	۵۰	جامعہ مدینۃ العلوم بھینڈو	۲۰۳
ابتدائی تعلیم	۵۳	جامعہ دارالہدیٰ ٹھیڑھی	۲۰۴
فارسی کی ابتداء	۵۵	جامعہ دارالعلوم کراچی	۲۰۴
ایک بشارت	۵۸	فتویٰ نویسی	۲۰۵
عربی کی ابتداء	۶۱	"دارالافتاء والارشاد" کی بنیاد	۲۰۸
ایک عجیب وغریب واقعہ	۶۱	کچھ ذاتی اور خاندانی حالات	۲۱۱
فنون کی تکمیل	۶۷	صالحہ رفیقۂ حیات کی طلب میں عجیب دعاء	۲۱۱

عنوان صفحہ

بارات میں ڈھائی آدمی ۲۲۰
پیرانی صاحبہ کے نصیحت آموز حالات ۲۲۲
اولاد ۲۲۶
بچوں کی تعلیم ۲۲۷
اولاد کی شادی میں سبق آموز سادگی ۲۲۸
حضرتِ والا کا حفظِ قرآن ۲۳۵
تواضع وسادگی ۲۳۹
چھوٹوں سے بھی استفادۂ علم وطلبِ اصلاح ۲۵۴
مکارمِ اخلاق ۲۶۱
مزاح وظرافت ۲۹۳
رعب اور ہیبت وجلال ۳۴۵
تربیتِ باطن وسلسلۂ بیعت ۳۵۵
بشارت قبل از ولادت ۳۵۷
تھانہ بھون میں حاضری ۳۵۷
پہلی ہی حاضری میں عجیب کرامت دیکھی ۳۵۸
حضرت مولانا محمد اعزاز علی رحمہ اللہ تعالیٰ ۳۶۳
حضرت مَدَنی قدس سرہ ۳۶۴
حضرت مولانا خیر محمد رحمہ اللہ تعالیٰ ۳۶۵
حضرت مفتی محمد حسن قدس سرہ ۳۶۷
حضرت پھولپوری قدس سرہ ۳۷۰
اجازتِ بیعت ۳۷۲
محبتِ شیخ ۳۷۷
آتشِ عشق ۳۸۶
مقامِ عشق اکابر کی نظر میں ۴۲۹
نظم وضبطِ اوقات ۴۶۳
صفائی معاملات ۴۷۶
آدابِ معاشرۃ ۴۷۹
نظافت ونزاکتِ ظاہرہ وباطنہ ۴۹۳
غلبۂ حیاء ۵۱۱
عِلم واہلِ علم کا ادب واحترام ۵۱۳
توکّل اور اس کی برکات ۵۱۷
غلبۂ توحید ۵۵۳
حکّام سے اجتناب ۵۶۱
شہرت سے اجتناب ۵۷۷
قبولِ مناصب سے انکار ۶۰۰
مصارفِ وقف میں احتیاط ۶۱۵
مہمانوں کے لئے ہدایات ۶۲۳
علماء کے لئے ایک اہم وصیت ۶۳۶
مال سے پیدائشی بے رغبتی ۶۳۷
دنیا کے بارہ میں دُعاء ۶۳۸

صاحبِ سوانح کی تحریر

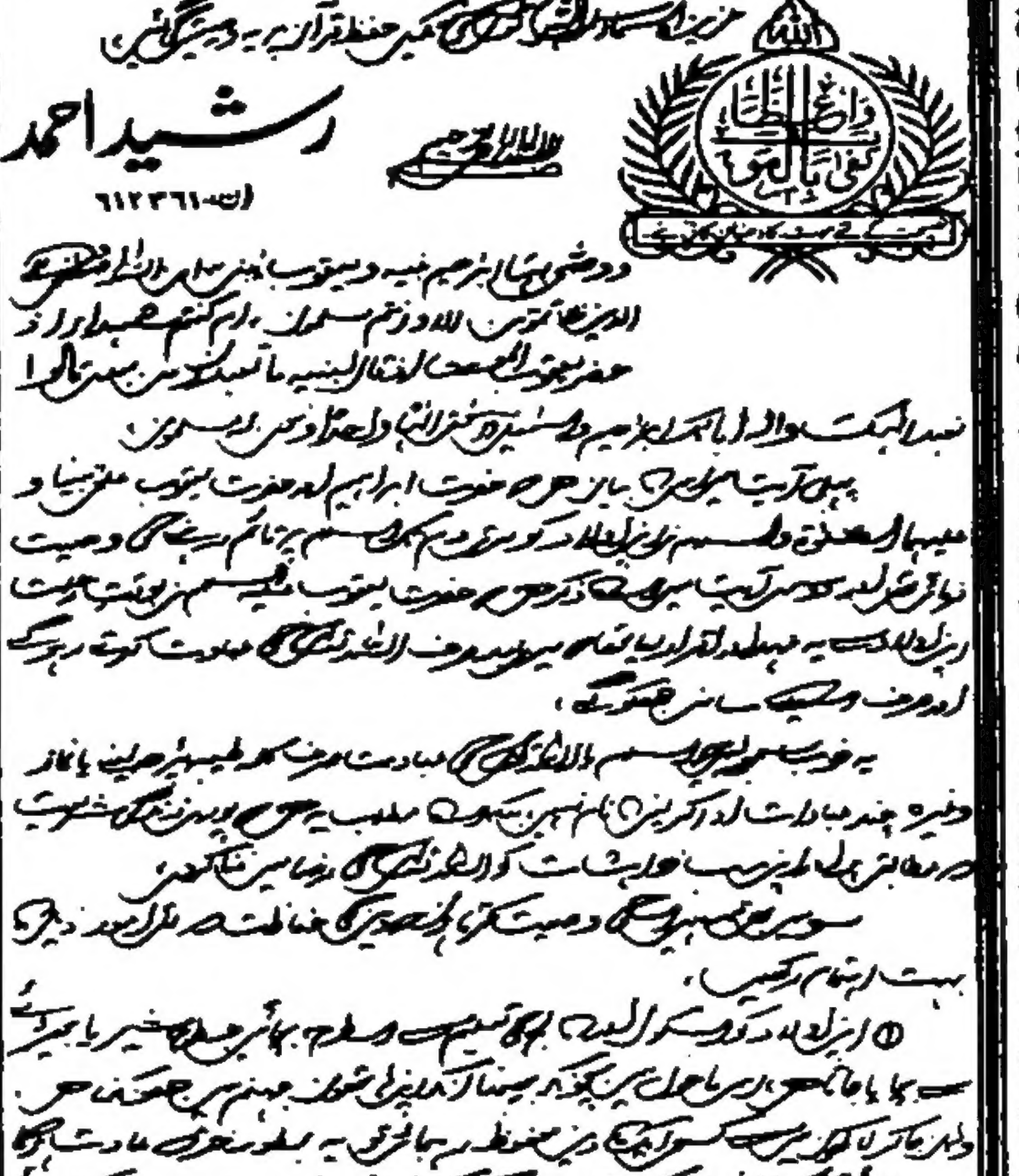

[illegible] حفظ قرآن [illegible]

رشید احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(ات ـ ٦١١٢٣٦١

ووصّٰی بہا ابراہیم بنیہ ویعقوب یٰبنی ان اللہ اصطفٰی لکم
الدین فلا تموتن الا وانتم مسلمون ۔ ام کنتم شہداء اذ
حضر یعقوب الموت اذ قال لبنیہ ما تعبدون من بعدی قالوا
نعبد الٰہک والٰہ آبائک ابراہیم واسمٰعیل واسحٰق الٰہا واحدا ونحن لہ مسلمون ۔

پہلی آیت میں یہ بیان ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علٰی نبینا و علیہما الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اولاد کو [illegible] کی وصیت فرمائی اور دوسری آیت میں یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے وفات کے وقت اپنی اولاد سے یہ عہد لیا کہ تمام عمر صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہیں گے اور صرف [illegible]۔

یہ خوب سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ چند عبادات اور ذکر ہی کا نام نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ پوری زندگی کا ہر شعبہ شریعت کے مطابق ہو اور سب خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی رضا میں فنا کردیں۔

سو میں بھی [illegible] وصیت کرتا ہوں کہ [illegible] کی حفاظت [illegible] بہت اہتمام رکھیں۔

① اپنی اولاد کو [illegible]

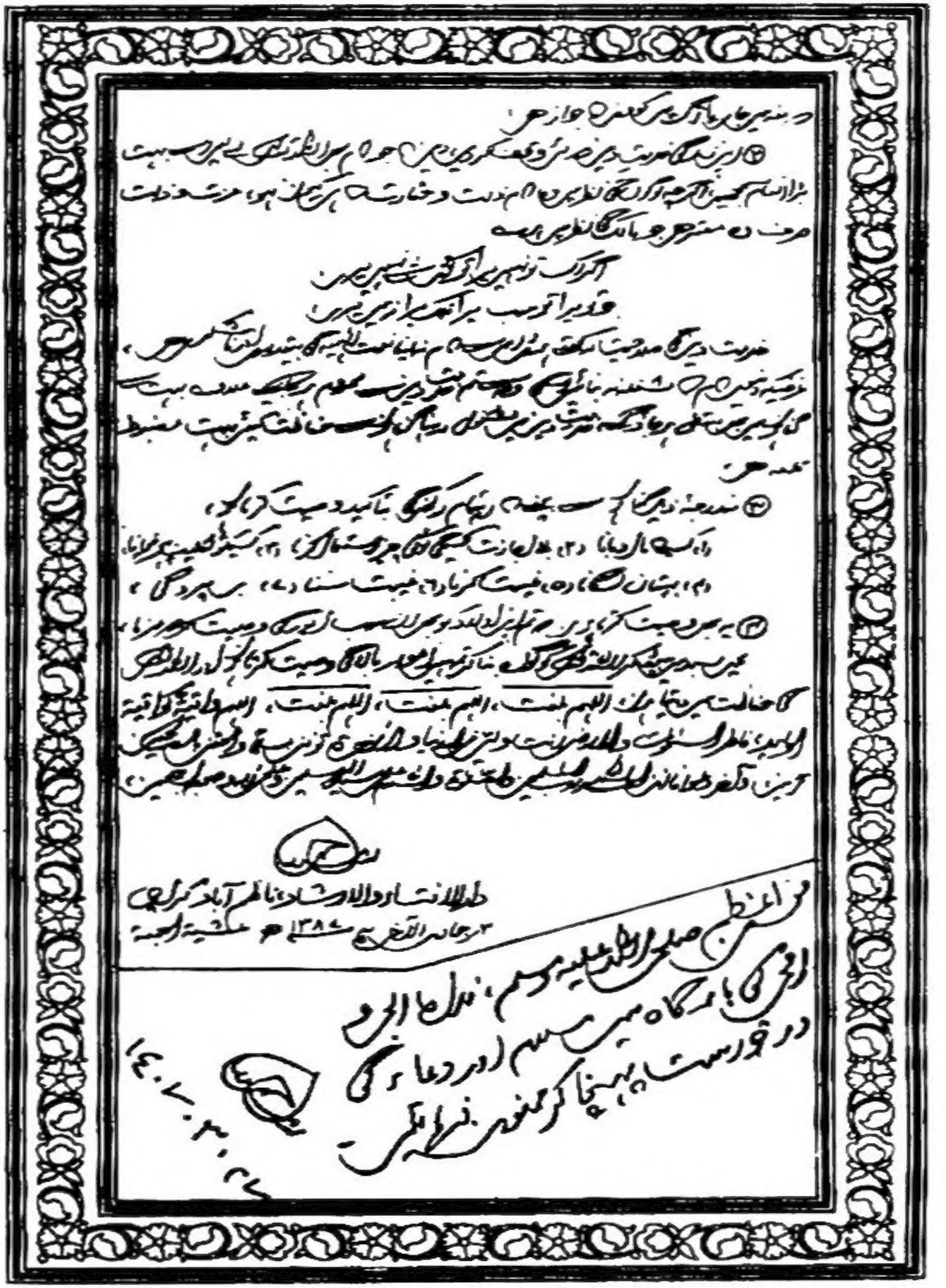

دینے میں جلدی کیا کریں کہ عمرہ جائز ہو،

⑦ اس بندہ کا خصوصی [illegible] دین میں جو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے بہت [illegible] اگرچہ اکابر کی نظر میں [illegible] خدمت و خانقاہ [illegible] ہوا [illegible] صرف [illegible] نظر میں ہے

[illegible]

[illegible]

خدمت دین کی [illegible] نعمت الٰہیہ کی [illegible] [illegible] بہت [illegible] بہت ضبط [illegible]

⑧ [illegible] ذیل گناہوں سے بچنے کی تاکید وصیت کرتا ہوں،
(۱) تصویر بنانا (۲) بلا اجازت کسی کی چیز استعمال کرنا (۳) کسی کو تکلیف پہنچانا
(۴) بہتان لگانا (۵) غیبت کرنا (۶) غیبت سننا (۷) بے پردگی،

⑨ یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ [illegible] وصیت [illegible] وصیت کرتا ہوں [illegible] کا خیال رکھیں۔ اللہم بلغت، اللہم بلغت، اللہم بلغت، [illegible] الحمید، فاطر السموات والارض انت ولیی فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین، وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی
۲۳ جمادی الآخرہ ۱۳۸۷ھ [illegible]

[illegible] صلی اللہ علیہ وسلم، [illegible]
[illegible] کی بارگاہ میں سلام اور دعاء کی
درخواست پہنچا کر ممنون فرمائیں

۲۷.۳.۱۴۰۷

مختلف زمانوں میں

رشید احمد
۲۹ رجب ۶۳ھ

رشید احمد
۲۵ ذی قعدہ ۸۶ھ

فتاوی پر حضرت والا

رشید احمد
۱۴ ۰ ۸ ۰ ۱۴۱۰

کی تصدیق کے عکس

رشید احمد
۱۷ ۰ ۱۲ ۰ ۹۶

رشید احمد
۹ ۰ ۲ ۰ ۱۴۱۱

مختلف نگارش کے دستخط

چند عبرت آموز تحریرات

ناقل الحروف بندہ عبدالرحیم نے حضرتِ اقدس دامت برکاتہم کے رسم الخط کی ایسی مشق کی ہے جو بحمداللہ تعالیٰ "ہو بہو" کا منظر پیش کر رہی ہے۔ ذیل میں آپ کی تصنیف اور فتاویٰ سے بطورِ نمونہ چند تحریرات نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں جن کے آئینہ میں آپ کے مندرجۂ ذیل کمالات کی ایک جھلک دیکھی جا سکتی ہے:

① رسم الخط۔ ② اسلوبِ تحریر۔
③ فنونِ دنیویہ میں بھی ایسی مہارت کہ یورپ کی درجنوں ڈگریوں کے پرخچے اڑا دیئے۔
④ غیرتِ ایمانیہ و حمیتِ اسلامیہ۔
⑤ تعلق مع اللہ و عظمتِ علمِ دین۔
⑥ حق گوئی و بے باکی جس کی اس زمانہ میں مثال نہیں ملتی۔
⑦ اہلِ باطل و اہلِ اقتدار پر ہیبت و جلال۔

بحمداللہ تعالیٰ حضرتِ اقدس دامت برکاتہم کی ان حیرت انگیز و عبرت آموز تحریرات کی ضرباتِ شدیدہ کی بدولت بہت سے گم کردہ راہ ہدایت پر آ گئے، نمبر ۳ اور نمبر ۴ میں مذکورہ گستاخانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دماغ بھی درست ہو گئے اور انہوں نے توبہ کرلی ؎

زمیں پر رحمۃ اللہ بن کے آیا تو زمانہ میں
پیامِ رشد پوشیدہ ہے تیرے تازیانہ میں

اب تحریرات کی نقول پیش کی جاتی ہیں:

① یورپ کی ڈگریوں کے پرخچے،

"احسن الفتاویٰ" کی دوسری جلد میں مسٹر عنایت اللہ مشرقی کے رد میں رسالہ "المشرفی علی المشرقی" کی آخری چند سطور

معذرت:

مسودہ تعاقب میں بہت شگفتہ قلم سے چند شوخ فقرے بھی چست کر دیے ہیں جو مسٹر جی کی ہرزہ سرائی کی صدائے بازگشت ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مسٹر کی ناپاک تحریر والعیاذ باللہ زبان و قلم کی غلاظتوں کے مقابلہ میں یہ فقرے بہت ہلکے ہیں بعد اذن الٰہی وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا اور وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ کے تحت انتقام کا حق جائز ہے بہت کم درجہ میں ہیں ورنہ ہر شخص جانتا ہے کہ مرتد کی اصل سزا تو یہی ہے کہ اس کے وجود ناپاک سے اللہ تعالیٰ کی زمین کو پاک کر دیا جائے۔

مغرور مسٹر اور مسکین ملّا:

مسودہ میں صرف ایک مضمون "سمت قبلہ" جو مسٹر جی کی جانب سے اس میں ایک ورق سے کچھ زیادہ ہے جس میں فحش غلطیاں نکلی ہیں اس میں نیز خود انتقام کا نشان

دیکھتے ہم منبر علی عدالتوں کو خوش کرنے والے ملاؤں کا مذاق اڑانے والے شہر فخر مسعود کو ایک بوریہ نشین ملا کے ذریعہ خاک میں ملا دیا، یا رب کی مجھ جیسے ڈگریاں رکھنے والے سترہ ہزار تنخواہ پانے والے ایسے ایسے ملا کے ہاتھوں سے نیچے گرا دیے جس نے اسکول میں ہرگز ایک سبق بھی نہیں پڑھا، دل ملا تسکین! تو نے تو یا رب کی ڈگریوں کی تونے تک دھجیاں ڈالیں۔

میرے رب کریم! یہ محض تیرا کرم ہے کہ تو نے مجھے ملاؤں کے خاندان میں اور ملا کے گھر میں پیدا فرمایا اور مجھے بھی ملا بنا کر اپنا علم عطا فرمایا، ہم سرداروں کے دماغ اس قدر بہتر کر دیے، میرے رب کریم! تیرا اس کرم پر الحمد للہ تو مجھے ملائیت پر زندہ رکھ اور ملائیت ہی پر مجھے موت دے، بعد ملاؤں کی مقدس جماعت میں میرا حشر فرما، اور قیامت تک میری اولاد کو ملائیت کی دولت عطا فرما اور ان کو علمی صلاح و فلاح کے ساتھ علمی فضل و کمال بھی اپنے عطا فرما جو تیری معرفت اور تیرے دین کی خدمت کا ذریعہ بنے اور اس کے سامنے سرداروں کا غرور پامال ہوتا رہے، یا الصمد! تو نے ان سرداروں کو مسلمان گھرانوں میں پیدا فرمایا ہے اس کرم کے طفیل

تو انکو سچے مسلمان بنادے اور ہم سب ہمارے ساتھ ان کے بغض کو محبت سے بدلدے اور ان کے قلوب کو لہو ولعب کی محبت سے پاک فرما کر اپنی محبت سے منور فرما، آمین۔

کیمیا دارم کہ تبدیلش کنم　　جوئے خوں باشد اگر تبدیلش کنم

والمحمد السنمان
۲۹ رجب ۱۳۶۳ھ

(۲) شیعہ کا کفر و الحاد

[illegible]

تکفیرِ شیعہ کی وجوہ بے شمار ہیں، ان میں سے جو زیادہ معروف خواص و عوام میں مشہور اور ان کی تقریباً سب کتابوں میں مذکور ہیں، تحریر کی جاتی ہیں:

(۱) عقیدۂ تحریفِ قرآن

(۲) اللہ تعالیٰ کے بارے میں عقیدۂ بداء۔

(۳) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف تقیہ جیسے نفاق کی نسبت۔

(۴) حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف کفر و نفاق کی نسبت۔

(۵) حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کا انکار۔

(۶) حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا انکار جس کا اعلان ہر شیعہ مؤذن روزانہ لاؤڈ اسپیکر پر اپنی منحوس اذان میں کرتا ہے۔

(۷) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف کفر و نفاق کی نسبت۔

(۸) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کا انکار۔

(۹) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا انکار۔

(۱۰) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف کفر و نفاق کی نسبت۔

(۱۱) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کا انکار۔

(۱۲) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا انکار روزانہ اذان میں لاؤڈ اسپیکر پر لعنت کا اعلان کرتے ہیں۔

(۱۳) دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے صرف تین کے سوا سب کو کافر و منافق کہتے ہیں۔

(۱۴) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تزکیہ و تطہیر نص قرآن سے ثابت ہے، یہ ملعون و مردود لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اور آپ پر معاذ اللہ! زنا کی تہمت لگاتے ہیں۔

(۱۵) اپنے ائمہ کو معصوم اور عالم الغیب سمجھتے ہیں۔

(۱۶) ائمہ کو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل سمجھتے ہیں۔

(۱۷) ختم نبوت کے منکر ہیں بلکہ اپنے ائمہ میں جملہ اوصاف نبوت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

(۱۸) متعہ جیسی حرام کاری [illegible] کا بہترین اور

دیوبندی کو مسلمان بلکہ بہت بڑے لعین و مولانا مانے جہنم سے نجات

اور جنت میں ترقی درجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں

(۱۹) تبلیغی جیسی ضرر رساں بد عقیدہ انسانیت کی دشمن تبلیغی اور دیوبندی کو

مسلمان سمجھتے ہیں

مسلمان تبلیغیوں کی بنا پر یہ مرد و در دوسرے کفار یہود و نصاریٰ

ہندو سکھ بھنگی چمار وغیرہ سے بھی بدتر ہیں یہ اکفر الکفار ہیں

شیعہ کا ذبیحہ مردار ہے ان کا اسلام ہے اور شیعہ عورت یا مرد کسی مسلمان

ان کا نکاح نہیں ہو سکتا۔

لہٰذا اہل کتاب سے بھی کم تر سمجھنا بالکل فطری امر ہے اس لئے کہ یہ بلغار اسلام

کا عمل ترین ارتداد و فی الحدیث مقاتلہ اسلام میں تو الحمد للہ مسلمانوں

کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی مساعی میں سرگرم رہتے ہیں ایسے کفار کو

زندقہ کہا جاتا ہے

زندقہ اعلیٰ کلام یہ ہے

① حکومت برطانیہ کے لیے مرتد کو تسخیر کر دیا ان قتل کا حکم دی

۲) [illegible] بعد ان کی توبہ بھی قبول نہیں [illegible]

[illegible] ہے

۳) ان کے ہاں متعہ حلال ہے

۴) ان کے ہاں بے نکاح [illegible] حلال ہے

ان مردودوں نے نہ صرف عقائد اسلام میں تحریف کی بلکہ اسلام کے ارکان و احکام نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح، طلاق، میراث وغیرہ سب میں کلمہ طیبہ مسخ کر کے اسلام کے مقابلہ میں اپنا الگ مستقل مذہب پیدا کیا ہے، اس لئے ان کو مسلمانوں کا فرقہ سمجھنا بالکل غلط ہے، یہ مردود عقائد میں مسلمانوں سے الگ نماز، روزہ وغیرہ تمام احکام میں بھی مسلمانوں سے بالکل الگ مذہب رکھتے ہیں۔

یہ حقیقت خوب ذہن نشین کر لیں کہ اس فرقہ کی ابتداء مسلمانوں کے کسی مذہبی اختلاف کی بنا پر نہیں ہوئی بلکہ اسلام کی ضد سے، ابن سبا یہودی کی اسلام دشمنی نے اس فرقہ کو جنم دیا ہے۔

بعض مسلمانوں کو ان روافض کے بارہ میں دو غلط فہمیاں ہیں:

① ان میں بعض فرقے یا بعض افراد ایسے ہیں جو تحریف قرآن اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام پر تفضیل ائمہ ذیشان کے قائل نہیں ہیں

② ان کے علماء تحریف قرآن اور تفضیل ائمہ جیسے عقائد کو مسلم نہیں سمجھتے

جو حضرات ان دو غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں انہوں نے کتب شیعہ کا مطالعہ نہیں کیا لہذا ان کو علم ہی حاصل نہیں ہوا

حقیقت یہ ہے کہ ان میں مرد و عورت، چھوٹا بڑا، بڈھا بچہ کوئی فرد ایسا نہیں جو تحریف قرآن کا عقیدہ نہ رکھتا ہو، ہر عالم و معلم بلکہ جاہل سے جاہل فرد کے دل میں بھی یہ عقیدہ خوب راسخ ہے ان میں عقیدۂ تحریف قرآن بالکل اسی طرح متواترات، مسلمات، بدیہیات ضروریات دین میں سے ہے جیسے کہ اہل سنت میں صداقت قرآن اور نماز روزہ۔

اگرچہ بالکل فرضاً تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ان کے علماء ایسے عقائد کو مسلم نہیں تو بھی کفر و زندقہ کے حکم سے شیعہ کے کسی فرد کو بھی خارج نہیں کیا

جاسکتا مثلاً اگر کسی نے مذہب شیعہ پر خود کوئی عمل کر لیا مگر وہ اس مذہب

کے عقائد کی تفصیل کا علم ضروری نہیں بلکہ اس مذہب کی طرف صرف انتساب

کافی ہے مثلاً کسی کو مسلمان قرار دینے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اسے عقائد

اسلام کی تفصیل معلوم ہو، بلکہ اتنا کافی ہے کہ وہ خود کو مذہب

اسلام کی طرف منسوب کرتا ہو، یعنی ایمان مجمل جو ہر ایک مسلم

میں داخل ہو جاتا ہے البتہ بشرطیکہ اسلام کے خلاف کوئی عقیدہ

نہ رکھتا ہو، لہٰذا ہر وہ شخص جو خود کو مذہب شیعہ کی طرف منسوب

کرتا ہو وہ شیعہ ہے اس لئے وہ بھی کافر و زندیق ہے، اگرچہ اسے

مذہبی عقائد کی تفصیل سے بے خبر ہو۔

یہ محض بطور احتمال و فرضی سوال لکھ دیا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ

ان مردودوں کے عقائد کفریات ہر شیعہ بچے کو گھٹی میں پلا دیتے ہیں

جیسے مسلمان اپنے بچوں کو ہوش سنبھالتے ہی اللہ عزوجل، رسول، قرآن جیسے

نورانی مقدس عقائد اسلام کی تعلیم دیتے ہیں اسی طرح ان مردودوں کے گھر

میں بچے جیسے ہی ہوش سنبھالتے ہیں تحریف قرآن جیسے عقائد اس

ملا و باقر کی کبریائیت میں ایران کو اسے مکمل طور پر شیعہ اور کافر و زندیق بنا

دیتی ہے

اس انتہائی مکار، عیار، تخریب کار، اسلام اور مسلمانوں

کے خلاف بہت خطرناک سازشوں میں ہر وقت مصروف کار، انگریزوں

اور دغا باز یہودی ذہن میں، زبان میں یہودی دنیا میں اول نمبر مشہور اور

ماہر یہودی نژاد قوم جس مذہب کی بنیاد رکھی تو مذہب اور اسلام

اور اسلام کے خلاف بغض و عناد و تخریب کاری پر ہی ہو اور ایسی سالم

روباہ صفت نسل کو اپنی بچوں کی ذہنی تربیت اور ان کی اور ان

میں اپنے مذہب کی بنیاد ڈالی کی کوشش و محنت میں سے ابن سبا

کم سمجھنا حضرت سلمان الرحمن ابن نجیم بلکہ ہر درجہ کی منافقت

لہٰذا انتہائی فریب خوردہ کی بات

اس دین و ایمان کی بنیاد ہی تقیہ پر ہے اس لئے کہ

شیعہ قرآن پر ایمان کا دعویٰ کرتا ہے حقیقتاً تقیہ کرتا ہے، اس

کی شاہد خود انہی کی کتابوں میں موجود ہیں

جب ان سے ان کی کتابیں پیش کی جاتی ہیں تو جواب دیتے ہیں:

"ہم میں سے بعض مجتہد علماء نے جن مصنفین نے تحریف قرآن کا قول کیا ہے وہ ان کا اپنا اجتہاد ہے، ہم پر حجت نہیں ہے۔"

ایسے جوابات میں ان کے تقیہ کا پول کھولنے کے دو طریقے ہیں:

① عقیدۂ تحریف قرآن "اصول کافی" میں بھی موجود ہے اور اس کتاب کے بارے میں ان کا یہ عقیدہ ہے کہ امام مہدی نے اس کی تصدیق کی ہے، پھر جب امام مہدی کی تصدیق اس کتاب کے مسودہ کی پیشانی پر چھپی ہے، لہٰذا یہ عقیدہ معاذ اللہ ان کے امام غائب کا ہے جو معصوم اور عالم الغیب ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی افضل ہیں، اس لئے ان کی تصدیق "کافی" کے ذریعہ سے اس کا انکار کرنا اپنے امام کی عصمت اور علم غیب سے انکار کرنا ہے۔

② ان کے جن مصنفین نے تحریف قرآن کا قول کیا ہے ان سب کو کافر

بلکہ اپنی ایسی تمام کتابیں جلا دیں اور پھر اپنے اس قول و فعل کی اخبارو
میں تشہیر کر دیں۔

میں دعوے سے کہتا ہوں کہ دنیا کا کوئی شیعہ عالم اس پر آمادہ
نہیں ہو سکتا جو شخص بھی چاہے اس کا تجربہ کر کے دیکھ لے
میں نے کئی شہروں میں بھی یہ چیلنج کیا لیکن مرد میدان کوئی مقابلے میں
لندن، امریکہ، سعودی عرب جا کر بھی جلسوں میں بار بار یہ اعلان
کیا ہے

"جو شیعہ عالم یا "ذاکر" مجھ سے معاہدہ کر کے جلا دے اور اپنی تصنیف
کردہ تلف کر کے پھر اپنے اس قول و فعل کی اخباروں میں اشتہار دے
میں اسے ایک لاکھ روپیہ دوں گا۔ لاکھ روپیہ جمع کرنے کی
لیکن مجھے جمع بھی نہیں کرنا پڑے گا۔ اپنی بات سے ہی دور رہیں گے
بہرحال مجھے امید ہے دنیا کے جتنے شیعہ عالم اعلان کرتے
جائیں گے ہر ایک کو لاکھ روپیہ دیتا جاؤں گا۔"
مگر آج تک کوئی ایک شیعہ عالم ایسا پیدا نہیں ہوا اور نہ ہی قیامت

تک بڑھ سکتا ہے

کیا اس کے بعد بھی کسی کو اس حقیقت میں کسی قسم کے تامل کی کوئی
گنجائش نظر آسکتی ہے کہ بلا استثناء شیعہ کا ہر فرد فرداً فرداً
اسلام سے خارج اور زندیق ہے

کیا کوئی مسلمان "دیوث" بننا برداشت کر سکتا ہے؟!

بعض سادہ لوح مسلمان کہتے ہیں:

"ہمارا ہمسایہ شیعہ ہے، لیکن اس کے ساتھ ہمارے بہت پرانے
تعلقات ہیں، فلاں شیعہ ہمارا ہم جماعت ہے، فلاں
شیعہ ہمارا ہم سبق ہے، ایسے ایسے لوگوں کے ساتھ
دوستی ہے، ایسوں سے تعلقات منقطع کرنا بہت
مشکل ہے اور مروت کے سخت خلاف ہے"

ایسے لوگ یہ بتائیں:

"اگر کوئی آپ کی ماں، بیٹی اور بہن کو گالی دے، زانیہ اور بدکار
کہے تو آپ کسی مروت کی وجہ سے اس کے ساتھ تعلقات

سکتے ہیں؟

شیعہ مردود ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں ایسی بکواس کرتے ہیں، جبکہ آپ کی پاکبازی کا اعلان اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے، مگر یہ مردود لعنہم اللہ تعالیٰ قرآن کریم کا تکذیب کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کون ہیں؟

① پوری امت کی ماں، امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں سب سے افضل۔

② سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت چہیتی بیوی سب بیویوں سے زیادہ مقرب۔

③ پوری امت میں سب سے افضل بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سب سے زیادہ مقرب خلیفہ بلا فصل حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی۔

اب سوچیں آپ اپنی ماں، بہن، بیوی پر ایسی تہمت

رکھنے والے سے تعلقات نہیں رکھ سکتے تو پوری امت کی ماں، دونوں جہانوں کے سردار کی بیوی، اور پوری امت میں افضل ترین شخصیت کی صاحبزادی کے حق میں ایسی بکواس کرنے والے، اللہ تعالیٰ اور قرآن کریم کو جھٹلانے والے، پوری امت کی ماں کو "بدکار" کہنے والے، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور پوری امت کو "دیوث" کہنے والے بدبختوں سے تعلقات رکھنے کیسے گوارا کر لیتے ہیں؟

بتائیں! ایسا شخص انتہائی بے دین ہونے کے علاوہ انتہائی بے غیرت اور دیوث نہیں؟ ایمان اور غیرت دونوں کا جنازہ نکل گیا ہے

اگر آپ ایسے کسی شیعہ سے تعلقات منقطع کرنے کی ہمت نہیں کر سکتے تو اس کی ماں، بہنوں اور بیٹی کو برا کہیں پھر دیکھیں وہ آپ سے تعلق رکھے گا؟ حالانکہ ان مذہب میں

متعہ جیسی بدکاری تو بہت بڑی بات اہل بیت رضی اللہ عنہم تو
بدکاری کی تہمت تو درکنار متعہ بازی کا طعنہ بھی ہرگز
برداشت نہیں کر سکتے

ان دشمنان اسلام کی کفریات اور سیاہ کاریوں کی تفصیل
میری کتاب "حقیقت شیعہ" میں ہے

رشید احمد

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۷ ۔ ۳ ۔ ۱۴۱۱

دار الافتاء والارشاد

نمبر ۲۳۵۶۱

پنجۂ فاروق ہوں میں تیغ ہوں دو دھار کی
کاٹ کر سینوں پہ رکھ دوں گردنیں کفار کی
دشمنانِ پیلتن کو بھی لٹا دوں خاک پر
مہلکِ فجار ہوں، نازاں ہوں اپنی دھاک پر
(حضرت اقدس)

۳ گستاخِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دماغ کا آپریشن؛

مندرجۂ ذیل فتویٰ کے اجراء کی حیرت انگیز اور عبرت سے لبریز تفصیل "باب العبر" کے نمبر ۹۰ کے آخر میں مذکور ہے۔

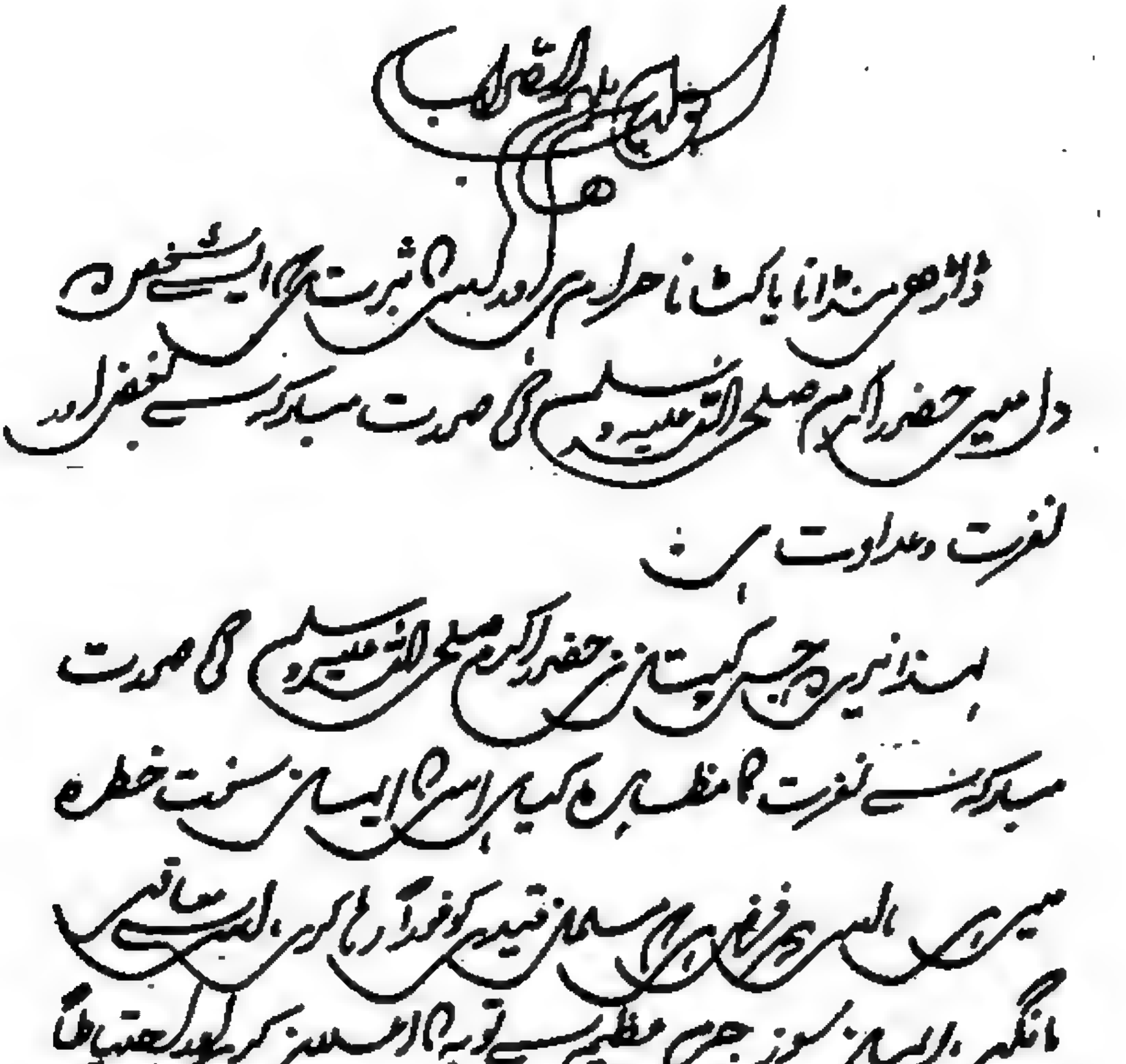

الجواب باسم ملہم الصواب

ڈاڑھی منڈانا یا کٹانا حرام ہے اور کبیرہ، اس سے ثابت ہوا کہ اس شخص کے دل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ سے بغض اور نفرت وعداوت ہے،

نیز جس گستاخ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ سے نفرت کا مظاہرہ کیا ہے اس کا ایمان سخت خطرہ میں ہے، اس پر فرض ہے کہ اس مسلمان قیدی کو فوراً رہا کرے، اس سے معافی مانگے، اس ایمان سوز جرمِ عظیم سے توبہ و استغفار کرے، بعد احتیاطاً تجدید ایمان و تجدید نکاح بھی کرے۔

اگر گستاخ توبہ کا اعلان نہیں کرتا تو حکومت پر فرض ہے کہ دشمن اسلام زندیق کو کھلے میدان میں برسرِ عام قتل کروا کر اللہ کی زمین کو اس باغی مردود ناپاک کے وجود سے پاک کر دیں

اگر حکومت یہ فرض ادا کرنے میں سہل انگاری سے کام لے تو ایسی بے دین حکومت کو مسلمانوں پر حکمرانی کا کوئی حق نہیں، دنیا و آخرت میں اسلام دشمن حکمران بدانجام ذلت و رسوائی کا انتظار کریں

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

١١-٠٣-١٤٠٨

نمبر ٢٠٩٢٥

واعظِ بے بس نہیں ہوں نعرہ ہوں میں حیدری
قصرِ باطل کے لئے میں رعد کی سی ہوں کڑک
گریۂ مسکیں نہیں ہوں شیرِ خوں ریز ہوں
گردنِ باطل پہ میں اِک تیغِ خوں آمیز ہوں
ہے زمیں سہمی ہوئی تھرا رہے ہیں آسماں
میری ہیبت چھا چکی ہے بر مکینِ ہر مکاں
(حضرت اقدس)

④ دوسرے گستاخ کے دماغ کا آپریشن:

مندرجۂ ذیل فتویٰ ایسے شخص کے بارہ میں ہے جو دنیوی لحاظ سے بہت اونچی حیثیت رکھنے کے علاوہ غنڈہ گردی، تخریب کاری اور علانیہ بھرے مجمعوں میں قتل وغارت میں بھی بہت مشہور ہے۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ایک مشت داڑھی رکھنا فرض ہے اس سے کم کرنا یا منڈانا بالاجماع حرام ہے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ ایسے شخص کے دل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ سے نفرت ہے

داڑھی سے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات،

① داڑھی بڑھاؤ اور مشرکین جیسی شکل وصورت مت بناؤ (بخاری و مسلم)

② داڑھی بڑھاؤ اور مجوسیوں جیسی ہیئت مت اختیار کرو

(مسلم)

③ داڑھی بڑھاؤ اور یہودیوں جیسی شباہت مت بناؤ (طحاوی)

④ ڈاڑھی بڑھانا یہود و نصاریٰ کی مخالفت ہے (بزار، مسند احمد)

⑤ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایران کے بادشاہ کسریٰ کے دو قاصد پہنچے جن کی ڈاڑھیاں منڈی ہوئی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ایسے منحوس چہروں پر ایک نظر ڈالنا بھی گوارا نہ فرمایا، مہمان اور دوسرے ملک کے سفیر ہونے کے باوجود آپ نے ان کو دیکھنے سے بھی انکار فرمایا، صرف یہی نہیں بلکہ یوں ڈانٹا:

"تم برباد ہو جاؤ تمہیں ایسی شکل و صورت بنانے کا کس نے حکم دیا ہے؟ میرے رب نے تو مجھ کو حکم دیا ہے اپنی ڈاڑھی کو بڑھاؤں"

حالانکہ یہ لوگ کافر تھے جو احکام اسلام کے مکلف نہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب ہدایت کے اشارات اسی مضمون کا اور بہت سی احادیث کا مجموعہ سے پتہ لگتا ہے کہ ڈاڑھی ایک مشت سے کم کرانا حرام ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ :

واما الاخذ منها وهي دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه احد۔ (رد المحتار ص۱۲۳ ج۲)

طبعاً، عقلاً، شرعاً داڑھی کی اتنی اہمیت ہے کہ اسے شعار اسلام و مسلم اور جزو زینت قرار دیا گیا ہے اگر کوئی کسی کی داڑھی اس طرح مونڈ دے کہ دوبارہ نہ اُگے تو اس پر مثل نفس کی پوری دیت واجب ہے یعنی اتنا معاوضہ ادا کرے جتنا کسی مسلمان کو قتل کرنے کا دیا جاتا ہے جس کی مقدار مندرجہ ذیل مقادیر میں سے کوئی ایک ہے:

① دس ہزار درہم = ۳۲٫۰۲ کلوگرام چاندی

② ایک ہزار دینار = ۸۶٫۴ کلوگرام سونا۔

③ سو اونٹ۔

اگر [illegible] تو:

جس مردود نے ایک مسلمان کی داڑھی زبردستی مونڈی ہے اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ادا، سنت مبارکہ، اسلام، مسلم، دین، ملت اہم شعار کی توہین کی جو کفر یا اس سے قریب ہے:

① جن لوگوں کو اس فتوے کا علم ہے لیکن سب کے سامنے اس کفر پر حرکت سے توبہ کا اعلان کریں ایمان کی تجدید کریں

② سب کے سامنے اس گستاخی سے معافی مانگیں

③ اپنا نکاح دوبارہ پڑھوائیں

جب تک ایمان کی تجدید کے بعد تجدید نکاح نہ کریں اس وقت تک اس کی بیوی اس پر حرام ہے بیوی اس کی ایسے مرد و دونوں کا ساتھ رہنا ناجائز اور سخت گناہ ہے

اگر یہ مرد و مندرجہ بالا امور پر عمل نہیں کرتا تو تمام اہل اسلام بالخصوص اہل علم پر فرض ہے:

① اس مولوی سے ہر قسم کے تعلقات سلام کلام بیاہ شادی سب فوراً منقطع کردیں، اگر کوئی اس تنبیہ کے بعد بھی اس دشمن اسلام اور گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی قسم کا تعلق رکھتا ہے تو ایسے بے دین بے ضمیر اور بے غیرت سے بھی تعلقات رکھنا ویسے ہی حرام ہے جیسے اس مرتد سے۔

③ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں انتہائی گستاخی کرنے والے اور اسلام اور اس کے اہم شعائر کی ایسی سخت توہین کرنے والے ایک مسلمان پھر ڈھٹائی جیسا ظلم عظیم اور اس کی علانیہ توہین کرنے والے مرتد، پر غضب ہونے کا اور اس شیطان کو کیفر کردار تک پہنچانے والے جذبۂ ایمانیہ و غیرت دینیہ کا ثبوت دیتے ہوئے یک آواز اس کے خلاف کھڑے ہو جائیں اور اجتماعاً و انفراداً جو اقدامات بھی کر سکیں سب بروئے کار لا کر اس فرض سے سبکدوش ہوں اور دنیا اور آخرت میں سرخروئی کی سعادت حاصل کریں جو شخص بھی یہ فرض ادا کرنے میں غفلت برتے گا وہ دنیا و آخرت میں قہر الٰہی سے نہیں بچ سکتا۔

④ اخبارات و رسائل کے ذریعہ حکام کو مرتد و دہریہ کے بارے میں حکم شریعت سے آگاہ کریں اور ان کو اس حکم کی تعمیل پر مجبور کریں۔

⑤ اخبارات و رسائل اور دیگر ذرائع سے اس کو شرعی سزا دینے کا حکومت سے پرزور مطالبہ کریں۔

حکومت پر فرض ہے کہ ایسے دشمن اسلام ناپاک اور منحوس وجود

اللہ کی زمین کو پاک کریں جلد از جلد فیصلہ کریں کھلے میدان میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو جمع بلا کر ان کے سامنے اس مردود کی گردن اڑا دی جائے اور سر قلم کر دیں عبرت ہو کسی بشر کی جرأت نہیں پھر لکھنے یا بکنے کی

والسلام العاصم من جمیع الفتن ۔

١٤١١ ٠ ٣ ٠ ٢٢

نقش ٢٣٥٧٢

زاہدِ بےدل نہیں ہوں عاشقِ بدنام ہوں
اہلِ باطل کے لئے میں موت کا پیغام ہوں
ایک نعرہ سے ہلادوں میں بڑے انبوہ کو
ایک ٹھوکر سے گرادوں میں مثیلِ کوہ کو
اُس حریمِ ناز کا میں عاشقِ جانباز ہوں
اِک صدائے غیب پر لبیک کی آواز ہوں
صاحبِ ارشاد ہوں میں قالعِ الحاد ہوں
قاتلِ کفار ہوں میں قامعِ افساد ہوں
(حضرتِ اقدس)

التقدیم

صاحبِ سوانح
فقیہُ العصر عارفِ کامل
مجدد الملۃ حضرتِ اقدس دامت برکاتہم

عزیز محترم مولوی احتشام الحق آسیا آبادی اس بندۂ بے حال کے حالات قلمبند کرنے پر مُصِر ہوئے، میں نے ہر چند انکار کیا، مگر میرے انکار پر اُن کے اصرار میں مزید اضافہ ہی ہوتا گیا، جو مجھ پر بہت شاق اور انتہائی ناگوار تھا، لیکن انھوں نے غلبۂ حال میں یا تو میری ناگواری کو محسوس نہیں کیا، اور یا میری ناگواری پر اپنی مطلب برآری کو مقدم رکھا، بہرکیف وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے، اور ایک ضخیم مسودہ لکھ ڈالا۔ ماشاء اللہ! لکھاڑ تو ہیں ہی، روزانہ جو کچھ لکھتے رہے ساتھ ہی ساتھ میں اُسے بنظرِ اصلاح دیکھتا رہا، تاکہ کوئی امر خلافِ واقع یا نامناسب تحریر میں نہ آئے۔ چنانچہ مسودہ سے بعض طویل مضامین بالکل حذف کر دیئے اور بقیہ مضامین سے صفحات کے صفحات کاٹ کر ہر مضمون کو مختصر کیا، مع ھٰذا میرے اُسلوبِ تحریر کے مطابق اس میں اب بھی کافی تطویل ہے۔ بقول ان کے:

"اُن کے اطناب اور میرے ایجاز کے اجتماع سے
تحریر میں اعتدال پیدا ہو جاتا ہے۔"

مسودہ پر نظرِ اصلاح کے ساتھ ساتھ اس دُعاء کی توفیق بھی ہوتی رہی کہ اگر اس کی اشاعت میں امت کے لئے کوئی مُعتدبہٖ نفع ہے تو اس کی ترتیب و تبییض کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے، ورنہ عزیز موصوف کی یہ محنت بس انہی کی ذات تک محدود رہے۔

اس کے بعد عزیزِ موصوف متفرق دینی مشاغل میں ایسے مصروف ہوگئے کہ یہ کام بالکل نسیاً منسیا ہوگیا، اور اس کی ترتیب وتبییض کی بظاہر کوئی توقع نہ رہی۔ اس سے میں اپنی دُعاء کا ثمرہ یہی سمجھنے لگا کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کی اشاعت میں کوئی نفع نہیں، اس لئے ان کی رحمت نے دستگیری فرمائی اور نشرِ لغو وخطرۂ عُجب سے بچالیا۔

لیکن کئی سال کی خاموشی کے بعد احباب کو پھر وہی شوق اُٹھا، چنانچہ عزیزِ محترم احمد نور المقتدی نے مولوی احتشام الحق سے مسوّدہ لے کر اس کی ترتیب و تبییض کے علاوہ اس میں بعض مفید اضافات بھی کئے۔ میں نے اضافات کو بھی بغرضِ اصلاح حرفاً حرفاً دیکھا۔ اب ان دونوں عزیزوں کی مشترکہ محنت کتابی صورت میں ناظرین کے سامنے ہے۔ اگر اس میں کوئی قباحت ہے تو وہ میرے نفس کی خباثت ہے، اور اگر اس میں کسی کے لئے کوئی ہدایت ہے تو وہ میرے ربِّ کریم کی عنایت ہے ـــــ اب اس دُعاء کا معمول ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ مِنْ خَیْرِهَا وَخَیْرِ مَآ اُلِّفَتْ لَهٗ،
وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَآ اُلِّفَتْ لَهٗ.

"یا اللہ! میں تجھ سے ان حالات کی خیر اور جس مقصد کے لئے یہ حالات جمع کئے گئے ہیں اس کی خیر مانگتا ہوں، اور ان حالات کے شر اور جس مقصد کے لئے یہ حالات جمع کئے گئے ہیں اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔"

وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِهٖ.

"اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں، جو کچھ بھی ہے محض اسی کی دستگیری سے ہے۔"

رشید احمد
۱۴؍ ذی القعدہ ۱۴۰۳ھ

تقریب

حضرت مولانا احتشام الحق صاحب مدظلہ رئیس الجامعۃ الرشیدیۃ آسیاآباد بلوچستان

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امّا بعد ۱۳۹۱ھ سے جب راقم الحروف نے باقاعدہ اپنے محسن ومربّی فقیہ العصر، محدثِ کبیر، شیخ المشائخ، عارفِ کامل، قطب الارشاد، مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم وعمت فیوضہم کے ملفوظات وارشادات لکھنے شروع کئے تو اس کی ضرورت بھی شدت سے محسوس ہوئی کہ جس طرح ان مجالس رُشد و ہدایت کو قلمبند کر کے ضیاع سے بچایا جارہا ہے کیا ہی بہتر ہو اگر اسی طرح آپ کے حالاتِ زندگی بھی قلمبند ہوجائیں، کیا عجب ہے کہ اس سے کسی گم گشتۂ راہ کو اپنی منزل کی طرف رہنمائی مل سکے بعض احباب نے بھی مجھے اس طرف توجہ دلائی، خود میں نے بھی بعض احباب کو اس ضرورت کا احساس دلانے کی کوشش کی ـــــ لیکن اس عظیم ہستی کی سوانح کون لکھے؟ اس کا انتظار تھا، یہاں تک کہ ۱۳۹۳ھ میں ”روشنی کا مینار“ کے نام سے میں نے حضرتِ والا کے بعض واقعات قلمبند کئے، جن میں سے اکثر آپ کے استغناء سے متعلق تھے، تو قلب میں شدّت سے یہ داعیہ پیدا ہوا کہ حضرت شیخ دامت برکاتہم کے مکمل حالاتِ زندگی کسی طرح آپ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں جمع کردیئے جائیں تاکہ صاحبُ السّوانح کی نظرِ اصلاح سے گزر کر ان کی صحت یقینی ہوجائے، چنانچہ بالواسطہ اور بلاواسطہ میں نے اس کا تذکرہ شروع کردیا اور اجازت بھی چاہی،

کچھ احباب نے بھی از خود اس سلسلہ میں حضرتِ والا سے اصرار کیا، مگر سب کا بالعموم یہی مشترک جواب تھا:

"اس بے حال کا کوئی حال ہے ہی نہیں جو لکھا جائے، عِلاوہ ازیں ؎

خُمُولِی اَطْیَبُ الْحَالَاتِ عِنْدِیْ
وَاِعْزَازِیْ لَدَیْهِمْ فِیْهِ عَارِیْ"

"میری گمنامی مجھے سب حالات سے زیادہ پسند ہے،
اور لوگوں میں میرا اعزاز میرے لئے باعثِ شرم ہے"

مسلسل اِصرار کے بعد ۵ رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ میں حضرتِ والا نے بادلِ نخواستہ سوانحی خاکہ ترتیب دینے کی اجازت مرحمت فرمائی، مجھے طویل مُدّت تک حضرت کی خدمت میں رہنے کی سعادت نصیب ہوئی، آپ کے تمام حالات کو بچشمِ خود دیکھنے کا خوب موقع ملا، عِلاوہ ازیں آپ کے قدیم تلامذہ و خُدّام سے بھی بہت سے حالات کا عِلم ہوا، مع ھٰذا مجھے اس کی اہمیت محسوس ہوئی کہ آپ کے مخصوص حالات براہِ راست آپ سے معلوم کرنے کی کوشش کروں، چنانچہ سب سے پہلے میں نے بصُورتِ خط سُوالات لکھ کر حالات دریافت کرنے کا سلسلہ شروع کیا، اور ۶؍ رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ کو دس سُوالات پر مشتمل خط خدمتِ عالیہ میں پیش کر کے جوابات بھی تحریری حاصل کر لئے، لیکن سب سے زیادہ ضروری وہ سُوالات جن کا تعلق خود حضرتِ والا کی ذات سے تھا اُن کے جواب میں تحریر تھا ؎

نہ گُلم نہ برگِ سبزم نہ درخت سایہ دارم
درحیرتم کہ دہقان بہ چہ کار کشت مارا

"میں نہ پھول ہوں، نہ سبز پتا ہوں، نہ سایہ دار درخت ہوں،
میں حیران ہوں کہ کاشتکار نے مجھے کس کام کے لئے بویا؟"

میں نے محسوس کرلیا کہ اس طریق سے میں تفصیلی حالات دریافت نہیں کرسکوں گا، اور بہت سی مفید معلومات تشنۂ تشریح رہ جائیں گی، اس بنا پر میں اگلے دن روزانہ پانچ سے دس منٹ کا وقت لے کر زبانی حالات دریافت کرکے انھیں ضبطِ تحریر میں لاتا رہا، یہاں تک کہ تقریباً تمام ضروری معلومات ضبطِ تحریر میں آگئیں۔

یہ سب کچھ ابھی صرف معلومات کی حد تک ہی تھا، کہ ۱۳۹۵-۹۶ھ میں حضرت دامت برکاتہم کے جدید وقدیم فتاوی کے مجموعہ ”احسن الفتاوی جدید“ کی جلد اول منظرِ عام پر آنے کے لئے صرف پریس کا انتظار کر رہی تھی، میں نے موقعِ غنیمت جانتے ہوئے ”تذکرۃ المؤلف“ کے نام سے سوانح عمری کا ایک مختصر سا خاکہ لکھ کر حضرت کی نظرِ اصلاح سے گزار کر ”احسن الفتاوی جدید جلد اول“ کے شروع میں لگادیا، اور مفصّل معلومات کے لئے یہ وعدہ کیا کہ وہ میری زیرِ ترتیب کتاب ”انوار الرشید“ میں لکھ دی جائیں گی۔

عام دستور یہ ہے کہ بزرگوں کی سوانح حیات ان کے وصال کے بعد لکھی جاتی ہیں، مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی مُصلحِ امت کی سوانح عمری اس کی زندگی ہی میں شائع ہونے میں جہاں دیگر فوائد ہیں وہاں مندرجۂ ذیل دو فائدے بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں:

① — صاحبِ سوانح کی نظرِ اصلاح سے مندرجہ حالات کی صحت مُصدّقہ ہوجاتی ہے۔

② — کسی کو حالات پڑھ کر اطمینان ہوجائے تو وہ اصلاحی تعلّق قائم کرسکتا ہے۔

چنانچہ بالخصوص اُمورِ بالا کو مدِّنظر رکھتے ہوئے راقم الحروف نے ”انوار الرشید“ کی باقاعدہ ترتیب شروع کردی، لیکن مشیّتِ ایزدی کہ اس کے بعد جلد ہی حضرتِ والا کے مشورہ سے بندہ نے ۱۸ رشعبان ۱۳۹۶ھ میں ”جامعہ رشیدیہ“ آسیا آباد مکران

کی بنیاد رکھ دی، اور علمی قحط زدہ علاقہ میں جامعہ رشیدیہ اور اس کے دار الافتاء کی ذمہ داریوں اور علاقہ کے گوناگوں دینی مسائل وحوادث میں مصروفیات کی وجہ سے میں بدقسمتی سے اس عظیم کام کے لئے وقت نہ نکال سکا، اُدھر تشنگانِ اصلاح وسلسلۂ رشیدیہ سے متعلقین اور احسن الفتاوی سے استفادہ کرنے والے احباب کی طرف سے اصرار اور بار بار تقاضے ہوتے رہے یہاں تک کہ قادرِ مطلق نے ”انوار الرشید“ کے لئے ایک ”رجل رشید“ کا انتخاب فرمایا، برادرِ محترم جناب احمد نور المقتدی صاحب نے کمرِ ہمت باندھ کر ”انوار الرشید“ مکمل فرمادی، آپ کئی سالوں سے مسلسل حضرتِ والا کی تمام مجالس میں بہت اہتمام سے شرکت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اقوال و احوال سے اخذ کرنے کا خاص ملکہ عنایت فرمایا ہے، آپ نے میرے جمع کردہ حالات کو حُسنِ ترتیب سے مرتب کرنے کے علاوہ اپنے چشم دید واقعات اور بالمشافہہ سُنے ہوئے اقوال کا اضافہ کرکے کتاب کی افادیت میں چار چاند لگادیئے ہیں۔

حضرتِ والا دامت برکاتہم نے اس مجموعہ کو اوّل سے آخر تک بنظرِ اصلاح ملاحظہ فرمایا ہے۔

اب منبعِ رشد وہدایت کے احوال واقوال بصورت ”انوار الرشید“ آپ کے سامنے ہیں، بحمد اللہ تعالیٰ اس مجموعہ میں عامۃ المسلمین اور بالخصوص طالبانِ علومِ نبوت ورہروانِ راہِ طریقت کے لئے بہت کچھ رہنمائی کا سامان جمع ہوگیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرماکر مقبولِ عام بنائیں، اور اُمتِ مُسلمہ کی رہنمائی کے لئے حضرت دامت برکاتہم کا سایہ صحت وعافیت کے ساتھ تادیر قائم رکھیں۔ آمین ثم آمین۔

احتشام الحق آسیا آبادی
جامعہ رشیدیہ، آسیا آباد
مکران (بلوچستان)

۲۴ رمضان المبارک سنہ ۱۴۰۳ھ
مطابق ۶ جولائی سنہ ۱۹۸۳ء

استکمال

حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب مدظلہ نائب رئیس جامعۃ الرشید

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا احتشام الحق صاحب آسیا آبادی سے "انوار الرشید" کا سنگِ بنیاد رکھوایا، پھر محترم جناب احمد نور المقتدی صاحب نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کی تکمیل کی۔ ان دونوں حضرات کی تحریرات کے مجموعہ سے تقریباً تین سو صفحات کی کتاب چھپ گئی اور بار بار چھپتی رہی۔

عوام و خواص کو اس گرانقدر سرمایہ کے چند اجزاء محفوظ ہو جانے کی مسرت کے ساتھ سخت افسوس اور کوفت و شکایت بھی تھی کہ اس مجموعہ میں فقیہ العصر، عارف کامل، یادگارِ سلف شیخ المشایخ، مجددِ ملت حضرتِ اقدس دامت برکاتہم کے پاکیزہ حالات کا عشرِ عشیر بھی نہیں۔ کئی حضرات اس شکایت کا باہم بہت درد سے اظہار کرتے رہے، بعض علماء نے طویل مضامین لکھ کر حضرتِ والا کی خدمت میں بھیجے، مگر آپ پر تو اس کتاب کا سنگِ بنیاد ہی بہت گراں تھا، جیسا کہ حضرت مولانا احتشام الحق صاحب نے اپنی تحریر کی ابتداء میں عنوان "تقریب" کے تحت تفصیل سے لکھا ہے، اس لئے آپ نے ان مرسلہ مضامین کو ضائع کر دیا شائع کرنے کی اجازت نہ دی۔

اتنی بڑی شخصیت کی سوانح پر اتنی مختصر سی کتاب کی تالیف پر تعجب و حیرت اور افسوس ہونا ہی چاہئے، بلکہ جتنا بھی تعجب و افسوس کیا جائے کم ہے، اس لئے اس چیستان کا حل قارئین کے سامنے پیش کرنا ناگزیر ہے۔

اس اختصار کے سبب دو ہیں؛

۱۔ حضرتِ اقدس کا اپنی سوانح پر کسی کتاب کی تالیف کو پسند نہ فرمانا۔
۲۔ سوانح لکھنے والوں کے لئے حالات معلوم کرنے کے ذرائع کا فقدان۔

پھر سببِ اول پر مندرجۂ ذیل اسباب متفرع ہوئے،

① حضرتِ والا کی طرف سے اپنے حالات کا کتمان و اضمار۔
② دریافت کرنے پر بہت مختصر سا اظہار۔
③ یہ پابندی کہ جو کچھ بھی لکھا جائے وہ مجھے دکھایا جائے۔
④ تھوڑا بہت جو کچھ لکھ کر پیشِ خدمت کیا جاتا اس میں سے صفحات کے صفحات کاٹ دیتے۔

مذکورہ بالا سب اسباب کا ثبوت کتاب کے شروع میں عنوان "تقدیم" کے تحت حضرتِ والا دامت برکاتہم کی تحریر اور عنوان "تقریب" کے تحت حضرت مولانا احتشام الحق صاحب کی تحریر میں عیاں ہے۔

بندہ راقم الحروف نے سنہ ۱۴۰۲ھ میں جب "دار الافتاء والارشاد" میں داخلہ لیا اور حضرتِ اقدس کے حالاتِ طیبہ کا بہت قریب سے مشاہدہ کرنے کے مواقع ملے تو بندہ کو بھی "انوار الرشید" کے نامکمل بلکہ کالعدم ہونے کا بہت شدت سے احساس ہوا۔

پھر جب حضرتِ اقدس دامت برکاتہم نے بندہ کی شدید خواہش اور چاہت پر اس ناچیز کو براہِ عنایت و شفقت "دار الافتاء والارشاد" سے مستقل وابستہ کر کے احسانِ عظیم فرمایا اور بوجہِ قرب ہر آئے دن بلکہ لمحہ بہ لمحہ آپ کے کمالات سامنے آنے لگے تو "انوار الرشید" کے بارہ میں میرا احساسِ مذکور تیز تر ہوتا چلا گیا، میں نے آپ کے ارشادات و حالات کے جواہر جمع کرنا شروع کر دیئے مختصر اشارات ہی کے مجموعہ کی کئی ضخیم جلدیں تیار ہو گئیں۔

اس ناچیز کے قلم سے اتنا بڑا ذخیرہ بلکہ ذخائر جمع ہو جانے کی سعادت کی وجوہ یہ ہیں:

① صحبتِ طویلہ، سن ۱۴۰۲ ہجری سے لے کر دمِ تحریر تک چودہ سال کا عرصہ۔ اللہ تعالیٰ آیندہ بھی زیادہ سے زیادہ اس شرف سے نوازیں، برزخ میں، حشر میں اور جنت میں بھی اکابر کی صحبت و معیت کی دولت و سعادت عطاء فرمائیں۔

② سفر و حضر میں معیت، بیرونی اسفار میں بھی مصاحبت کی سعادت۔

③ نیابتِ افتاء، نیابتِ ریاست، جہاد کی تنظیمات میں نیابت و نمایندگی بلکہ دیگر ہمہ قسم کے امور میں بھی معیت و نیابت کی سعادت۔

ان خدمات کی وجہ سے شب و روز زیادہ سے زیادہ ارشادات، حالات اور معاملات سننے، دیکھنے، برتنے کے مواقع پیش آنا۔

④ بندہ کے قلب میں حضرتِ اقدس دامت برکاتہم سے والہانہ محبت و عقیدت، جو ہر وقت ارشادات و حالات سے زیادہ سے زیادہ استفادہ پر مستعد رکھتی ہے۔ حضر ہو یا حضرتِ والا کی معیت میں سفر، بہر حال اپنے ساتھ ہر وقت ایک دفتر رکھتا ہوں، جو ارشادات سنتا ہوں اور جو حالات دیکھتا ہوں لکھتا جاتا ہوں۔

⑤ سب سے بڑی وجہ بلکہ اصل بنیاد حضرتِ والا کی اس ناکارہ پر خصوصی نظرِ عنایت ہے، اسی لئے ناکارہ کی تحریرات کو شرفِ قبول سے نوازتے رہے، جبکہ دوسرے کئی حضرات کے کئی مضامین کو چھاپنے کی اجازت نہیں دی۔

خصوصیاتِ مذکورہ بندۂ ناچیز کے سوا کسی دوسرے کو حاصل نہیں، اللہ تعالیٰ اس ناکارہ کو اس نعمتِ عظمیٰ کا قلباً قولاً عملاً شکر ادا کرنے کی توفیق عطاء فرمائیں۔

میں نے کئی جلدیں لکھ توڈالیں مگر حضرتِ اقدس دامت برکاتہم سے ان کو "انوار الرشید" میں شامل کرنے کے بارہ میں کچھ عرض کرنے کی ہمت کہاں سے لاؤں؟

میں نے رمضان سنہ ۱۴۰۶ھ میں ایک مختصر سی "آپ بیتی" لکھ کر پیشِ خدمت کی۔ آپ کی طرف سے تشجیع و اظہارِ پسندیدگی کے انتظار میں کئی مہینے گزر گئے، میں شرفِ قبول سے مایوس ہی ہو چکا تھا۔ دس ماہ بعد آپ عمرہ کے لئے تشریف لے گئے، مکہ مکرمہ میں موقعِ فرصت پاکر میری تحریر کو ملاحظہ فرمایا تو اس ادنیٰ سے خادم کی تطییبِ خاطر کے لئے صرف ایک جملہ تحریر فرمایا، میرے لئے وہ بھی بہت کچھ تھا ؎

ويكفيني قليل منك لكن
قليلك لايقال له قليلُ

مرا از زلفِ تو موئے بسندست
ہوس را رہ مدہ بوئے بسندست

اس سے میری ہمت بڑھی اور دوسری تحریرات بھی پیش کرنے کے خیالات مزید تیز ہو گئے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس ناکارہ کو سنہ ۱۴۰۹ھ میں حضرتِ والا کی معیّت میں پہلی بار عمرہ کی سعادت سے نوازا تو میں نے مکہ مکرمہ میں اپنی تحریرات کی بیاضیں بین الخوف والرجاء ڈرتے ڈرتے آپ کی خدمت میں پیش کرکے ان کو "انوار الرشید" میں شامل کرنے کی نیازمندانہ وعاجزانہ درخواست پیش کر دی۔ حقیقت یہ ہے کہ "آپ بیتی" کو شرفِ قبول حاصل ہو جانے کی وجہ سے کچھ "ناز" بھی پیدا ہو چکا تھا، اس ناز و نیاز سے مرکب انداز نے ناممکن کو

ممکن بنادیا۔

حضرتِ اقدس نے قدرے معذرت کے بعد محض بندہ کی رعایت سے بندہ کی درخواست قبول فرمالی اور ان سب تحریرات کو بنظرِ اصلاح دیکھنے کی زحمت بھی فرمائی۔

اس کے بعد بھی تحریرات میں اضافات ہوتے رہے جن کو حضرتِ والا کی نظرِ اصلاح سے گزارنے کا معمول رہا حتی کہ اب بحمداللہ تعالیٰ "انوار الرشید" ایک مختصر سی جلد کی بجائے اسلوبِ تحریر میں اختصار اور انتخابِ واقعات میں اہم پر اقتصار کے باوجود پانچ ضخیم جلدوں کے مضامین طیار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے روز بروز مزید جلدوں کا سامان ہو رہا ہے۔

آخر میں یہ بندۂ ناچیز حضرتِ والا کے مقاماتِ عالیہ کے ادراک بھر اپنے ظرف کے مطابق جتنا ادراک مقدر ہوا اس کو احاطۂ تحریر میں لانے سے عجز کے اعتراف اور اس کے اظہار سے نہیں رہ سکتا۔

قلم بشکن وکاغذ سوز وسیاھی ریز ودم درکش
حسن این قصۂ عشق ست در دفتر نمی گنجد

جو کچھ بھی ہوگیا وہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے قبول فرمائیں اُمت کے لئے نافع اور تاقیامت صدقۂ جاریہ بنائیں۔ واللہ المستعان ولاحول ولاقوۃ الا بہ۔

عبدالرحیم

یکے از کفش برداران حضرتِ اقدس

دارالافتاء والارشاد

۵ محرم سنہ ۱۴۱۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خاندان

میرے محسن و مُربّی حضرت مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم کا وطنِ مألوف مشرقی پنجاب کا مشہور شہر لدھیانہ ہے۔

لدھیانہ علم وفضل کے اعتبار سے برصغیر کے شہروں میں ایک تاریخی حیثیت کا حامل رہا ہے۔ اس سرزمین کو بڑے بڑے جبالِ علم اور اولیاءِ کرام کی جائے پیدائش ہونے کا شرف حاصل ہے۔

حضرتِ والا علماءِ لدھیانہ کے مشہور خاندان سے ہیں۔ جو علم وفضل، ذہانت، تقوی، احوالِ باطنہ، کشف وکرامات، شجاعت، حق گوئی وبیباکی، جسمانی قوت اور انگریزوں سے جہاد میں بہت نمایاں کارناموں کی وجہ سے غیر معمولی شہرت رکھتا ہے۔ آپ کے والدِ ماجد حضرت مولانا محمد سلیم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت تھانوی قدس سرہ کی صحبتوں سے منجھے ہوئے اور ایک مشہور خواب کی وجہ سے "بزمِ اشرف" میں "صاحبُ الرُّؤیا" کے لقب سے معروف تھے۔ آپ بسلسلۂ زمینداری لدھیانہ سے ضلع فیصل آباد اور پھر وہاں سے ضلع ملتان تحصیل خانیوال تشریف لائے یہاں ایک نو آباد گاؤں چک ۱۰-۱۵، ایل میں رہائش اختیار فرمائی، اور اپنے شیخ اشرف الاولیاء حکیم الامۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے نام نامی کی مناسبت سے اس گاؤں کا نام "کوٹ اشرف" رکھا۔

ولادت باسعادت :

قطبِ عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قُدِّسَ سِرّہ کے ذکرِ ولادت کی ابتدا جن اشعار سے کی گئی ہے وہ "رشیدِ ثانی" حضرتِ اقدس دامت برکاتہم کی ولادت پر بھی لفظ بلفظ صادق آتے ہیں، اس لئے پیش کئے جاتے ہیں ؎

شاد باش ای خستۂ ہجرانِ بلا   کز پئے دردِ تو درمان میرسد
تازہ باش ای تشنۂ وادیِ غم   کز برایت آبِ حیوان میرسد
در دلِ افسُردہ روحے میدمد   مردہ تن را مژدۂ جان میرسد
دور شو ای ظلمتِ شامِ فراق   کافتابِ وصلِ تابان میرسد
شوق کن ای بلبلِ گلزارِ عشق   کان گلِ نو از گلستان میرسد

بہرِ رشدِ خلق می آید رشید
قطبِ عالم بحرِ عرفان میرسد

"اے دردِ ہجر سے خستہ! خوش ہو جا، کیونکہ تیرے درد کی دَوا آرہی ہے۔

اے وادیِ غم کے پیاسے! تازہ ہو جا، کیونکہ تیرے لئے آبِ حیات آرہا ہے۔

جو افسُردہ دل میں عظیم رُوح پھونک رہا ہے اور مُردہ بدن کو جان کی بشارت دے رہا ہے۔

اے شامِ فراق کی ظلمت! دُور ہو جا، کیونکہ وصل کا روشن آفتاب آرہا ہے۔

اے گلزارِ عشق کے بلبل! شوق کر، کیونکہ گلستاں سے وہ نیا گُل آرہا ہے۔

مخلوق کی رُشد و ہدایت کے لیئے "رشید" آرہا ہے،
قطبِ عالم اور بحرِ معرفت آرہا ہے"۔

حضرت تھانوی قدس سرہ کے نام سے موسوم اس مبارک بستی کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف مزید عطا فرمایا کہ "راس المتقین رشید ثانی" نے بروز سہ شنبہ (منگل) ۲ ر صفر ۱۳۴۱ھ مطابق ۲۶ ر ستمبر ۱۹۲۲ء کو اپنے وجودِ مسعود سے اس بستی کو رونق بخشی۔ حضرت گنگوہی قدس سرّہ کے نام نامی اسم گرامی سے حصولِ برکت کے لئے "رشید احمد" نام تجویز ہوا، "سعود اختر" کے نام سے آپ کی تاریخ پیدائش ۱۳۴۱ھ نکلتی ہے، اس تاریخی نام کی آپ نے خود پندرہ سال کی عمر میں تخریج فرمائی۔ آپ کی سب سے پہلی تصنیف "تسہیل المیراث" میں اس نام کا ذکر ہے۔

زمانۂ طفولیت:

بچپن ہی سے والدین کو آپ سے غیر معمولی محبت تھی اور آپ پر انتہائی شفقت فرماتے تھے۔ جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آپ سے دو چھوٹے بہن بھائی خُردسالی ہی میں انتقال کر گئے، اس لئے والدین آپ کا بے حد خیال رکھتے تھے، اور سب بہن بھائی آپ سے بے حد محبت کرتے تھے، گھر اور گاؤں کے سب لوگ آپ سے لاڈ پیار کرتے۔ گاؤں کی لڑکیاں اور عورتیں چونکہ حضرتِ والا کی والدۂ محترمہ کی علومِ دینیہ میں شاگرد تھیں اس لئے وہ سب آپ سے پیار کرتیں، اور آپ کو اپنے گھروں میں لے جایا کرتیں۔ اسی محبت اور شفقت کا یہ اثر تھا کہ کبھی آپ تھوڑی دیر کے لئے اپنے کسی بھائی کے ساتھ مزروعہ زمینوں پر چلے جاتے تو والدین کو یاد کر کے اُداس ہو جاتے۔

حضرتِ والا کے بچپن میں آپ کی اور آپ کے والدین کی آپس میں محبت اور شفقت کے جو قصے ہم نے سُنے ہیں وہ بھی غیر معمولی ہیں لیکن ہم نے خود آپ کے

والدِ محترم کے ساتھ آپ کی محبت اور والد کی شفقت و مہربانی آپ پر جو اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے اس کی نظیر شاید ہی کہیں ملے۔ والدین کے ساتھ آپ کی غیر معمولی محبّت و الفت کا اثر منعمانِ مجازی سے منعمِ حقیقی کی طرف منعطِف ہو کر محبت اور معرفتِ الٰہیّہ کی صورت میں جلوہ گر ہو گیا، جو ہر دیدۂ بینا کو صاف نظر آ رہا ہے، جو لوگ آپ کی خدمتِ بابرکت میں رہے ہیں ان کو اس کا خوب مشاہدہ ہوا ہے اور جو کوئی بھی دیکھنا چاہے وہ حضرت کے کامِل اتباعِ شریعت کی صورت میں عشقِ الٰہی کے جلووں کو دیکھ سکتا ہے، کیونکہ کامِل اتباعِ شریعت وہی کر سکتا ہے جس کا سینہ حُبِّ الٰہی سے معمور ہو۔ ع

اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعٌ

"یقیناً مُحبّ اپنے محبُوب کا مطیع ہوتا ہے۔"

جب حضرتِ والا کی عمر تقریباً پانچ سال تھی، آپ کے والد ماجد لُدھیانہ تشریف لے جانے لگے، تو آپ کو بھی دادی صاحبہ سے ملانے کے لئے ساتھ لے گئے۔ میاں چنوں کے ریلوے اسٹیشن پر آپ کو ایک شخص کے پاس چھوڑ کر تھوڑی دور کسی کام کے لئے تشریف لے گئے، تو آپ بہت دیر تک روتے رہے، اور ذرا سی دیر بھی والد سے علیحدگی برداشت نہ کر سکے۔ ادھر محبّتِ مادری کی تڑپ دیکھئے کہ حضرتِ والا کے لدھیانہ جانے کے چند ہی روز بعد آپ کی والِدہ صاحبہ آپ کی جُدائی کی تاب نہ لا کر خود بھی لُدھیانہ پہنچ گئیں۔

بچپن ہی سے سوچ اور ذہن کا انداز دیکھئے کہ ابھی صرف پانچ چھ ہی سال کی عمر ہے لیکن ہر وقت یہ اشعار آپ کی معصوم زبان پر جاری ہیں ؎

دو رنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا　　سراسر موم یا پھر سنگ ہو جا
زندگی آمد برائے بندگی　　زندگی بے بندگی شرمندگی

"زندگی تو بس عبادت کے لئے ہے، زندگی بلا عبادت شرمندگی ہے۔"

لوگ آپ کی زبان سے یہ اشعار سُن کر دنگ رہ جاتے، اور آپ کی ذہانت اور اٹھان دیکھ کر تعجب کرتے، گھر میں جب کوئی مہمان آتا تو ضرور آپ سے خواہش کرکے یہ شعر سنتا اور سر دُھنتا۔

اللہ اللہ! کیا کرم ہے، جب وہ کسی کو نوازنا چاہتے ہیں تو ابتدا ہی سے اس میں وہ صلاحیتیں ودیعت فرمادیتے ہیں جو بڑے ہو کر برگ و بار لاتی ہیں، ورنہ کہیں پانچ چھ سال کا بچہ ایسے اشعار کا انتخاب کرسکتا ہے؟ اس عمر میں آپ کی پسند اور ناپسند بتا رہی ہے کہ آیندہ زندگی میں فکر و عمل کا محور کیا ہونے والا ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ (۵-۵۴)

"یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔"

گھر کا علمی، ادبی اور دینی ماحول جس میں رات دن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں کان میں پڑتی تھیں ایک معصوم ذہن پر نقوشِ جاوداں ثبت کرتا چلا جا رہا تھا۔ فارسی اور عربی تو گویا گھٹی میں پڑی ہوئی تھیں۔ والدۂ محترمہ خود اردو اور پنجابی میں شعر کہہ لیتی تھیں، جو بڑے ہی اثر انگیز اور پُر درد ہوتے تھے، اس لئے حضرتِ والا پر شروع ہی سے وہ رنگ چڑھ گیا جس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یوں کہنے کا ارشاد فرمایا ہے:

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً (۲-۱۳۸)

"ہمیں اللہ نے رنگا ہے اور رنگنے میں اللہ سے بہتر کون ہوسکتا ہے؟"

بچے تو اس عمر میں دنیا و ما فیہا سے بے خبر ہوتے ہیں اور سوائے کھیل کود کے ان کا کام ہی کچھ نہیں ہوتا، حضرت کو ان مشغلوں سے سروکار نہ تھا، بچپن ہی میں دیکھئے مذاق کا کیا عالم ہے، اکثر یہ شعر وردِ زبان رہتا تھا ؎

یارانِ این زمانہ ہمچو گلِ انارند
پُر رنگِ آشنائی بوئے وفا ندارند
"اِس زمانہ کے دوست انار کے پھول جیسے ہیں،
دوستی کے رنگ سے پُر مگر وفا کی خوشبو سے خالی۔"

جس بچّہ کا مزاج یہ ہو بھلا وہ دوست احباب کو کہاں جمع کرنے لگا۔

ابتدائی تعلیم :

ایک وہ زمانہ تھا کہ جب بچّہ ذرا بولنے لگتا تو اسے سب سے پہلے اللہ کا نام، کلمۂ طیّبہ اور کلمۂ شہادت سکھایا جاتا تھا، رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کی رسالت، دین کی موٹی موٹی باتیں اور ارکانِ اسلام بتائے جاتے تھے، اور ایک آج کا زمانہ ہے، بچّہ سب سے پہلے گالی دینا سیکھتا ہے اور جب وہ اپنی توتلی زبان سے گالی دیتا ہے تو ماں باپ خوش ہوتے ہیں، اور دوسرے لوگوں کے سامنے بچّہ کی تعریف کی جاتی ہے کہ ماشاء اللہ کتنا ذہین ہے اور کیسے موقع سے گالی دیتا ہے۔ پھر وہ ریڈیو پر رات دن بجنے والے گانوں کے بول دُہرانے لگتا ہے، اور ٹی وی پر دیکھی ہوئی چیزوں کی نقالی کرنے لگتا ہے۔ یہ ہے آج کل کے والدین کی مہربانی، اپنا دین تو برباد کر ہی چکے تھے آنے والی نسلوں کو بھی مسموم اور گمراہ کر رہے ہیں، کیونکہ جو نقوشِ اوّلین سادہ ذہنوں پر مرتسم ہو جاتے ہیں وہ ساری زندگی قائم رہتے ہیں، بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ اتنے گہرے ہوتے چلے جاتے ہیں کہ اُن کا محو ہونا مشکل ہو جاتا ہے، اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ۔

حضرت شیخ دامت برکاتہم کو سب سے پہلے جو باتیں سکھائی گئیں ملاحظہ ہوں :

①— آپ کس کے بندے ہیں؟	اللہ کے۔
②— آپ کس کی اُمت سے ہیں؟	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔
③— آپ کس کی مِلّت سے ہیں؟	حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی۔
④— آپ کا دین کیا ہے؟	اسلام۔

یہی وہ سؤال ہیں کہ ہر انسان کو مرنے کے بعد سب سے پہلے جن کا جواب دینا ہوگا، اور ان جوابوں کے صحیح یا غلط ہونے ہی سے فیصلہ ہوجائے گا۔ بچپن کی اسی تعلیم کا اثر ہے کہ حضرتِ والا زندگی کے ہر معاملہ میں ان ہی سؤالات کو مُدِّ نظر رکھ کر فیصلہ فرماتے ہیں، چنانچہ اکثر ارشاد ہوتا ہے:

> "مسلمان کو ہر کام کرنے سے پیشتر یہ سوچنا چاہئے کہ وہ کس کا بندہ ہے؟ کس کی امت سے ہے؟ یہ سوچ کر کہ اللہ کا بندہ ہوں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت سے ہوں۔ جو کام بھی کرے اس میں اللہ جل شانہ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اور رضا پیشِ نظر رہے۔"

چنانچہ احقر نے حضرت والا کے ذاتی معاملات میں بارہا اس کا تجربہ اور مشاہدہ کیا ہے، ہر کام کرنے سے پہلے اس بات کا اہتمام رہتا ہے کہ آیا یہ کام جائز ہے؟ شریعت نے اس کی اجازت دی ہے؟ اکثر فرمایا کرتے ہیں:

> "میں اتنا بہادر نہیں ہوں کہ کوئی ناجائز کام کرکے اپنے مالک کی ناراضی کا تحمّل کرسکوں۔"

یا یوں فرماتے ہیں:

> "اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نہیں فرمایا کہ اشاعتِ دین کی خاطر حرام اور ناجائز کاموں کا بھی اِرتکاب کرلیا کرو، وہ طاعت ہی

کیا جس کے لئے گناہ میں ملوّث ہونا پڑے۔" وغیرہ وغیرہ

تقریباً پانچ سال کی عمر میں حضرت والا کو قرآنِ مجید، نماز اور مسائل کی تعلیم شروع کرا دی گئی۔ پھر ایک سرکاری پرائمری اسکول میں آپ کو داخل کرا دیا گیا۔ یہاں آپ نے چوتھی جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ اپنی طبعی ذہانت اور محنت سے ہمیشہ سب طلبہ میں ممتاز رہے۔ اساتذہ بھی آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔

غالباً آپ تیسری یا چوتھی جماعت میں پڑھ رہے تھے کہ ایک روز استاذ نے لڑکوں سے کہا کہ کوئی اچھی سی پہیلی بُوجھنے کے لئے بتائیں۔ آپ نے بڑی عجیب پہیلی پیش کی ؎

کیا پھول کیا پھول، لاکھوں اور ہزاروں مول
کہیں آدھا کہیں سارا، کہیں کوئی نہیں بیچارا

اس پہیلی کو نہ لڑکے بوجھ سکے اور نہ ہی استاذ سے اس کا جواب بن پڑا۔ پھر آپ ہی نے بتا دیا کہ اس سے مراد ماں باپ ہیں۔ کسی کی ماں اور باپ دونوں زندہ ہیں اور کسی کی صرف ماں یا باپ زندہ ہے اور کوئی دونوں ہی سے محروم ہے۔ اُستاذ یہ جواب سُن کر بہت خوش ہوئے اور آپ کی ذہانت کی داد دی۔ اس پہیلی سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کو بچپن ہی سے والدین کے ساتھ کس قدر قلبی لگاؤ تھا، جو آپ کی ہر بات سے مترشح ہوتا تھا۔

فارسی کی ابتداء:

حضرت والا کے بڑے بھائی مولانا محمد نعیم صاحب، مولانا محمد خلیل صاحب اور مولانا محمد جمیل صاحب پہلے ہی سے ملتان کے قریب گھوٹا شریف میں تحصیلِ عُلومِ اسلامیہ کے سلسلہ میں مقیم تھے، حضرت والا کی عمر تقریباً بارہ سال ہو گی، یعنی

۱۳۵۲ھ میں مولانا محمد جمیل چھٹی پر گھر آئے، جب وہ واپس جانے لگے تو والد صاحب نے حضرت والا کو بھی اُن کے ساتھ گھوٹا شریف روانہ کر دیا، جہاں درسِ نظامی کا تعلیمی سال ختم ہونے میں ابھی دو تین مہینے باقی تھے۔ والد صاحب نے دونوں بچوں کو میاں چنوں کے ریلوے اسٹیشن پر گاڑی میں سوار کرا کر پاس میں بیٹھے ہوئے ایک جنٹلمین سے کہہ دیا کہ ان بچوں کو ملتان کے اسٹیشن پر اُتار دیں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ راستہ میں اس جنٹلمین نے ہم سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟ ہم نے جواب دیا کہ علمِ دین پڑھنے جا رہے ہیں۔ اس نے کہا:

> “مُلّا بن کر بیکار ہو گے۔”

اور علم دین پڑھنے کے خلاف ایک لمبی چوڑی تقریر بھی کر ڈالی۔ میں نے حضرت والا سے پوچھا کہ اُس وقت حضرت نے اُسے کیا جواب دیا؟ فرمایا:

> “بچے تو تھے ہی کیا جواب دیتے لیکن اُس حالت میں بھی اُس سے نفرت سی ہو رہی تھی، اور الحمدللہ اُس کے کہنے سے دین سے متنفر نہیں ہوئے، اور یہ بھی محض اللہ کا کرم ہے ورنہ ہم کون ہیں؟”

پھر فرمایا:

> “وہ شخص آج مجھے دیکھتا تو پتا چلتا کہ بیکار کون ہے؟ الحمدللہ! اللہ تعالیٰ نے ہر طرح سے دنیا میں آرام و راحت کے سامان عطاء فرمائے ہیں، اور نوابوں کی سی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ عزت، منصب سب کچھ عطاء فرمایا ہے، اور سب سے بڑی بات یہ کہ سکونِ قلب کی دولت سے نوازا، جو کسی جنٹلمین کو خواب میں بھی میسر نہیں آسکتی، اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائیں۔”

پھر فرمایا:

”یہ تو مسافر خانہ ہے، نہ یہاں کی راحت کا اعتبار نہ تنگی کا، اعتبار تو آخرت کا ہے۔ تو بھائی! اس کا فیصلہ نہ وہ کر سکتا ہے نہ میں، فیصلہ تو اس وقت ہوگا جب اَحکم الحاکمین کی بارگاہ میں پیشی ہوگی، اس روز پتا چلے گا کہ ہم کیا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں اور آخرت کے لئے باکار بنائیں۔

یَوْمَ یَاْتِ لَا تَکَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ فَمِنْهُمْ شَقِیٌّ وَّ سَعِیْدٌ ۝“ (۱۱-۱۰۵)

”جب وہ دن آئے گا کوئی شخص بدوں اللہ کی اجازت کے بات تک نہ کر سکے گا، پھر ان میں بعض تو شقی ہوں گے اور بعض سعید ہوں گے۔“

گھوٹا شریف پہنچ کر حضرت والا نے اپنے بڑے بھائیوں کے ساتھ قیام کیا، اور مولانا محمد خلیل صاحب سے فارسی کی ابتدائی کتابیں قواعدِ فارسی، فارسی کی پہلی کتاب، کریما، نامِ حق، پند نامہ وغیرہ پڑھیں۔ گھوٹا شریف کے چاروں طرف کھجوروں کے باغ اور کھیت تھے اور ایک طرف پانی کی بڑی نہر تھی، جب حضرت والا کو والدۂ محترمہ کی یاد ستاتی تو اس نہر کے کنارے چلے جاتے اور یہ پنجابی شعر پڑھا کرتے ؎

ماواں جنّت دیاں ٹھنڈیاں چھاواں لاڈ لڈاون سارے
ماواں باجھ نہ آکھے کوئی آ فرزند پیارے

”مائیں جنت کی ٹھنڈی چھاؤں ہیں جو اولاد کا ہر قسم کا لاڈ بہت پیار و محبت سے برداشت کرتی ہیں، ماں کے سوا کوئی یوں

نہیں کہتا: ــــــــــــ "آ! میرے پیارے بیٹے"۔

حضرت والا نے یہ واقعہ سُنا کر فرمایا:

"اس زمانہ میں مجھے ایک بُڑھیا پیار سے بیٹا کہہ کر بلایا کرتی تھی، اس لئے جب میں یہ شعر پڑھا کرتا تو خیال آتا کہ ماں کے علاوہ دوسری عورتیں بھی تو بیٹا کہہ کر بلاتی ہیں، پھر خود ہی ذہن میں اس کا جواب آجاتا کہ غیروں کا پیار محض اوپر اوپر کا ہوتا ہے دل سے نہیں ہوتا۔"

اس واقعہ سے حضرت والا کی اپنی والدہ کے ساتھ بے پناہ محبت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے کہ ماں باپ کے ساتھ اولاد کو والہانہ محبت ہو۔ عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ والدین کو تو اولاد سے محبت ہوتی ہے لیکن اولاد کو والدین سے اتنی محبت نہیں ہوتی۔

ایک بشارت:

عِلم دین کی خاطر بچپن میں والدین کی جُدائی کے شدید ترین مجاہدہ کی بدولت آپ کو ایک رات سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی، دیکھا کہ زبانِ مبارک میں لکنت کا اثر ہے۔ اسی وقت آپ کو خیال آیا کہ لکنت تو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی زبانِ مُبارک میں تھی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا اثر کیسا؟ جب خواب سے بیدار ہوئے تو اپنے بڑے بھائیوں سے خواب کا تذکرہ کیا، مگر انھوں نے کسی بزرگ سے اس کی تعبیر دریافت نہ کی۔

تعبیر:

تقریباً ۱۳۹۳ھ کا ذکر ہے کہ آپ کو اچانک اپنا وہ پُرانا خواب یاد آیا،

احقر سے ذکر کر کے فرمایا:

> "اس کی تعبیر یہ سمجھ میں آتی ہے کہ علم نبوّت سے حصّہ ملے گا، زبان کی لکنت ثقلِ وحی کی طرف اشارہ ہے کما قال اللّٰہ تعالیٰ:
>
> إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ۝ (۷۳-۵)
>
> "یقیناً ہم آپ پر ایک بھاری کلام (قرآن مجید) ڈالنے کو ہیں"۔
>
> علاوہ ازیں اس میں "نسبتِ موسویّہ" سے مشرّف ہونے کی بشارت بھی ہے"۔

یہ خواب اس لحاظ سے اور بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ یہ اُس وقت دکھایا گیا ہے جب کہ آپ نے ابھی علمِ دین کی تحصیل شروع کی ہے، ایسے وقت میں یہ منامی بشارت اس کی طرف اشارہ تھا کہ آیندہ بہت بڑی دولت ملنے والی ہے۔ اور ہوا بھی ایسا ہی کہ اللّٰہ تعالیٰ نے ہر طرح سے نوازا۔ آج حضرت والا جیسا عالم، فقیہ، محدّث، ولی اور زاہد بمشکل ہی ملے گا۔ ایک دو صفتیں تو یک جا ہونا ممکن ہے، لیکن جامعِ جمیع صفات شاذو نادر ہی پائے جاتے ہیں۔

"نسبتِ موسویّہ" کا مطلب یہ ہے کہ علمِ نبوّت کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے مزاج میں جس طرح عمل بالشّریعۃ کے بارہ میں جوش و خروش پایا جاتا تھا آپ کی طبیعت کی بھی یہی حالت رہے گی۔ آپ کی پوری زندگی ہی حمیّتِ دینیّہ پر شاہد ہے۔ ایک ہلکا سا نقشہ اس وقت بھی ہمارے مشاہدہ میں آگیا، ہوا یہ کہ جس وقت حضرت والا نے اس خواب کا واقعہ سُنایا ہم تین آدمی یعنی احقر، حافظ عبدالستّار صاحب اور صلاح الدین صاحب آپ کے مکان کی بیٹھک میں

جو کہ اوپر کی منزل میں زنانہ مکان سے ملی ہوئی ہے بیٹھے ہوئے تھے۔ بیٹھک کا ایک دروازہ زنانہ صحن کی طرف جانے والی گیلری میں ہے، اس دروازہ کے کواڑ اس قسم کے ہیں کہ آمد و رفت میں کھولنے بند کرنے کی زحمت نہ ہو اور گیلری میں نظر بھی نہ پڑے، اس کے باوجود اتنی احتیاط کہ ایسے دروازہ پر بھی پردہ لگا رکھا ہے، اس کواڑ کا ڈیزائن بھی خاص آپ کے تخیل کے اختراع کا کارنامہ ہے، زنانہ حصہ میں کسی کو اطلاع نہ تھی کہ بیٹھک میں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں، اس لئے زنانہ حصہ میں سے ایک ہلکی سی آواز مردانہ میں پہنچ گئی، وہ بھی اس طرح کہ نہ الفاظ سمجھ میں آسکتے تھے نہ مطلب، معمولی بھنبھناہٹ ہی سی تھی لیکن حضرت بات کرتے ہیں فوراً اٹھ کر اندر تشریف لے گئے اور فرمایا:

> ”آہستہ بات کریں کچھ لوگ بیٹھے ہیں۔“

چونکہ عورتوں کی آواز بھی غیر مرد کو سننا اور سنانا بجز مجبوری کے ناجائز ہے اس لئے فوراً آپ کے قلب میں حمیتِ شرعیہ کا جوش پیدا ہوا اور اندر جا کر اطلاع کر دی تاکہ بات چیت میں احتیاط کریں۔

ایک دفعہ مجھ سے فرمایا:

> ”جب بھی کسی کام سے مکان کے دروازہ پر آؤ تو دروازہ سے پانچ چھ سیڑھیاں نیچے کھڑے ہوا کرو، ایسا نہ ہو کہ اندر سے کسی کی آواز کان میں پڑ جائے۔“

اندر اطلاع کرنے کی گھنٹی کا بٹن بھی اسی مصلحت سے وہیں لگوایا ہے دروازہ سے دور، پانچ چھ سیڑھیاں نیچے۔ اولاً تو اس زینہ پر کسی مرد کو جانے کی اجازت ہی نہیں، بیرونی سڑک کی طرف زینہ کے نچلے دروازہ پر بورڈ لگا ہوا ہے جس پر یہ ہدایت تحریر ہے:

"زینہ پر جانا منع ہے، دفتر میں تشریف لائیں"۔

اگر کبھی کبھار کسی خادم کو اوپر کوئی سامان پہنچانے کا حکم فرماتے ہیں تو اس کے لئے بھی اس قدر احتیاط ہے کہ دروازہ سے کافی ہٹ کر جہاں اطلاعی گھنٹی کا بٹن ہے، اس سے آگے نہ بڑھے۔

تقریباً چھ سال مجھے حضرت کی خدمتِ مبارکہ میں رات دن رہنے کا شرف حاصل رہا، ہر ہر قدم پر میں نے آپ کے قول اور فعل کو اچھی طرح دیکھا بھالا، حقوق العباد کے بعد میں نے آپ کو جتنا اہتمام پردہ کے بارہ میں کرتے دیکھا اس کی نظیر ملنا مشکل ہے، یہی وہ حمیتِ دینیہ کا جوش ہے جو اتباعِ شریعت میں آپ سے ظاہر ہوتا رہتا ہے، جو مزاجِ موسوی سے مناسبتِ تامہ رکھتا ہے۔

عربی کی ابتداء:

خانیوال کے قریب جہانگیر آباد نام کا ایک قصبہ ہے، جو وٹو والا کے نام سے مشہور ہے۔ شوال ۱۳۵۳ھ میں آپ اپنے بڑے بھائیوں کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے۔ مولانا محمد جمیل صاحب فارسی کی تعلیم سے فارغ ہوکر عربی شروع کر رہے تھے، اس لئے آپ کو بھی عربی کتابوں میں اُن کے ساتھ کر دیا گیا، اور فارسی کتب کی تعلیم بھی ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ اسی سال آپ نے اپنے بھائی مولانا محمد خلیل صاحب سے گلستاں اور بوستاں پڑھی ہیں، اور مولانا سلطان محمودؒ صاحب سے عربی صرف ونحو سے میزان الصرف، منشعب، قانونچہ کھیوالی (پنجابی) اور نحو میر وغیرہ پڑھیں۔

ایک عجیب وغریب واقعہ:

آپ کے اُستاذ مولانا سُلطان محمودؒ صاحب جن کا ذکر ابھی ہوا، بڑے صالح

اور متقی بزرگ تھے، خوش مزاج بھی بہت تھے جس زمانہ میں حضرتؒ الاان سے پڑھتے تھے انہوں نے دورانِ سبق طلبہ کے سامنے اپنا ایک بہت ہی عجیب واقعہ اس طرح بیان فرمایا:

”میں جب علمِ دین حاصل کر رہا تھا اور ابھی کافیہ ہی پڑھ رہا تھا، مجھے اچانک حج کا شوق ہوا، تعلیم چھوڑ کر بغیر زادِ راہ اور بغیر کسی ساتھی کے تنہا، ہاتھ میں صرف ایک چھڑی لی اور پیدل مکہ مکرّمہ کی طرف چل کھڑا ہوا۔ کچھ روز بعد کسی جنگل میں رات پڑ گئی، تاریک رات، جنگل کا موقع، ہر طرف سے درندوں کی آوازیں، خوف کے مارے بُرا حال، کریں تو کیا کریں؟ دیکھا کہ ایک درخت کی شاخیں نیچے کو جُھکی ہوئی ہیں، اس کے اندر چُھپ کر بیٹھ گیا، ایسے ڈراؤنے ماحول میں نیند کہاں؟ اچانک دُور سے کسی کے پکارنے کی آواز آئی:

”مولوی صاحب!“

پھر ذرا قریب سے یہی آواز، پھر اور قریب۔

میں بہت ڈرا کہ اس جنگل میں مجھے پکارنے والا کون ہو سکتا ہے؟ یقیناً کوئی جن بھوت ہوگا۔ اب تو خوف کے مارے اور بھی بُرا حال۔ یہ آواز نزدیک ہوتی گئی۔ ادھر دل میں یہ خیال بھی آ رہا ہے:

”میں تو ابھی طالبِ علم ہوں، کافیہ بھی پورا نہیں پڑھا، یہ مجھے مولوی صاحب کہہ کر کیوں پکار رہا ہے؟“

دل میں یہ طے کر لیا:

”خواہ کچھ بھی ہو، جان تو جانی ہی ہے، چھڑی جو ہاتھ میں ہے کم از کم ایک بار اسے مار کر میں بھی اپنی حسرت تو پوری کر ہی لوں گا۔“

آخر دیکھا کہ دو نقاب پوش جو سر سے پاؤں تک لبادہ سا پہنے ہوئے تھے میرے بالکل قریب آگئے، ان میں سے ایک بڑا اور دوسرا اس سے چھوٹا تھا، بڑے نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا:

”مولوی صاحب! ڈریئے نہیں۔“

پھر اپنے ساتھی سے مخاطِب ہو کر کہا:

”مولوی صاحب کو پیاس لگ رہی ہے انھیں پانی پلاؤ۔“

وہ ساتھی غائب ہو گیا، پھر فوراً ہی واپس آگیا، اور لبادہ سے ہاتھ نکال کر مجھے ایک بہت ہی خوشنما جگ پکڑا دیا، اس کے ہاتھ میں ایسی چمک تھی کہ میری آنکھیں اسے دیکھ کر خیرہ ہو گئیں، پانی کا برتن بھی نہایت خوب صورت اور پانی اس قدر شیریں ولذیذ کہ مجھے یقین ہے کہ وہ کسی دوسرے ہی عالم کا تھا۔

میں پانی پی چکا تو بڑے نقاب پوش نے اپنے ساتھی سے کہا:

”مولوی صاحب کو بھوک لگ رہی ہے، ان کے لئے کھانا بھی لاؤ۔“

وہ ساتھی پھر غائب ہو گیا، اور فوراً ہی لوٹ آیا، لبادہ سے ہاتھ نکال کر نہایت ہی خوبصورت طشت مجھے دیا، ہاتھ کی وہی چمک چاروں طرف چکا چوند پیدا کر رہی تھی، طشت چاولوں سے بھرا ہوا تھا، چاول بھی اس قدر بڑے اور لذیذ کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھے، اور نہ کسی کان نے سنے۔

پھر انھوں نے مجھ سے کہا:

"بالکل نہ ڈریے، درخت سے باہر نکل کر آرام کیجئے، کوئی آپ کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

پھر ایک طرف اشارہ کر کے کہا:

"صبح اس طرف کو جانا، وہاں ایک راستہ نظر آئے گا اس پر چلے جانا، آگے فلاں نام کی ایک بستی ملے گی، اس میں فلاں نام کا ایک شخص ہے اس سے ملیں۔"

میں نے اُن دونوں سے پوچھا:

"آپ کون ہیں؟"

انہوں نے جواب دیا:

"ہمیں بتانے کی اجازت نہیں۔"

میں نے ان سے کہا:

"مجھے کم ازکم یہاں سے اپنے ساتھ لے جائیے۔"

انہوں نے کہا:

"ہمیں اس کی بھی اجازت نہیں۔"

جب وہ ایک طرف چلنے لگے تو میں بھی اُن کے پیچھے چلنے لگا، وہ بھاگے، میں بھی اُن کے پیچھے بھاگا، لیکن کسی چیز کی ٹھوکر کھا کر گر پڑا، اُٹھ کر دیکھا تو وہ نظروں سے غائب ہو چکے تھے۔ مجبوراً اسی درخت کے پاس آکر میدان میں رات گزاری، اب نہ درندوں کی وہ ہیبتناک آوازیں تھیں نہ ہی کوئی ڈر اور خوف۔

صبح اُٹھ کر اس طرف چل دیا جس طرف انہوں نے راستہ

بتایا تھا، وہاں راستہ مل گیا، اس پر ہو لیا، آگے اسی نام کی بستی آگئی، اس میں اس نام کا شخص دریافت کیا، وہ ایک عمر رسیدہ بزرگ تھے، انھیں اپنا سارا ماجرا سنایا۔ انھوں نے مجھے علمِ دین چھوڑ کر حج کے لئے نکلنے پر بہت ڈانٹا، بہت سخت برہم ہوئے۔ مجھے خطرہ ہوا کہ پٹائی کریں گے۔ فرمایا:

"علمِ دین چھوڑ کر حج کے لئے کیوں نکلے؟ لوٹ جاؤ! پہلے علمِ دین حاصل کرو، تحصیلِ علم کے بعد اگر مقدر ہوا تو حج بھی ہو جائے گا، اور ہاں یاد رکھنا علم حاصل کرنے کے بعد بغیر کسی معاوضہ کے تدریسِ علمِ دین کی خدمت میں لگے رہنا۔"

میں نے حج کے ارادہ سے توبہ کی، وہیں سے واپس لوٹ آیا اور حسبِ سابق طلبِ علم میں مشغول ہو گیا۔"

حضرتِ والا نے اپنے استاذِ محترم کا قصۂ مذکورہ نقل فرما کر ارشاد فرمایا:

"اس وقت حضرت مولانا کی عمر تقریباً اسّی سال تھی، اب تک حج نہیں کیا تھا، مفت پڑھاتے تھے۔ اس سے طلبۂ علمِ دین کو سبق حاصل کرنا چاہئے کہ نفل حج جیسی اہم عبادت کے لئے طلبِ علم میں خلل ڈالنا جائز نہیں تو کسی دوسری جانب توجہ کا کیا جواز ہو سکتا ہے؟ طلبہ میں تبلیغ وغیرہ کے لئے نکلنے کا شوق درحقیقت علمِ دین سے محروم رکھنے کے لئے شیطان کا فریب ہے۔"

درسِ نظامی کا دوسرا سال ۵۴، ۵۵ھ آپ نے گکھڑ ضلع گجرانوالا میں گزارا۔ یہاں آپ کے بڑے بہنوئی مولانا محمود احمد صاحب مدرّس تھے، ۱۳۵۵ھ میں مولانا محمود احمد صاحب گکھڑ سے بسلسلۂ تدریس جھنگ شہر میں منتقل ہو گئے،

حضرت والا نے تیسرے اور چوتھے سال کی تعلیم وہیں جھنگ میں مولانا محمود احمد صاحب سے حاصل کی۔ ان تین سالوں میں آپ نے مندرجۂ ذیل کتابیں پڑھیں:

علم الصیغہ، فصولِ اکبری، ہدایۃ النحو، کافیہ، شرحِ جامی، نور الایضاح، قدوری، شرحِ نقایہ اولین، تیسیر المنطق، مرقات، شرحِ تہذیب، قطبی، رسالہ اصولِ فقہ، اصول الشاشی، نور الانوار، عربی کی پہلی کتاب، عربی کی دوسری کتاب، نفحۃ الیمن، انشاءِ عربی۔

۱۳۵۷ھ میں آپ کے والد ماجد بسلسلۂ زمینداری خیرپور (سندھ) تشریف لے آئے، جس کی وجہ سے صاحبزادگان کی تعلیم کا سلسلہ بھی سندھ کے علاقہ میں شروع ہوا۔ حضرت والا کے بڑے بہنوئی اور استاذ مولانا محمود احمد صاحب سندھ میں خیرپور کے قریب جامعہ دار الہدیٰ ٹھیڑھی میں مدرس ہوگئے، ساتھ ہی حضرت والا اور آپ کے بھائی مولانا محمد جمیل صاحب بھی جامعہ میں داخل ہوگئے۔ یہاں آپ نے مولانا محمود احمد صاحب کے علاوہ مولانا محمد صاحب سے بھی چند کتابیں پڑھیں۔

مولانا محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ علم و عمر دونوں لحاظ سے اکابر علماء میں سے تھے، بہت عمر رسیدہ تھے اور علوم میں بہت بلند مقام رکھتے تھے۔ آپ نے ایک اقلیدس خود تصنیف فرمائی تھی۔ حضرت والا نے یہ کتاب خود مصنف سے پڑھی۔ علمِ ہندسہ، مثلث اور کرویات میں ہمارے حضرت کی مہارت کا دنیا کے چند گنے چنے ماہر ریاضی داں ہی اندازہ کرسکتے ہیں۔ اس سال یعنی ۵۷-۵۸ھ میں آپ نے مولانا محمود احمد صاحب سے ہدایہ اولین، مختصر المعانی اور مطول اور مولانا محمد صاحب سے حاشیۂ عبد الغفور، میر قطبی اور اقلیدس پڑھیں۔

۱۳۵۸ھ میں حضرتِ والا کے بڑے بھائی مولانا محمد خلیل صاحب ڈابھیل سے فارغ التحصیل ہو کر تشریف لائے، انہیں اور مولانا محمود احمد صاحب کو درگاہ شریف (پیر جھنڈو جدید) میں تدریس کے لئے بلا لیا گیا، حضرتِ والا بھی ان کے ساتھ وہیں پڑھنے تشریف لے گئے، آپ نے ان ہی دونوں سے اس سال مندرجۂ ذیل کتابیں پڑھیں:

تفسیرِ بیضاوی، سلّم العلوم، ملا حسن، میبذی، شرح عقائدِ نسفی، خیالی، سبع معلّقہ۔ علاوہ ازیں مطالعۂ مذاہبِ باطلہ، تمرینِ مناظرہ اور انشاءِ عربی کی مشق کی۔

فنون کی تکمیل:

اگلے تعلیمی سال یعنی شوال ۱۳۵۹ھ میں آپ معقولات کی مشہور درسگاہ انگھی شریف ضلع گجرات پنجاب تشریف لے گئے، جہاں حضرت مولانا ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فنون کی اونچی کتابیں پڑھاتے تھے۔ اس ایک سال میں آپ نے جتنی کتابیں پڑھیں انھیں آج کل کا طالبِ علم کم از کم تین سال میں پڑھ سکے گا۔ کتابوں کی تفصیل یہ ہے:

ملا جلال مع حاشیۂ میر زاہد، رسالۂ قطبیہ مع حاشیۂ میر زاہد و غلام یحییٰ، قاضی مبارک، حمد اللہ، شرح مواقف مع حاشیۂ میر زاہد، شرح عقائد عضدی، شرح اشارات، صدرا، شمس بازغہ، الدوحۃ المیادۃ، تصریح، شرح چغمینی، بست باب، السبع الشداد، رُبع مجیب، رُبع مقنطر، اکرثاؤ ذوسیوس، اکر مناظر، کرہ متحرکہ، توضیح مع تلویح، مسلّم الثبوت، ان کے علاوہ مشکوٰۃ، بیضاوی، ہدایہ اخیرین، السبع المعلقات اور مقامات کا طلبہ کے ساتھ تکرار کیا۔ (مجموعہ ۳۰ کتب)۔

استاذ کی خصوصی دُعاء :

آپ کے استاذِ محترم حضرت مولانا ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تحصیلِ علوم کی جو سند عنایت فرمائی، اس پر اپنے قلمِ مبارک سے یہ دُعائیہ جملے تحریر فرمائے :

> اَللّٰهُمَّ ارْزُقْهُ فَهْمًا ذَكِيًّا وَّطَبْعًا صَفِيًّا وَّاجْعَلْهُ مِنَ الْمُتَوَكِّلِيْنَ وَمِنَ الَّذِيْنَ يُغْبَطُوْنَ وَاجْعَلْهُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَخَافُوْنَ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَآئِمٍ وَّارْزُقْهُ رِزْقًا حَسَنًا مِّنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ.
>
> ”یا اللہ! اسے تیز فہم اور علم وعمل میں صاف طبیعت عطاء فرما، اور اسے متوکّلین اور ایسے لوگوں میں سے بنا جن پر غبطہ اور رشک کیا جاتا ہے، اور ان لوگوں میں سے بنا جو اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے، اور اسے ایسی جگہ سے بہتر رزق عطاء فرما جہاں سے وہم وگمان بھی نہ ہو“

اس دُعاء کے ایک ایک جملہ کی قبولیت کا آپ کی زندگی میں کھلی آنکھوں مشاہدہ ہو رہا ہے۔ جن حضرات کو حضرت والا کی صحبت میسر نہیں ہوئی وہ شاید اس مختصر کتاب میں مندرجہ حالات سے کچھ اندازہ کر سکیں۔

* * *

دار العلوم دیوبند میں داخلہ

دیگر علوم وفنون کی تکمیل کے بعد آپ علمِ حدیث کی اعلیٰ تعلیم کے لئے مشہورِ عالَم دینی درسگاہ دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ آپ کے داخلہ کا امتحان حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے سپرد تھا، مولانا بلیاوی بڑے پایہ کے معقولی تھے، حضرت والا نے فرمایا:

> ”میں خوش ہو رہا تھا کہ وہ میرا امتحان اکثر معقولات میں لیں گے، جن میں اپنے استاذ حضرت مولانا ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی توجہ اور تعلیم سے خاص مہارت حاصل ہو گئی تھی، لیکن انھوں نے زیادہ تر حدیث ہی کے بارہ میں سوالات کئے، اب اتنا یاد ہے کہ مشکوٰۃ کے باب الوحی سے عبارت پڑھوا کر کچھ سوالات کئے تھے، ان میں ایک سوال یہ تھا کہ حدود کفارات ہیں یا نہیں؟ اور معقولات میں بس چلتے چلتے صرف علتِ غائیہ کی تعریف دریافت فرمائی۔“

حضرت والا کا عبارت پڑھنے کا انداز بڑا مسحور کُن تھا، عربی لہجہ بے حد صاف تھا، اور عبارت رواں طریقہ سے پڑھتے تھے، آواز بلند، الفاظ صاف، رفتار تیز۔ حضرت بلیاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جب کتاب سے عبارت پڑھوا کر سُنی تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

> ”بتائیے مولوی صاحب! ہمارے نزدیک حدود کفارات ہیں یا نہیں؟“

حضرت والا نے جواب میں عجیب جملہ کہا، اُسے سُن کر مولانا بلیاوی کے

چہرے پر مسکراہٹ آگئی، وہ جملہ یہ تھا:

"یہ بحثیں ہمارے ہاں نہیں پڑھائی جاتیں، یہی علوم پڑھنے تو
دیوبند آیا ہوں۔"

مطلب یہ تھا کہ اب تک تو معقولات کی کتابیں پڑھتا رہا ہوں، انہیں ان مباحث سے کیا تعلق؟ ان سے فارغ ہو کر اب صرف حدیث کو مقصود بنا کر آیا ہوں۔

یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ امتحان میں اس کے باوجود نمایاں کامیابی حاصل کی کہ آپ نے مشکوٰۃ پڑھی ہی نہیں تھی بلکہ تاحال حدیث کی کوئی کتاب بھی نہیں پڑھی تھی۔

حضرتِ والا شوال ۱۳۶۰ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور شعبان ۱۳۶۱ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔

کتبِ حدیث و اساتذۂ کرام کے اسماءِ گرامی کی تفصیل یہ ہے:

کتبِ حدیث و اساتذۂ کرام:

① صحیح بخاری } یہ دونوں کتابیں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی
② سُننِ ترمذی } رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھیں، آخر سال میں حکومتِ برطانیہ نے آپ کو گرفتار کر لیا تو یہ دونوں کتابیں حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ختم کرائیں۔

③ صحیح مُسلم: حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

④ سُننِ ابی داؤد } حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب امروہوی رحمہ اللہ تعالیٰ۔
⑤ شمائلِ ترمذی }

⑥ سُننِ نسائی: حضرت مولانا عبد الحق صاحب نافع رحمہ اللہ تعالیٰ۔

⑦ سُننِ ابن ماجہ؛ حضرت مولانا مفتی ریاض الدین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ۔
⑧ طحاوی ؛ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ۔
⑨ موطا امام مالک ؛ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ۔
⑩ موطا امام محمد ؛ حضرت مولانا ظہور احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ۔

اسی سال دورۂ حدیث کے ساتھ ساتھ کتبِ تجوید میں سے فوائدِ مکیہ اور جزری قاری عزیز احمد صاحب سے اور خلاصۃ البیان قاری حفظ الرحمٰن صاحب صدر القراء سے پڑھیں۔ نیز دونوں حضرات سے فنِ تجوید کی مشق بھی کی۔

انتخاب از "ترانۂ دار العلوم دیوبند"

یہ عِلم و ہنر کا گہوارہ تاریخ کا وہ شہ پارہ ہے
ہر پھول یہاں اک شعلہ ہے ہر سرو یہاں مینارہ ہے
خود ساقیِ کوثر نے رکھی میخانے کی بنیاد یہاں
تاریخ مرتب کرتی ہے دیوانوں کی افتاد یہاں
کہسار یہاں دب جاتے ہیں طوفان یہاں رک جاتے ہیں
اس کاخِ فقیری کے آگے شاہوں کے محل جھک جاتے ہیں
مہتاب یہاں کے ذروں کو ہر رات بنانے آتا ہے
خورشید یہاں کے غنچوں کو ہر صبح جگانے آتا ہے
اسلام کے اس مرکز سے ہوئی تقدیس عیاں آزادی کی
اس بامِ حرم سے گونجی ہے سو بار اذاں آزادی کی
اس وادیِ گل کا ہر غنچہ خورشیدِ جہاں کہلایا ہے
جو رند یہاں سے اٹھا ہے وہ پیرِ مغاں کہلایا ہے

جو شمعِ یقیں روشن ہے یہاں وہ شمعِ حرم کا پرتو ہے
اس بزمِ ولی اللّٰہی میں تنویرِ نبوت کی رَو ہے
یہ مجلس ہی وہ مجلس ہے خود فطرت جس کی قاسم ہے
اس بزم کا ساقی کیا کہیئے جو صبحِ ازل سے قائم ہے
یہ ایک صنم خانہ ہے یہاں محمود بہت تیار ہوئے
اس خاک کے ذرہ ذرہ سے کس درجہ شرر بیدار ہوئے
ہے عزمِ حسین احمد سے بقا ہنگامۂ گیر و دار یہاں
شاخوں کی لچک بن جاتی ہے باطل کے لئے تلوار یہاں
رُومی کی غزل رازی کی نظر غزالی کی تلقین یہاں
روشن ہے جمالِ انور سے پیمانۂ فخر الدین یہاں
ہر رند ہے ابراہیم یہاں ہر میکش ہے اعزاز یہاں
رندانِ بتاں پر کھلتے ہیں تقدیس طلب اعجاز یہاں
اس بزمِ جنوں کے دیوانے ہر راہ سے پہنچے یزداں تک
ہیں عام ہمارے افسانے دیوارِ چمن سے زنداں تک
سو بار سنوارا ہے ہم نے اس ملک کے گیسوئے برہم کو
یہ اہلِ جنوں بتلائیں گے کیا ہم نے دیا ہے عالم کو
ہر موج یہاں اک دریا ہے اک ملت ہے ہر فرد یہاں
گونجا ہے ابد تک گونجے گا آوازۂ اہلِ درد یہاں
امداد و رشید و اشرف کا یہ قلزمِ عرفاں پھیلے گا
یہ شجرۂ طیب پھیلا ہے تا وسعتِ امکاں پھیلے گا

بغرض جہاد
فنون حرب
میں کمال

وَاَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ
الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ

○

مَنْ مَّاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ
مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِّنْ نِّفَاقٍ۔ (مُسلِم)

من عهد عاد كان معروفا لنا
اسر الملوك و قتلها و قتالها

اللہ تعالیٰ نے جوشِ جہاد حضرتِ والا کے خمیر میں بھر دیا ہے۔ یہ دولت آپ کو اپنے آباء و اَجداد سے وراثت میں بھی ملی جنہوں نے انگریز کے خلاف عملی جہاد کیا اور ان اکابر سے بھی ملی جن کی صحبت میں آپ نے علوم و معارف کے جام لنڈھائے خصوصاً حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہ کی مجاہدانہ صحبت کا آپ پر خوب رنگ چڑھا۔

آپ کی شخصیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرتِ اقدس تھانوی رحمہُ اللہ تعالیٰ اور حضرتِ اقدس مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فیوض کا ”دومیل“ ہیں۔

بغرضِ جہاد فنونِ حرب میں کمال

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
خمیر میں جوشِ جہاد	۷۷	حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما	۸۶
فنونِ حرب میں کمال	۷۷	حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما	۸۶
معاندین سے دلچسپ معرکے	۷۸	حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۸۷
اکیلے تین پر غالب	۷۸	حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۸۷
حملہ آور کا پنجہ نکل گیا	۷۹	ایک انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۸۷
دشمن کو بغیر رسی کے ایک ٹانگ یا ایک بازو کے ساتھ جکڑنا	۷۹	حضرت غانم بن عیاض اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۸۷
		حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۸۸
حضرت پھولپوری قدس سرہ کا بنوٹ میں کمال	۸۰	حضرت ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۸۸
		حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما	۸۹
تیراکی، تیر اور گھوڑا	۸۱	حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما	۸۹
بے مثال شجاعت ومہارت	۸۱	حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۹۰
جہاد اور گھوڑا	۸۲	حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۹۲
حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور جہاد	۸۵	حضرت مسلم بن عقیل رحمہ اللہ تعالیٰ	۹۲
		وللہ در الشاعر	۹۲
حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۸۵	حضرت عبد اللہ بن المبارک رحمہ اللہ تعالیٰ	۹۲
حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما	۸۵	حضرتِ والا کے اسفارِ جہاد	۹۶

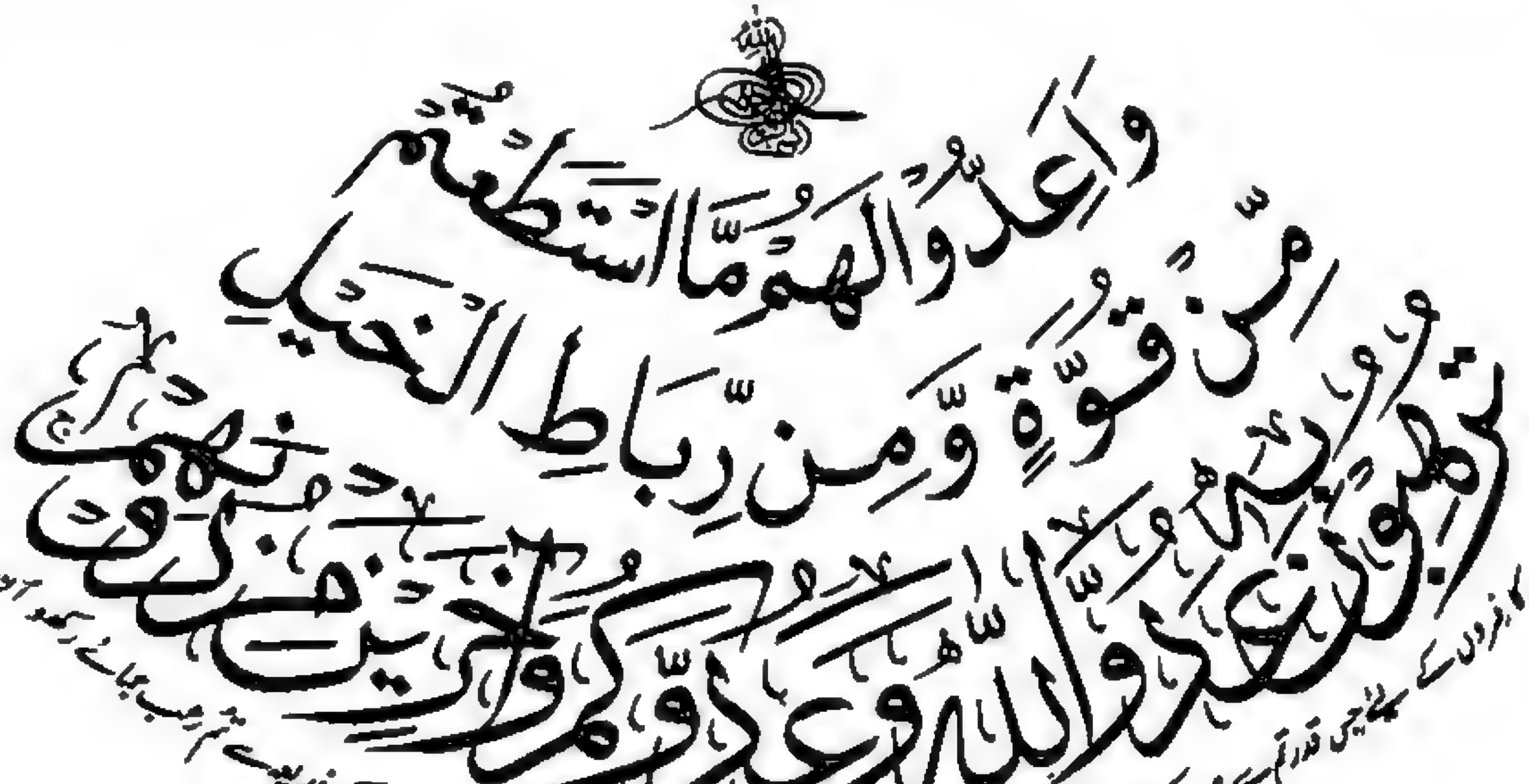
وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم
مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ
تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ

اور اُن کافروں کے لیے جس قدر تم سے ہو سکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو کر اس کے ذریعے سے تم رعب جمائے رکھو اُن پر
جو کہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں اور اُن کے علاوہ دوسروں پر بھی (الانفال ۶۰)

بغرض جہاد فنونِ حرب میں کمال

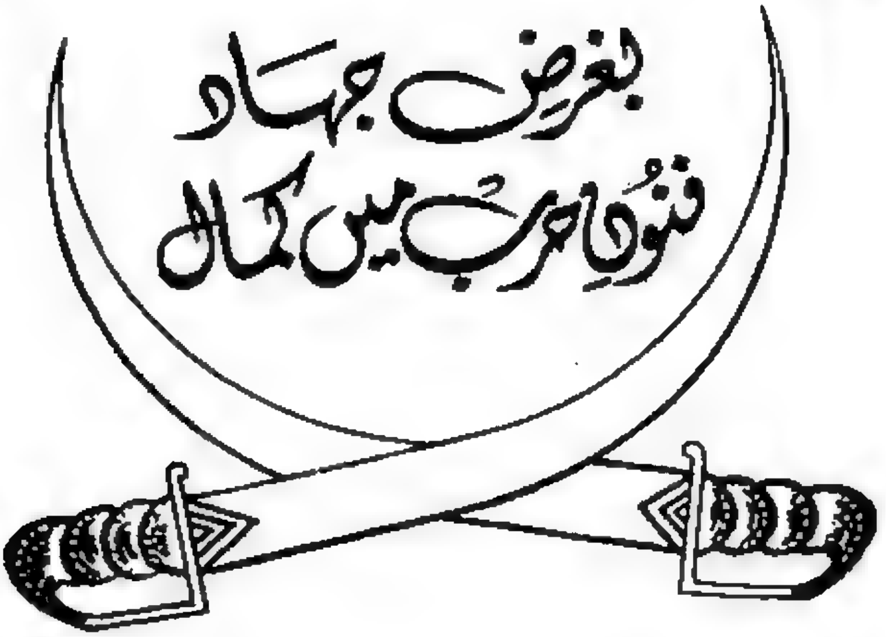

خمیر میں جوشِ جہاد:

اللہ تعالیٰ نے جوشِ جہاد حضرتِ والا کے خمیر میں بھر دیا ہے، یہ دولت آپ کو خاندانی وراثت میں ملی ہے، آپ کے خاندان کے اکابر علماء و مشائخ انگریز کے خلاف جہاد میں بہت مشہور ہیں، آپ نے نو عمری سے ہی تحصیلِ علومِ اسلامیہ کے ساتھ فنونِ جہاد کی مشق کا سلسلہ بھی جاری رکھا، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے غزوات کے واقعات مجالس میں سنا کر سامعین کے قلوب میں جوشِ جہاد کی آگ بھڑکا دیتے، پھر دار العلوم دیوبند میں داخلہ کے بعد حضرت مدنی قدس سرہ کی صحبتِ مبارکہ اور کتبِ حدیث میں مغازی و جہاد کے موضوع نے جلتی پر پٹرول کا کام کیا۔

فنونِ حرب میں کمال:

چونکہ دار العلوم دیوبند میں تعلیم کے علاوہ تربیتِ جہاد بھی بنیادی مقاصد میں سے ہے، اس لئے طلبہ کو جہاد اور فنونِ حرب کی تربیت دینے کے لئے اس فن کے

ماہرینِ اساتذہ دار العلوم کی طرف سے متعین تھے، حضرتِ والا نے سب سے اونچے درجہ کے استاذ عبد الرحمن اور استاذ عبد الرشید سے بجذبۂ جہاد فنونِ حرب میں مہارت حاصل کی۔

معاندین سے دلچسپ معرکے :

اس سلسلہ میں معاندین سے کئی دلچسپ معرکے بھی ہوئے اور ہمیشہ میدان آپ ہی کے ہاتھ رہا، مُدّعیان پہلی ہی جھڑپ میں ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوگئے۔

اکیلے تین پر غالب :

ایک بار ایک مجلس میں حضرتِ والا کی موجودگی میں ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ وہ بنوٹ جانتے ہیں۔ حاضرینِ مجلس نے مقابلہ کا منظر دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت والا نے فرمایا کہ چونکہ یہ بھی ماہرِ فن ہیں اس لئے ہونا تو یہ چاہئے کہ میرے مقابلہ میں یہ تنہا ہی آئیں، مع ہٰذا یہ اپنے ساتھ مزید دو جوان لے لیں، یہ تین ہوجائیں، ان کے مقابلہ میں مَیں تنہا ہوں گا۔

مقابلہ کے لئے تاریخ، وقت اور مقام متعین کیا گیا۔ دیکھنے کے لئے بہت بڑا مجمع لگ گیا۔ لوگ یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئے کہ حضرتِ والا کی پہلی ہی جست میں مدعیِ فن دانی ٹخنا پکڑے بیٹھا ہے، دوسرا جوان کنپٹی اور تیسرا بہادر اکھاڑے سے باہر۔

پھر اور دو جوان مقابلہ کے لئے للکارتے ہوئے اکھاڑے میں نکلے، تیسرے وہی مُدّعیِ فن دانی۔ حضرت والا بجلی کی طرح کوندے، آنکھ جھپکتے ہی مُدّعی صاحب کنپٹی پکڑے بیٹھے ہیں اور دو جوشیلے بہادر جان بچانے کے لئے اکھاڑے سے باہر

بھاگ گئے۔ لیکن اب کی بار حضرتِ والا نے ان کا تعاقب کر کے ایسا سبق دیا کہ اس کے بعد کسی کو مقابلہ میں نکلنے کی ہمت نہ ہوئی۔

حملہ آور کا پنجہ نکل گیا:

ایک بار ایک دیو قامت پہاڑی بلوچ نے حضرتِ والا کو مقابلہ کی دعوت دی۔

حضرتِ والا نے فرمایا:

"آپ صرف فنی مظاہرہ کے لئے مصالحانہ مقابلہ چاہتے ہیں یا کہ معاندانہ؟"

اس نے معاندانہ مقابلہ کا عزم ظاہر کیا۔

آپ نے فرمایا:

"میں خالی ہاتھ ہوں، آپ مجھ پر لاٹھی سے پوری قوت کے ساتھ معاندانہ وار کریں، پھر معاندانہ مقابلہ کا مزا چکھیں۔"

اس نے لاٹھی سے وار کیا۔ لوگ یہ منظر دیکھ کر ششدر رہ گئے کہ اس کے ہاتھ سے لاٹھی نکل کر دور جا پڑی ہے، صرف یہی نہیں بلکہ حملہ آور کا پنجہ بھی نکل گیا ہے۔

مزید کئی مثالیں جلد دوم میں عنوان "نسبتِ موسویہ" کے تحت آرہی ہیں۔

دشمن کو بغیر رسی کے ایک ٹانگ یا ایک بازو کے ساتھ جکڑنا:

حضرتِ والا دشمن کو بغیر کسی رسی وغیرہ کے اپنی ایک ٹانگ کے ساتھ اس طرح جکڑ لیتے ہیں کہ آپ کے دونوں ہاتھ بالکل آزاد رہتے ہیں، اس حالت میں

چاہیں تو آزادی کے ساتھ نماز بھی پڑھ سکتے ہیں۔ قیام، رکوع، سجدہ، قعدہ سب ارکان ادا کر کے دکھاتے ہیں۔

علاوہ ازیں دشمن کو ایک ہاتھ سے جکڑ کر جہاں چاہیں لے جاسکتے ہیں۔

حضرتِ والا بنوٹ کی لاٹھی اتنی تیز چلاتے ہیں کہ پتھر کو بھی روک لیتی ہے، یعنی اُس وقت کوئی حضرتِ والا کو پتھر مارنے کی کوشش کرے تو پتھر لاٹھی سے ٹکرائے گا، آپ کے جسم تک نہیں پہنچ پائے گا۔

اور کوئی دوسرا ماہرِ فن اتنی ہی تیز لاٹھی چلا رہا ہو تو آپ پہلے اس کی طرف پتھر پھینک کر حاضرین کو اس کا مشاہدہ کروا دیتے ہیں کہ پتھر کو لاٹھی نے جسم تک پہنچنے سے روک لیا ہے، پھر آپ حیرت انگیز پھرتی سے اس کی طرف جست لگاتے ہیں، اسی لمحہ حاضرین یہ منظر دیکھ کر ششدر رہ جاتے ہیں کہ لاٹھی چلانے والے کے دونوں ہاتھ حضرتِ والا کی بغل کے شکنجہ میں جکڑے ہوئے ہیں، اور وہ شخص ایسی مضبوط گرفت میں ہے کہ اس کی بے بسی و بے چارگی پر دیکھنے والوں کو رحم آتا ہے۔

آپ جب ہبرِ شیر کی طرح جست لگا کر میدان میں اترتے ہیں اور پھر للکار کر "هَلْ مِنْ مُّبَارِزٍ" کا نعرہ لگاتے ہیں تو دیکھنے والوں کے طوطے اڑ جاتے ہیں، اس کی چند مثالیں عنوان "حُسنِ ظاہر و قوتِ جسمانیہ" میں ہیں۔

حضرت پھولپوری قدس سرہ کا بنوٹ میں کمال:

عجیب اتفاق ہے کہ حضرتِ والا کو شیخ بھی بنوّٹ کے ماہر ملے، حضرت پھولپوری قدس سرہ بنوّٹ میں بہت کمال رکھتے تھے، فرماتے تھے:

"میں تنہا پانچ سو کا محاصرہ توڑ کر نکل سکتا ہوں۔"

حضرت پھولپوری قدس سرہ نے ایک بار اپنے شیخ حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کی فرمائش پر خانقاہ تھانہ بھون میں بنوٹ کے ہاتھ دکھائے تو حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ نے فرمایا:

"ہاتھ آپ دکھا رہے تھے جوش مجھے آ رہا تھا"

حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے:

"ہماری فوج اعظم گڈھ میں ہے، جب بھی کہیں ضرورت پڑی تو وہاں سے بلوالیں گے"

یعنی حضرت پھولپوری قدس سرہ تنہا ہی "فوج" تھے۔

تیراکی، تیر اور گھوڑا:

کئی احادیث میں تاکید آئی ہے کہ اپنی اولاد کو فنِ سباحت (تیراکی) اور رمی (تیر اندازی) اور فروسیت (گھوڑے کی سواری میں مہارت) سکھاؤ۔ بحمد اللہ تعالیٰ ہمارے حضرت اقدس دامت برکاتہم ان فنون میں بھی ماہر ہیں۔

آپ نے اپنے زمانہ کی ضرورت کے مطابق تیر کی بجائے رائفل سے نشانہ کی مشق فرمائی۔

گھوڑے کی سواری کے بارہ میں آپ کا یہ معمول تھا کہ کم فاصلہ تک آمد و رفت میں آپ برہنہ پشت گھوڑے پر نیچے ہی سے جست لگا کر سوار ہوتے تھے۔ گھوڑا عمدہ نسل کا بہت چست اور چاق چوبند رکھتے تھے، پھر آپ کی چستی اسے مزید چست بنا دیتی۔ دو آتشہ چستی کا منظر عجیب کیف آور ہوتا تھا۔

بے مثال شجاعت و مہارت:

ایک بار آپ نے حیدر آباد سے خیرپور تک تین سو کلو میٹر سے بھی زیادہ فاصلہ

گھوڑے پر طے کیا۔ ان دنوں سندھ میں ڈاکوؤں کا دَور دورہ تھا، دن دہاڑے ڈکیتیاں ڈالنا، اور راستہ پر جاتے ہوئے ٹرکوں، بسوں اور دوسری گاڑیوں کو روک کر مسافروں کو لُوٹنا روزانہ کا مشغلہ تھا۔ حضرت والا سے کسی نے دریافت کیا کہ ایسے خطرناک حالات میں آپ کو گھوڑے پر اتنا لمبا سفر کرنے کی جرأت کیسے ہوگئی؟

حضرت والا نے اپنی لاٹھی جو سفر میں ساتھ تھی، زمین پر ٹھونکتے ہوئے فرمایا:

”اوّلاً اللہ تعالیٰ پر اعتماد، اس کے بعد اس پر۔“

کاروں کا زمانہ آیا تو آپ نے بھی بغرضِ سہولت گھوڑے کی بجائے کار کا استعمال شروع فرمادیا۔ آپ اپنی کار خود چلاتے ہیں۔ ڈرائیوری میں مہارت کے علاوہ انجن کے کُل پُرزوں سے بھی بخوبی واقف ہیں۔

مع ہٰذا آپ گھوڑے کی سواری کی لذّت اور اس کی عظمت اور تمام سواریوں پر فوقیت اکثر بیان فرماتے ہیں، اور متنبّی کا یہ شعر پڑھتے ہیں ؎

اَعَزُّ مقَامٍ فِی الدُّنٰی سَرجُ سَابِحٍ
وَخَیرُ جَلِیسٍ فِی الزَّمَانِ کِتَابُ۔

”دنیا میں بہترین مقام صاف و تیز رو گھوڑے کی زین ہے،
اور زمانہ میں بہترین ہم مجلس کتاب ہے۔“

جہاد اور گھوڑا:

جہاد میں گھوڑوں کی بہت اہمیت ہے اور ان کو یہ مقام تاقیامت حاصل رہے گا، اسی لئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑوں سے بہت محبت فرماتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑوں کے ساتھ اظہارِ محبت کے لئے ایک بار ایک گھوڑے کی پیشانی کے بالوں کو اپنی انگلی مبارک سے بَل دے رہے تھے اور تاقیامت جہاد

ہیں گھوڑوں کا مقام اور اہمیت بتانے کے لئے ارشاد فرما رہے تھے؛

اَلْخَیْلُ مَعْقُوْدٌ بِنَوَاصِیْهَا الْخَیْرُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ الْاَجْرُ وَالْغَنِیْمَةُ. رواہ الامام مُسلم رحمہ اللہ تعالیٰ.

”گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت تک خیر بندھی ہوئی ہے یعنی اجر اور غنیمت۔“

حضرتِ والا اپنے اندر کے جوشِ جہاد سے اور سامعین میں جوشِ جہاد بھڑکانے کی غرض سے اپنے گھوڑے کی شان میں امرؤ القیس کے یہ اشعار پڑھتے ہیں؛

وَقَدْ اَغْتَدِیْ وَالطَّیْرُ فِیْ وُکُنَاتِهَا
بِمُنْجَرِدٍ قَیْدِ الْاَوَابِدِ هَیْکَلٖ
مِکَرٍّ مِفَرٍّ مُقْبِلٍ مُدْبِرٍ مَعًا
کَجُلْمُوْدِ صَخْرٍ حَطَّهُ السَّیْلُ مِنْ عَلٖ
کُمَیْتٍ یُزِلُّ اللِّبْدَ عَنْ حَالِ مَتْنِهٖ
کَمَا زَلَّتِ الصَّفْوَاءُ بِالْمُتَنَزِّلٖ
عَلَی الذَّبْلِ جَیَّاشٌ کَاَنَّ اهْتِزَامَهٗ
اِذَا جَاشَ فِیْهِ حَمْیُهٗ غَلْیُ مِرْجَلٖ
مِسَحٍّ اِذَا مَا السَّابِحَاتُ عَلَی الْوَنٰی
اَثَرْنَ الْغُبَارَ بِالْکَدِیْدِ الْمُرَکَّلٖ
یُزِلُّ الْغُلَامَ الْخِفَّ عَنْ صَهَوَاتِهٖ
وَیُلْوِیْ بِاَثْوَابِ الْعَنِیْفِ الْمُثَقَّلٖ

دَرِیْرٍ کَخُذْرُوْفِ الْوَلِیْدِ اَمَرَّہٗ
تَتَابُعُ کَفَّیْہِ بِخَیْطٍ مُّوَصَّلِ

كَاَنَّ دِمَاءَ الْهَادِيَاتِ بِنَحْرِهٖ
عُصَارَةُ حِنَّاءٍ بِشَيْبٍ مُّرَجَّلِ

”میں بوقتِ سحر ایسے گھوڑے پر نکلتا ہوں جو کم بالوں والا ہے تیز بھاگنے والا ہے، وحشیانِ دشت کو گرفت میں لانے والا ہے، طویل القامہ عظیم الجثہ ہے۔

★ مجاہد کا گھوڑا اللہ کے دشمنوں کو گرفت میں لاتا ہے ★

جھپٹنے پلٹنے اور پلٹ کر جھپٹنے میں بہت تیز ہے، جیسے کسی بھاری چٹان کو سیلاب نے بلندی سے گرایا ہو۔

کمیت ہے، پشت سے نمدے کو یوں پھسلا دیتا ہے جیسے سنگِ مرمر بارش کو۔

چھریرا بدن، مہمیز لگنے پر بہت جوش مارنے والا، تیز رفتاری کے وقت اس کے اندر کی آواز جوشِ حرارت سے دیگ کے جوش مارنے کی طرح سنائی دیتی ہے۔

ایسے طاقتور اور تیز رو گھوڑوں میں سے ہے جو تھک جانے کے بعد بھی اس قدر تیز بھاگتے ہیں کہ سخت زمین سے بھی غبار اڑا دیتے ہیں۔

اناڑی سوار کو گرا دیتا ہے اور ماہر سوار کے کپڑے اڑا دیتا ہے۔

بھاگنے میں رفتار اور آواز ایسی تیز جیسے پھرکی کی رفتار اور آواز، جب کہ بچہ اس کی دونوں طرف کی ڈوری دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر

تیزی سے گھماتا ہے۔

اس کے سینہ میں رؤساءِ گاوانِ دشت کا خون ایسے دکھائی دیتا ہے جیسے کنگھی کئے ہوئے سفید بالوں میں مہندی کا رنگ۔"

★ مجاہد کے گھوڑے اور خود مجاہد کا سینہ اللہ کے دشمنوں کی فوجوں کے کمانڈروں کے خون سے رنگا رہتا ہے ★

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور جہاد:

حضرتِ والا کو جہاد سے متعلق حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعض اشعار بہت پسند ہیں، جو قلوبِ مردہ میں روحِ جہاد پھونکنے کی غرض سے ہدیۂ ناظرین ہیں:

① حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

قَرْمٌ هُمَامٌ فَارِسٌ هَجَّامْ
اَقْتُلُ كُلَّ فَارِسٍ ضَرْغَامْ
وَاِنَّنِيْ يَوْمَ الْوَغٰى صَدَّامْ
وَنَاصِرٌ فِيْ حَانِهَا الْاِسْلَامْ

"عالی ہمت حملہ آور سوار ہوں، ہر غضبناک سوار شیر کو قتل کرنے والا ہوں۔

میں لڑائی کے دن سروں کی دھجیاں اڑا کر اسلام کی مدد کرنے والا ہوں"۔

② حضرت فضل بن عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہما:

مَعِيْ حُسَامٌ قَاطِعٌ لِلرَّأْسِ
وَفَالِقُ الْهَامَاتِ وَالْاَضْرَاسِ

أُفْنِیْ بِهِ الْاَعْدَا بِلَا اِلْبَاسٖ
وَمَا عَلَیَّ فِیْهِمْ مِنْ بَأْسٖ

”میرے پاس سر کاٹنے والی، گردن اڑا دینے والی، ڈاڑھیں
توڑ دینے والی تلوار ہے۔
میں یقیناً اس سے دشمنوں کو ملیامیٹ کر کے رکھ دوں گا اور
مجھے اس کی ذرا بھی پروا نہیں۔“

③ ولہٗ رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

إِذَا اشْتَدَّتِ الْاَهْوَالُ وَاشْتَبَكَ الْقَنَا
رَاَیْتَ لَنَا فِیْ ذَاكَ فِعْلَ الضَّرَاغِمِ

”جب گھسان کی لڑائی ہو اور نیزے نیزوں میں گھس جائیں
تو ہمارے کارنامے شیروں جیسے دیکھو گے۔“

④ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما:

لَا اَنْثَنِیْ عَنْ لِقَا الْاَعْدَا وَلَوْ جُمِعَتْ
حُمَاةُ اَبْطَالِهِمْ یَوْمَ الْوَغٰی زُمَرْ
حَتّٰی اُبِیْدَهُمْ ضَرْبًا وَّ اَتْرُكَهُمْ
فَوْقَ الثَّرٰی خَمْشًا مَّخْدُوْشَةَ الصَّدَرْ

”میں دشمنوں کی مڈبھیڑ سے گریز نہیں کروں گا اگرچہ جنگ کے
دن ان کے بہادروں کے گروہ در گروہ اکٹھے کر لئے جائیں۔
یہاں تک کہ میں ان کو مار مار کر ہلاک کر دوں اور خون سے تر
زمین پر ان کو جگر خراش اور سینہ چاک حالت میں ڈال دوں۔“

⑤ حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

وَسَيْفِيْ فِي الْوَغٰى اَبَدًا صَقِيْلٌ
طَلِيْقُ الْحَدِّ فِيْ اَهْلِ الضَّلَالِ

"میری تلوار لڑائی میں ہمیشہ صیقل اور گمراہوں کے لئے برہنہ رہتی ہے۔"

⑥ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

اَنَا الْهُمَامُ الْفَارِسُ الْكَرَّارْ
اُفْنِيْ بِسَيْفِيْ عُصْبَةَ الْكُفَّارْ

"میں ہی عالی ہمت، شہسوار، تابڑ توڑ حملہ کرنے والا ہوں اور اپنی تلوار سے کفّار کی طاقتور جماعت کو فنا کر دینے والا ہوں۔"

⑦ ایک انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

اَسِيْرُ بِاسْمِ الْوَاحِدِ الْمَنَّانْ
جَهْرًا لِاَهْلِ الْكُفْرِ وَالطُّغْيَانْ
اُذِيْقُهُمْ ضَرْبًا عَلَى الْاَبْدَانْ
بِكُلِّ هِنْدِيٍّ مُّبِيْدِ الْجَانِيْ

"میں واحد لاشریک منّان کے نام سے اہل کفر و سرکشی کے سامنے برملا جاتا ہوں۔

ان کے جسموں کو مار کر مزا چکھاؤں گا، یہ ایک ہندی تلوار کی ضربات ہوں گی جو نافرمانوں کو ہلاک کر کے رکھ دیں گی۔"

⑧ حضرت غانم بن عیاض اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

فَلَاَقْتُلَنْ فَوَارِسًا وَّعَوَابِسًا
وَاُذِيْقُهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرْ

"میں غضبناک شہسواروں کو قتل کر کے ان کو عذابِ اکبر چکھاؤں گا۔"

⑨ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

سَاَمْضِیْ لِلْعُدَاۃِ بِلَا اکْتِئَابٖ
وَ قَلْبِیْ لِلِقَاءِ الْحَرْبِ صَابِیْ
وَلِیْ عَزْمٌ اُذِلُّ بِہِ الْاَعَادِیْ
وَاَرْجُو الْفَوْزَ فِیْھِمْ بِالثَّوَابِ
وَ اِنْ صَالَ الْجَمِیْعُ بِیَوْمِ حَرْبٍ
فَاِنَّ الْکُلَّ عِنْدِیْ کَالْکِلَابِ

"میں بغیر کسی پریشانی کے دشمن کے مقابلہ میں اترتا ہوں اور میرا دل دشمن کے مقابلہ کے لئے بے چین رہتا ہے۔

میرا ایک عزم و ہمت ہے جس سے میں دشمن کو زیر کر کے ذلیل کر دیتا ہوں اور میں دشمنوں کو تہس نہس کرنے میں اجر و ثواب کی امید رکھتا ہوں۔

اور اگر کسی دن وہ سب مل کر حملہ کر دیں تو کوئی پروا نہیں کیونکہ یہ سب میرے نزدیک کتوں کی طرح ہیں۔"

⑩ حضرت ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

اَلْجِنُّ تَفْزَعُ یَوْمَ الْحَرْبِ مِنْ فَزَعٍ
اِذَا اَتَیْتُ اِلَی الْھَیْجَا بِلَا جَزَعٍ

"جب میں بلا خوف و خطر جنگ کی طرف بڑھتا ہوں تو جنات بھی گھبرا کر بھاگ جاتے ہیں۔"

⑪ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

اَلْیَوْمَ طَالَ الطَّعْنُ فِی اللِّئَامِ
وَالضَّرْبُ فِی الْاَعْنَاقِ بِالْحُسَامِ
وَاَنْصُرُ الْاِسْلَامَ بِاهْتِمَامِ
وَلَمْ اَزَلْ عَنْ سَادَتِیْ اُحَامِیْ
اَنَا الشُّجَاعُ الْفَارِسُ الْهُمَامُ
وَمُرْدِیُّ الْاَعْدَاءِ فِی الْحِمَامِ

” آج کمینوں میں ہمارے نیزے دراز ہوئے اور گردنوں میں تیز دھار تلواریں پڑیں۔
آج میں اہتمام کے ساتھ دینِ اسلام کی مدد کروں گا اور اپنے بزرگوں سے دفاع کروں گا۔
میں بہادر شہسوار باہمت ہوں اور دشمنوں کو موت میں دھکیلنے والا ہوں۔“

⑫ حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما:

نَحْنُ اللُّیُوْثُ ذَوُو الْمَعْرُوْفِ وَالْکَرَمِ
وَفِی الْمَعَامِعِ یَوْمَ الْحَرْبِ ذُوْهِمَمِ
مُجَنْدِلُوْنَ الْعِدَا فِیْ کُلِّ مُعْتَرَكٍ
وَقَاهِرُوْنَ لَهُمْ فِیْ کُلِّ مُصْطَدَمِ
لَایُعْجِبَنَّكَ یَابَطْلُوْسُ جَیْشُكَ فِیْ
هٰذَا الْمُقَامِ فَمَعْنَی الْکُلِّ کَالرَّخَمِ

” ہم احسانات وسخاوت والے شیر ہیں اور گھمسان کی جنگ

ہیں ہمت والے۔

ہر معرکہ میں دشمن کو گرا لیتے ہیں اور ہر ٹکراؤ میں غالب رہتے ہیں۔

اے بطلوس! یہاں تجھے تیرا لشکر دھوکے میں نہ ڈالے کیونکہ

ہمارے سامنے یہ سب مردار خور گرگس کی طرح ہیں۔"

⑬ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

وَقَدْ لَعِبَ الْهِنْدِیُّ یَوْمَ فُتُوْحِهَا
وَكَلَّتْ اَیَادِیْنَا وَفِی الرُّوْمِ نَذْبَحُ
ثَلَاثُوْنَ اَلْفًا قَدْ مَحَتْهَا سُیُوْفُنَا
وَاَكْبَادُنَا مِنْ حَرِّهَا النَّارَ تَقْدَحُ
اِلٰی اَنْ مَلَأْنَا الْبَرَّ وَالْبَحْرَ مِنْهُمْ
وَقَدْ شَبِعَتْ اُسْدُ الْفَلَا وَتَرَنَّحُوْا
وَوَلَّتْ ثَلَاثُوْنَ الْاُلُوْفُ شَوَارِدًا
وَعِشْرُوْنَ اَلْفًا مِنْهُمْ قَدْ تَجَرَّحُوْا
فَمِنْهُمْ قَضٰی نَحْبًا وَمِنْهُمْ بِهَا طَغٰی
وَمِنْهُمْ اُنَاسٌ فِی الْمَقَابِرِ رَوَّحُوْا
وَبَطْلُوْسُهُمْ ذَاكَ النَّهَارَ قَتَلْتُهُ
وَكَانَ مِقْدَامَ الْجُیُوْشِ مُرَجَّحُ
فَبَادَرْتُهُ فِی الْحَالِ حَتّٰی تَرَكْتُهُ
صَرِیْعًا عَلَیْهِ الْغَانِیَاتُ تَنُوْحُ
وَعَاجَلْتُهُ فِی الرَّأْسِ مِنِّیْ بِضَرْبَةٍ
فَاَضْحٰی بِهَا شَطْرَیْنِ مُلْقًی وَمُطَّرَحْ

وَعَادَ بِسَيْفِ ابْنِ الْوَلِيْدِ مُجَنْدَلًا
تَمُرُّ بِهٖ كُلُّ الْحَوَادِثِ تَفْلَحُ

”فتح کے دن ہندی تلواریں خوب رقص کرتی رہیں اور رومیوں کو ذبح کرتے کرتے ہمارے ہاتھ تھک گئے۔

ہماری تلواروں نے ان کے تیس ہزار فوجی فنا کر دیئے اور شدتِ جنگ سے ہمارے کلیجے آگ بھڑکا رہے تھے۔

یہاں تک کہ ان کے مقتولین سے ہم نے دشت و صحراء بھر دیئے، صحراء کے شیر اُن کے گوشت سے سیر ہو کر خوب گیت گا رہے تھے۔

ان کے تیس ہزار فوجی تتر بتر ہو کر بھاگ نکلے اور بیس ہزار زخمی پڑے ہوئے تھے۔

ان میں سے بعض نے اپنا مقصد پورا کر لیا اور بعض سرکش ہو گئے اور بعض مر کر قبرستانوں میں چلے گئے۔

اور ان کے بطلوس کو میں نے اسی دن قتل کر دیا اور وہ ”مقدمۃ الجیش“ اور سب سے غالب تھا۔

میں نے جلدی سے اسے قتل کر دیا اور اس کو رونے والیوں کے لئے میدان میں پڑا چھوڑ دیا۔

میں نے اس کے سر پر تلوار کی ایک ایسی ضرب لگائی جس سے وہ دو ٹکڑے ہو کر خون میں لت پت گر پڑا۔

وہ خالد بن الولید کی تلوار کی مار سے زمین پر ایسا پڑا تھا جیسا کہ اس پر سارے حوادث آئے ہوں۔“

⑭ ولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

اَلْیَوْمُ یَوْمُ الْوَغٰی وَالطَّعْنِ بِالْاَسَلِ
وَالضَّرْبِ بِالْقُضُبِ فِی الْھَامَاتِ وَالْقُلَلِ

"آج سروں اور کھوپڑیوں پر نیزے اور تلواریں مارنے اور شدید جنگ کا دن ہے۔"

⑮ حضرت مُسلم بن عقیل رحمہ اللہ تعالیٰ:

سَاَقْتُلُ بِالْمُھَنَّدِ کُلَّ کَلْبٍ
عَسٰی فِی الْحَرْبِ اَنْ یُّشْفَی الْغَلِیْلُ

"میں ہندی تلوار سے ہر کُتّے کو قتل کروں گا، شاید لڑائی میں میری پیاس بجھ جائے۔"

⑯ وللہ در الشاعر:

مِنْ عَھْدِ عَادٍ کَانَ مَعْرُوْفًا لَّنَا
اَسْرُ الْمُلُوْکِ وَقَتْلُھَا وَ قِتَالُھَا

"بادشاہوں سے لڑنا، انہیں قید وقتل کرنا زمانۂ قدیم سے ہمارے جانے پہچانے کارنامے ہیں۔"

⑰ حضرت عبد اللہ بن المبارک رحمہ اللہ تعالیٰ:

آپ نے ذیل کے وجد آفریں اشعار "طرطوس" کے محاذ سے امام الاولیاء حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کو لکھ بھیجے جنہوں نے حرمین شریفین میں عبادت کے لئے خود کو یوں وقف فرما دیا تھا کہ لوگ آپ کو "عابد الحرمین" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

یَا عَابِدَ الْحَرَمَیْنِ لَوْ اَبْصَرْتَنَا
لَعَلِمْتَ اَنَّکَ فِی الْعِبَادَۃِ تَلْعَبُ

مَنْ كَانَ يَخْضِبُ جِيْدَهٗ بِدُمُوْعِهٖ
فَنُحُوْرُنَا بِدِمَائِنَا تَتَخَضَّبُ
اَوْكَانَ يُتْعِبُ خَيْلَهٗ فِيْ بَاطِلٍ
فَخُيُوْلُنَا يَوْمَ الصَّبِيْحَةِ تَتْعَبُ
رِيْحُ الْعَبِيْرِ لَكُمْ وَنَحْنُ عَبِيْرُنَا
رَهْجُ السَّنَابِكِ وَالْغُبَارُ الْاَطْيَبُ
وَلَقَدْ اَتَانَا مِنْ مَّقَالِ نَبِيِّنَا
قَوْلٌ صَحِيْحٌ صَادِقٌ لَّا يُكْذَبُ
لَا يَسْتَوِيْ وَغُبَارُ خَيْلِ اللّٰهِ فِيْ
اَنْفِ امْرِئٍ وَّدُخَانُ نَارٍ تَلْهَبُ
هٰذَا كِتَابُ اللّٰهِ يَنْطِقُ بَيْنَنَا
لَيْسَ الشَّهِيْدُ بِمَيِّتٍ لَّا يُكْذَبُ

” اے عابد الحرمین! اگر تو ہمیں دیکھ لے تو تُو یقین کر لے کہ تو عبادت کا مذاق اُڑا رہا ہے۔

اگر کوئی اپنی گردن آنسوؤں سے رنگتا ہے تو ہمارے سینے ہمارے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔

کوئی اپنا گھوڑا باطل میں دوڑاتا ہے تو ہمارے گھوڑے جہاد میں اپنے جوہر دکھلاتے ہیں۔

عبیر کی خوشبو تمہارے لئے ہے اور ہماری عبیر گھوڑوں کی سموں کی ٹاپ اور پاکیزہ غبار ہے۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہم تک پہنچا ہے جو بالکل

صحیح اور سچا ہے، کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا، وہ یہ کہ

"کسی انسان کی ناک میں اللہ کے گھوڑوں کا غبار اور جہنم کا دھواں جمع نہیں ہو سکتے۔"

ہمارے درمیان کتاب اللہ کا یہ اعلان موجود ہے کہ شہید میت نہیں، یہ اعلان ہرگز غلط نہیں ہو سکتا۔"

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ اشعار پڑھے تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا:

"آپ نے سچ فرمایا اور مجھے اچھی نصیحت کی۔"

پھر عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف فضیلتِ جہاد کے بارہ میں یہ حدیث لکھ کر بھیجی:

عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه ان رجلا قال یا رسول الله علمنی عملا انال به ثواب المجاهدین فی سبیل الله فقال "هل تستطیع ان تصلی فلا تفتر وتصوم فلا تفطر؟" فقال یا رسول الله انا اضعف من ان استطیع ذلك ثم قال النبی صلی الله علیه وسلم "فوالذی نفسی بیده لو طوقت ذلك ما بلغت المجاهدین فی سبیل الله او ما علمت ان فرس المجاهد لیستن فی طوله فیکتب له بذلك الحسنات.

(تفسیر ابن کثیر ص۴۴۷ ج۱ - سیر اعلام النبلاء ص۴۱۲ ج۸)

"ایک شخص نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا:

"آپ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جس سے میں مجاہدین فی سبیل اللہ کا ثواب پالوں"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کیا تو یہ طاقت رکھتا ہے کہ ہر وقت نماز میں مشغول رہے کبھی بھی نہ تھکے اور ہمیشہ روزے رکھے کبھی بھی افطار نہ کرے"؟

اس نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! میں اس کی استطاعت نہیں رکھتا"۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تجھے یہ عبادت میسّر ہو جائے تو بھی تُو مجاہدین فی سبیل اللہ کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا، کیا تجھے معلوم نہیں کہ مجاہد کا گھوڑا چرنے کے لئے لمبی رسی میں بندھا ہونے کی حالت میں کچھ کودتا ہے تو اس سے بھی مجاہد کے لئے حسنات لکھی جاتی ہیں"۔

حضرت عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ تعالیٰ کے انتقال کے بعد کسی کو خواب میں آپ کی زیارت ہوئی، اس نے آپ سے دریافت کیا:

"اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا"؟

آپ نے جواب دیا: ——— "مجھے بخش دیا"۔

اس نے کہا:

"آپ کے اس علم کی وجہ سے جو آپ نے امت میں پھیلایا"؟

آپ نے فرمایا:

"نہیں، بلکہ اس غبار کی وجہ سے جو فی سبیل اللہ میری ناک

میں داخل ہوا۔"

جہاد فی سبیل اللہ میں شجاعت اور اللہ کے دشمنوں کو جہنم رسید کرنے کے بارہ میں حضرتِ والا کے اپنے اشعار جلد سوم میں "نسبتِ موسویہ" میں عنوان "بدعتی مناظر کی طرف سے چیلنج اور پھر فرار" اور عنوان "فرقِ باطلہ سے خطاب" کے تحت ہیں۔

حضرتِ والا کے اسفارِ جہاد

① **جہادِ افغانستان** : ۴ر شوال سنہ ۱۴۱۲ھ کراچی سے پشاور، بنوں، میران شاہ ہوتے ہوئے معسکر خالد بن ولید باڑی، خوست، ژاور تک۔

اس سفر کی مختصر روئداد حضرت مولانا محمد مسعود اظہر صاحب کے قلم سے تیسری جلد کے آخر میں ہے اور مفصل سفرنامہ انوار الرشید کی مستقل چوتھی جلد ہے۔

② **جہادِ افغانستان** : ربیع الثانی سنہ ۱۴۱۶ھ، کراچی سے کوئٹہ، چمن ہوتے ہوئے قندھار اور ہرات تک۔

③ **جہادِ کشمیر** : جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۱۶ھ اسلام آباد اور مری ہوتے ہوئے مظفر آباد اور اٹھمقام تک۔

ان دونوں اسفار کی تفصیل انوار الرشید کی مستقل پانچویں جلد ہے۔

④ **جہادِ افغانستان**، جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۱۷ھ کو فتحِ کابل کے موقع پر وہاں پہنچنے کے انتظامات مکمل ہو چکے تھے مگر مصالحِ جہاد ہی کی خاطر یہ سفر ملتوی کرنا پڑا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

المؤمن القوی خیر و احب الی اللہ من المؤمن الضعیف۔ صحیح مسلم

یہ روئے انور یہ خوئے زیبا جمال ایسا کمال ایسا
یہ رب کی قدرت کا ہے کرشمہ جمال ایسا کمال ایسا
کہیں نہ دیکھا کہیں نہ پایا جمال ایسا کمال ایسا
دکھائے کوئی اگر ہو دعویٰ جمال ایسا کمال ایسا

حسنِ ظاہر و قوتِ جسمانیہ

زورِ بازو آزما شکوہ نہ کر صیاد سے
آج تک کوئی قفس
ٹوٹا نہیں فریاد سے

حسنِ ظاہر و قوتِ جسمانیہ

مضمون	صفحہ
قوتِ بازو کی ایک مثال	۱۰۶
قوتِ بازو کی ایک اور مثال	۱۰۶
دینداری کی برکت	۱۰۶
کراماتی طمانچہ	۱۰۸
المؤمن القوی خیر من المؤمن الضعیف	۱۰۸
ھل من مبارز؟	۱۰۹
"تسیں توڑی وچ کی پاؤندے او"؟ ——— روغنِ محبت	۱۰۹
معجونِ شباب آور یا معجونِ فلک سیر	۱۱۱
"اگر فوٹو لینا جائز ہوتا تو . . . ."	۱۱۴

اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَّاَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيْفِ

قوی مؤمن اللہ کے ہاں ضعیف مؤمن سے زیادہ بہتر اور زیادہ محبوب ہے (صحیح مسلم)

حُسنِ ظاہر و قوّتِ جسمانیہ

اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضرت اقدس دامت برکاتہم کو حُسنِ باطن و قوتِ روحانیہ کے ساتھ حُسنِ ظاہر و قوتِ جسمانیہ سے بھی نوازا ہے۔

جسم چست اور چھریرا۔

محبوبِ رَبّ العٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم کی صفاتِ حُسن میں سے مندرجہ ذیل صفات میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضرتِ اقدس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشابہت کی دولت سے نوازا ہے:

۱ــــ کشیدہ قامت، یعنی قد دَرمیانہ سے کچھ لمبا۔
۲ــــ جسیم (بھاری جسم) نہ تھے۔
۳ــــ تمام اعضاء میں اعتدال و تناسب۔
۴ــــ بال مبارک نہ گھنگریالے اور نہ ہی زیادہ سیدھے۔ لمبائی مختلف اوقات میں:
  ۱ــ کانوں کی لو تک۔
  ۲ــ آدھی گردن تک۔
  ۳ــ کندھوں تک۔

حضرتِ اقدس کے بال مختلف اوقات میں

۵ ــــ پیشانی نورانی اور کشادہ۔
۶ ــــ ابرو باریک، خوشنما، دونوں ابروؤں کے درمیان فاصلہ۔
۷ ــــ آنکھیں نرگسی، کشادہ، اندر سفیدی میں قدرے سُرخی۔
۸ ــــ نظر میں ہیبت وجلال۔
۹ ــــ ناک خوبصورت اور بلند۔

۱۰— لب باریک، اندازِ گفتگو و تبسّم اور مسکراہٹ کا دلکش امتزاج ۔
۱۱— ڈاڑھی مُبارک گھنی اور نہایت حسین ۔
۱۲— گردن معتدل اور بہت خوبصورت ۔
۱۳— سینۂ منوّر کشادہ ۔
۱۴— سینہ و شکم برابر ۔
۱۵— بازو لمبے ۔
۱۶— ہتھیلیاں کشادہ ۔
۱۷— ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیاں لمبی ۔
۱۸— ایڑیاں پتلی ۔
۱۹— کفِ پا میں گہرائی، یعنی پاؤں کے تلوے درمیان سے اوپر کو اُٹھے ہوئے ۔
۲۰— سُبکسار و تیز رفتار ۔
۲۱— رفتار میں قوت و شوکت کا مظاہرہ ۔

ایک کمسن شاعر نے حضرتِ والا کی شان میں بعنوان "مسیحائے زماں" کچھ اشعار کہے ہیں، جن میں سے پہلے دو شعروں میں حسنِ باطن کے ساتھ قوتِ جسمانیہ و حسنِ ظاہر کا بیان بھی ہے جو موقع کی مناسبت سے یہاں نقل کئے جاتے ہیں ؎

تمہیں بیٹھے جو دیکھا تو کوئی پیرِ مغاں دیکھا
تمہیں چلتے جو پایا تو جوانوں سے جواں پایا
نہیں دیکھا کوئی تم سا بہت دنیا جہاں دیکھا
تمہارے حسن میں مَیں نے عجب نوری سماں دیکھا

حضرتِ اقدس کے رخساروں پر ڈاڑھی مبارک کا خط کسی قسم کی بناوٹ کے بغیر قدرتی طور پر ایسا سیدھا اور صاف ہے کہ دیکھنے والے کسی ماہرِ فنِ حسن ساز (بیوٹیشن)

کے کمال کا آئینہ سمجھتے ہیں۔

ایک بار مکہ مکرمہ میں حاضرینِ مجلس میں سے ایک صاحب کہنے لگے:

"معلوم ہوتا ہے کہ کسی بہت ماہر بیوٹیشن نے خط بنایا ہے۔"

حضرتِ والا نے فرمایا:

"یہ محض میرے ربِ کریم کی خطاطی و حسن سازی ہے، اس میں کسی مخلوق کا کسی قسم کا کوئی عمل دخل نہیں۔"

حضرتِ اقدس کی ڈاڑھی مبارک بہت خوبصورت وجاذبِ نظر ہے، حتیٰ کہ بچے بھی دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں۔

حضرتِ اقدس کے متوسلین میں سے ایک صاحب جدہ میں مقیم ہیں جو حضرتِ والا کے سفرِ حرمین شریفین میں بیوی بچوں سمیت آپ کے ساتھ رہتے ہیں، کمسن بچے بھی بہت خدمت کرتے ہیں، خدمت میں باہم تنافس اور ایک دوسرے سے سبقت کی کوشش۔

ایک بار بہت ہی کمسن بچہ نے اپنے ابا سے کہا:

"ابو! آپ کی ڈاڑھی تو بس ایسی ہی ہے، حضرتِ والا کی ڈاڑھی دیکھئے کیسی خوبصورت اور "شودار" ہے۔"

حضرتِ اقدس فرماتے ہیں:

"مجھے ڈاڑھی سے بہت محبت ہے، اس کو چومتا ہوں، آئینہ میں دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہوں، بہت شوق سے سنوارتا ہوں، اس کی وجوہ یہ ہیں:

۱۔۔۔ یہ محبوبِ حقیقی اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔

۲۔۔۔ اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ہے۔

۳۔۔۔ اسلام کا شعار ہے۔

۴۔۔۔ مردوں کی زینت ہے۔"

حضرتِ والا جلوۂ محبوب سے خلوت میں لطف اندوز ہوتے ہیں، ایک بار مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے کمرے میں آئینۂ جمالِ یار کی لذت میں محو تھے، غلبۂ استغراق میں کمرے کا دروازہ بند کرنے کا خیال نہ رہا، آپ کے خادم نے دروازہ کھلا دیکھا تو اجازت سمجھ کر اچانک بلا اجازت اندر آگئے، حضرتِ والا نے مسکراتے ہوئے فرمایا:

"میک اپ کر رہا ہوں۔"

انہوں نے عرض کیا: ———— "کس لئے؟"

حضرتِ والا نے فرمایا: ———— "شاید کہ پڑجائے کسی کی نظر۔"

انہوں نے پوچھا: ———— "کس کی؟"

حضرتِ والا نے ارشاد فرمایا:

"محبوب تو بس ایک ہی ہے، وہ بلا تعیین ہی متعین ہے، اس کی تعیین کی ضرورت نہیں، بلکہ تعیین مقتضائے محبت کے خلاف ہے۔"

حضرتِ والا نے ایک بار مکان کی طرف تشریف لے جاتے ہوئے "دار الافتاء والارشاد" کے بیرونی دروازہ پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ دروازہ کی دونوں جانب خوبصورتی کے لئے سرو کے درخت لگانے کا خیال ہے۔ آپ کا یہ ارشاد سن کر ایک نووارد حضرتِ والا کے قامتِ خوش پر نظر ڈالتے ہوئے اچھل کر بولے:

"حضرت جی! آپ تو ماشاء اللہ! خود ہی سرو ہیں۔"

ایک بار حضرتِ والا نے آنکھ کے ایک اسپیشلسٹ ڈاکٹر سے فرمایا:

"میری آنکھوں کا خوب اچھی طرح معاینہ کر کے بتائیں کہ آیندہ نظر میں کسی قسم کے فتور کا کوئی اندیشہ تو نہیں، اگر خدانخواستہ کوئی اندیشہ ہو تو حفظِ ماتقدم کے طور پر ابھی سے علاج کیا جائے، کیونکہ مفتی کی نظر بہت قیمتی ہوتی ہے۔"

ڈاکٹر صاحب نے کہا:

"اسبابِ ظاہرہ کے پیشِ نظر آپ کی نظر میں کسی قسم کا فتور آنے کا کوئی خطرہ نہیں، اس لئے کہ نظر میں فتور یا ہائی بلڈ پریشر سے آتا ہے یا ذیابیطس سے۔ آپ میں یہ دونوں مرض نہیں۔"

حضرت والا نے دریافت فرمایا:

"اس کا آپ کو کیسے علم ہوا؟"

ڈاکٹر نے کہا:

"آپ کے جسم کی ساخت بتا رہی ہے کہ آپ میں یہ دونوں مرض نہیں۔"

ایک بار حضرت والا نے یہ قصہ بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا:

"جس طرح بسا اوقات قالب کا ڈاکٹر ظاہری جسم دیکھ کر اَمراض کا کھوج لگا لیتا ہے اور کسی مرض کے وجود و عدم کا حتمی فیصلہ کر دیتا ہے، اسی طرح قلب کا اسپیشلسٹ یعنی مصلحِ باطن مریض کا چہرہ اور تیور دیکھ کر اس کے امراضِ قلب پر مطلع ہو جاتا ہے، بہت دُور سے کسی کی چال دیکھ کر اس کے پوشیدہ مرض کی تشخیص کر لیتا ہے، کسی کا کلام سُن کر اس کے مضمون یا لب و لہجہ یا موقعِ تکلّم سے مرضِ باطن کا سُراغ لگا لیتا ہے، مسافتِ بعیدہ سے تحریر کا مضمون اور اسلوب دیکھ کر باطن کا چور پکڑ لیتا ہے، بلکہ طبیبِ باطن کی فراست اور علاماتِ ظاہرہ سے اَمراضِ باطنہ تک رسائی میں اس کی مہارت جسمانی ڈاکٹر سے بدرجہا زیادہ ہوتی ہے۔"

جسمانی قوت میں حضرتِ والا کی شہرت کی وجہ سے یہ حال ہو گیا کہ جہاں دو

چار آدمی جمع ہوئے آپ کی جسمانی قوت کا مظاہرہ دیکھنے کی تدبیریں سوچنے لگے ظہورِ قوت کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

قوّتِ بازو کی ایک مثال:

① ایک بار تعمیر کے لئے بھٹی کی پُختہ اینٹیں آپ کے مکان کے پاس رکھی ہوئی تھیں، وہاں کچھ مزدور کام کر رہے تھے، انھوں نے حضرت والا کی قوتِ بازو کا مظاہرہ دیکھنے کے لئے درخواست کی کہ ان اینٹوں میں سے ایک اینٹ اُٹھا کر دُور پھینکیں، دیکھیں کتنی دُور جاتی ہے۔

حضرتِ والا نے اینٹ اٹھائی اور ایک ہاتھ سے سرسری طور پر پھینکی، وہ گیند کی طرح پرواز کرتی ہوئی بہت دُور جا کر گری۔

یہ منظر دیکھنے والے اس قدر حیران ہوئے کہ اُنھوں نے دوسری مجالس میں بھی اس کی خوب تشہیر کی۔

قوّتِ بازو کی ایک اور مثال:

② حضرتِ والا کے زمیندارہ کاموں کے لئے ایک بہت بڑی بیل گاڑی تھی جو پوری لوہے کی تھی اور بہت وزنی تھی، اس کا پہیا کوئی بہت مضبوط جوان ہی اٹھا سکتا تھا، اس لئے اسے اٹھانا جوانمردی کا امتحان شمار ہونے لگا حضرت والا اُسے بسہولت اُٹھا لیتے تھے۔

دینداری کی برکت:

③ حضرت والا کا ایک مزارع ایک بار بیل گاڑی کے جوئے کی ایک طرف

پر بیٹھا ہوا تھا، حضرت والا دل لگی کے طور پر جوئے کی دوسری طرف پر بیٹھ گئے، جوئے کی یہ طرف فوراً بہت تیزی سے ایک دم جُھک گئی۔

دیکھنے والے حیران رہ گئے، اس لئے کہ وہ شخص پورا جوان تھا اور حضرت والا نوعمر، تقریباً بیس برس کے تھے۔ علاوہ ازیں وہ بہت موٹا تازہ مضبوط جوان تھا اور حضرت والا کا جسم اس زمانہ میں بہت دُبلا پتلا تھا مگر نہایت چُست اور پھُرتیلا۔

حضرتِ اقدس کی والدہ ماجدہ نے یہ قصہ سُنا تو فرمایا:

”یہ دینداری کی برکت ہے۔“

پھر یوں دُعاء دی:

”اللہ تعالیٰ ہمیشہ بے دینوں کے مقابلہ میں پلڑا بھاری ہی رکھیں۔“

اس قصہ سے حضرتِ والا کا مزید ایک بہت بڑا کمال یہ ظاہر ہوا کہ آپ کا اپنے نوکروں اور مزارعوں کے ساتھ کس قدر سادگی اور بے تکلفی کا برتاؤ تھا۔

آپ کی زمینوں کی نگرانی پر متعین منشی نے نوکروں اور مزارعوں کے ساتھ آپ کی خوش طبعی و دل لگی کا برتاؤ دیکھ کر کہا:

”دین و دنیا دونوں لحاظ سے اتنی بلند شخصیت میں ایسی سادگی اور اتنی تواضع؟ اتنے بڑے مشہور جامعہ کے شیخ الحدیث و مفتی اور دنیوی لحاظ سے اتنے بڑے زمیندار، اس کے باوجود چھوٹوں پر اس قدر شفقت اور اپنے نوکروں اور مزارعوں کے ساتھ یوں گھُل مِل کر اٹھنا بیٹھنا اور ان سے ہنسی مذاق کی باتیں کرنا، اس کی مثال ہم نے دنیا میں کہیں دیکھی نہ سُنی۔“

کراماتی طمانچا:

④ حضرت والا کے ایک طمانچے سے ایک آسیب بے ہوش ہوگیا، اس کی تفصیل آگے جلد دوم میں عنوان ”نسبتِ موسویہ“ کے تحت آئے گی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

المؤمن القویّ خیر من المؤمن الضعیف.

⑤ ایک بار حضرت والا اپنے ایک خادم کے ہاں تشریف لے گئے، ان کے مکان میں بیسن کی ٹونٹی خراب ہو رہی تھی، حضرت والا نے ان سے فرمایا:

”اسے تبدیل کیوں نہیں کرتے؟“

انہوں نے جواب دیا:

”میں نے اسے کھولنے کی بہت کوشش کی، مگر مجھ سے نہیں کھُلی۔“

حضرت والا نے فرمایا:

”رینچ لاؤ، میں کھولتا ہوں۔“

انہوں نے رینچ لا کر دیا اور ساتھ ہی ازراہِ محبت وہمدردی یہ درخواست کی:

”زیادہ زور نہ لگائیں، خدانخواستہ کمر میں چک نہ پڑ جائے۔“

حضرت والا نے ابھی رینچ کی گرفت ہی مضبوط کی تھی، گھمانے کے لئے ابھی زور نہیں لگایا تھا، بس اتنے ہی میں ٹونٹی کھُل گئی۔

دونوں کو بہت حیرت ہوئی کہ یہ کیا معاملہ ہوا؟ جب کہ وہ پورے جوان تھے اور حضرت والا کی عمر پینسٹھ برس۔

حضرت والا نے فرمایا:

> ”میں نے تو ابھی زور لگانے کے لئے قوت مجتمع ہی کی تھی، زور لگانا تو ابھی شروع بھی نہیں کیا تھا، اتنے ہی میں کام بن گیا، اس کی مثال یوں سمجھیں کہ گاڑی کا فرسٹ گیر تو لگا لیا تھا مگر ابھی ایکسیلریٹر دبا کر کلچ نہیں چھوڑا تھا۔“

ھل من مبارز؟

⑥ حضرت والا روزانہ نمازِ فجر کے بعد میدان میں بنیتِ مشق جہاد فنونِ حرب کا مظاہرہ کرتے ہیں، اپنے مخصوص نعرہ ”ھَلْ مِنْ مُّبَارِزْ“ کی گرجدار للکار کے ساتھ ببر شیر جیسی جست لگا کر میدان میں کودتے ہیں، دشمن کی فوج کا محاصرہ توڑنے، دشمن کو پکڑنے، جکڑنے اور اسی سے اسلحہ چھین کر اس کا کام نمٹانے کے جوہر دکھلاتے ہیں، جھپٹنے کی تیزی اور انداز بدلنے کی پھرتی کے ساتھ شوکت، سطوت اور قوت کا حیرت انگیز مظاہرہ ہوتا ہے جس کو دیکھنے دُور دُور سے لوگ جمع ہوجاتے ہیں، اس وقت پچھتر سال کی عمر میں بھی ایسی مستیاں اور جولانیاں دیکھ کر بڑے بڑے جوانوں کے طوطے اُڑ جاتے ہیں اور حیرت سے آنکھیں پھٹی رہ جاتی ہیں۔

”تُسیں توڑی وچ کی پاؤندے او؟“ ——— روغنِ محبت:

⑦ حضرت والا اس کبرسنی میں باغ میں تفریحی چکر لگا رہے تھے، وہاں پنجاب کے چند بہت مضبوط اور لمبے چوڑے جوان آپ سے یوں مخاطب ہوئے:

”تُسیں توڑی وِچ کی پاؤندے او؟“

”آپ ہنڈیا میں کیا ڈالتے ہیں؟“ یعنی گھی کونسا کھاتے ہیں؟

حضرت والا نے جواب میں فرمایا:

"گھی تو میں بھی وہی کھاتا ہوں جو دوسرے سب لوگ کھاتے ہیں۔"

وہ بولے:

"بنوٹ کے ہاتھ دکھاتے وقت آپ کا میدان میں ببر شیر جیسی جست لگا کر نکلنا اور لاٹھی کو تولنا تو اپنی جگہ پر بہت بڑا کمال ہے ہی ہم تو آپ کی چال ہی دیکھ کر حیران ہیں۔ جب آپ یہاں چکر لگا رہے ہوتے ہیں اس وقت ہمیں آپ کی چال پر بہت تعجب ہوتا ہے، چستی اور پھرتی کے ساتھ قوت اور شوکت کا یہ عجیب منظر دیکھ کر ہم تو بس ششدر رہی رہ جاتے ہیں، اس عمر میں یہ قوت؟"

حضرت والا نے فرمایا:

"میں تو روغنِ محبت کھاتا ہوں۔"

پھر ان سے علیحدہ ہونے کے بعد خُدام سے فرمایا:

"ان بے چاروں کو کیا معلوم کہ یہ شرابِ محبت کی مستی ہے ؎

پیری میں بھی وہ شان ہے مستِ شراب کی
جیسے ہو بانکپن کسی مستِ شباب میں

وَذِكْرُكَ لِلْمُشْتَاقِ خَيْرُ شَرَابٍ
وَكُلُّ شَرَابٍ دُوْنَهٗ كَسَرَابٍ"۔

"عاشق کے لئے تیرا ذکر سب مشروبات سے بہتر مشروب ہے اور اس کے سوا ہر شراب (مشروب) سراب کی طرح ہے۔"

حضرت والا کی چال میں مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں:

۱— پاؤں پھرتی سے جھٹک کر اُٹھاتے ہیں۔

۲ — پاؤں بلند اٹھا کر رکھتے ہیں۔

۳ — پاؤں پورا جما کر رکھتے ہیں۔

۴ — پاؤں سیدھے رکھتے ہیں۔

۵ — انتہائی چاق چوبند، ہوشیاری و سُبک رفتاری میں ممتاز۔

۶ — خداداد جسمانی قوت کے ساتھ رُوحانی شوکت کا عجیب امتزاج۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتارِ مبارک کی ہیئت بھی یہی تھی، پاؤں اٹھانے، رکھنے اور سُبک رفتاری کا یہی انداز تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضرت اقدس دامت برکاتہم کو رُوحانی چال کے ساتھ جسمانی چال میں بھی اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشابہت کے شرف سے نوازا ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (۵-۵۴)

"یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔"

معجون شباب آور یا معجون فلک سیر:

⑧ ایک بار باغ میں حضرت والا کی قوتِ جسمانیہ کا مظاہرہ اور جولانیاں دیکھ کر چند مضبوط اور لمبے تڑنگے جوانوں نے حضرت والا کی خدمت میں یوں درخواست کی:

"آپ طاقت کی کون سی معجون کھاتے ہیں؟ ہمیں بھی بتائیں۔"

حضرت اقدس دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا:

"میرے پاس 'معجون شباب آور' ہے جس کا دوسرا نام 'معجون فلک سیر' بھی ہے۔"

انہوں نے پوچھا:

"یہ معجون ہمیں بھی مل سکتی ہے؟"

حضرت والا نے فرمایا:

"ضرور! جو چاہے لے سکتا ہے، بس طلبِ صادق چاہئے۔"

انھوں نے دریافت کیا: ——— "قیمت کیا ہے؟"

حضرت والا نے فرمایا:

"معجونِ شباب آور بہت ہی قیمتی ہے، اس کے نام "فلک سیر" کی طرح اس کی قیمت بھی "فلک سیر" ہے، مگر میرے یہاں تو مفت ملتی ہے۔"

یہ سُن کر ان کے منہ میں تو رال آگئی، للچائی ہوئی نظریں بچھاتے ہوئے بولے:

"ہم بھی نظرِ کرم کے طالب ہیں، ہمیں کیسے ملے گی؟"

حضرت اقدس دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا:

"یہ صرف ان لوگوں کو دی جاتی ہے جو میرے ہسپتال میں آتے ہیں۔"

وہ سمجھ گئے کہ "معجون فلک سیر" دراصل "شرابِ محبت" ہے جس کی مستی سے بڑھاپے میں بھی شباب کا یہ عالم ہے ؎

چمکتی ہیں آنکھیں دمکتا ہے چہرہ
بڑھاپے میں بھی جانِ جاں ہو رہا ہے

حضرت اقدس دامت برکاتہم کا یہ صرف قول ہی نہیں، بلکہ یہ حال ہر وقت آپ پر غالب رہتا ہے۔ خدام سے اکثر یوں فرماتے رہتے ہیں:

"میں جب باغ میں چکر لگاتا ہوں اور جب جست لگا کر میدان میں نکلتا ہوں اور ہتوٹ کے جوہر دکھاتا ہوں اُس وقت میرا دل شرابِ محبت سے لبریز ہوتا ہے اور اس تصور سے انتہائی سرشار ہوتا ہے کہ میرا محبوب میرا جوشِ عشق دیکھ کر بہت خوش ہو رہا ہے۔"

حضرت والا کے قلبِ مُبارک میں غلبۂ آتشِ عشق کی جو مستیاں اور جولانیاں جوش مارتی ہیں وہ بسا اوقات آپ کی زبانِ مبارک سے مختلف اشعار

کی صورت میں ظاہر ہوتی رہتی ہیں، یہ اشعار آپ کی روحانی مستیوں اور جولانیوں کے مُظہر ہونے کے علاوہ آپ کی جسمانی مستیوں اور جولانیوں کے بھی ترجمان ہیں، اس لئے یہاں ان کا ذکر اہلِ ذوق کے لئے لذتِ خمرِ کہن سے بھی لذیذ تر ہوگا ؎

یہ دیکھ لو ہیں بڑھاپے میں مستیاں میری
وہ پیر ہوں کہ مقابل کوئی جواں نہ ہوا

بڑھاپے میں بھی اے مخمورؔ یہ جولانیاں تیری
اجل بھی ہنس رہی ہے واہ کیا پیرانہ مستی ہے

عجب ہے شان میری بس مجھے دیکھا تو کیا دیکھا
لباسِ زُہد میں گویا مجسّم مستیاں دیکھیں
کسی میں زیرِ گردوں ہم نے اس پیرانہ سالی میں
نہ ایسی مستیاں دیکھیں نہ ایسی شوخیاں دیکھیں

پیری میں بھی وہ شان ہے مستِ شراب کی
جیسے ہو بانکپن کسی مستِ شباب میں

یہ مخمورؔ پیری میں بھی جوشِ مستی
نئے سر سے پھر کیا شباب آرہا ہے
جھپٹنا پلٹنا پلٹ کر جھپٹنا
لہو گرم رکھنے کے ہیں یہ بہانے

"اگر فوٹو لینا جائز ہوتا تو۔۔۔"

⑨ ایک بہت مضبوط نوجوان حضرتِ والا کی اس پیرانہ سالی میں میدان میں نکلنے کی جست کو دیکھ کر ششدر رہ گئے، کہنے لگے:

> "اگر فوٹو لینا جائز ہوتا تو میں کسی روز کیمرا لے آتا حضرتِ والا جیسے ہی جست لگاتے فوراً تین چار فوٹو لے لیتا۔"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین (بخاری)

تیرے فرزندوں کے آگے بحر قطرہ کُہ سپند
ہے ثریا بھی ترے فرمان کے زیرِ کمند

(حضرتِ اقدس)

نو عمری ہی میں تعمقِ علم

علماء اور طلبہ کے لئے دلچسپ اور قابلِ رشک حالات، علمی اور تحقیقی مزاج پیدا کرنے کے لئے رہنما واقعات، متقدمین و متاخرین کے تفقہ کی جھلک، اکابر علماء دیوبند کی زندہ تاریخ۔

نو عمری ہی میں تعمقِ علم

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
گنگوہی	۱۲۰	رؤیتِ ہلال کا تاریخی اجتماع	۱۳۰
رشیدِ ثانی	۱۲۰	ہند و پاک کے مشہور ماہرینِ افتاء اکابر کے درمیان متنازعہ مسئلہ کا حل	۱۳۱
پہلی ہی تصنیف پر محدث و مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کی حیرت انگیز تقریظ	۱۲۰	التفریق بین التقیید والتعلیق	۱۳۱
"میرے تصور میں آپ کا نقشہ کچھ یوں تھا"	۱۲۳	امام الکلام فی تبلیغ صوت الامام	۱۳۲
"آپ دیوبند کے پڑھے ہوئے ہیں؟" ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ	۱۲۳	تجاویز رؤیتِ ہلال	۱۳۲
"آپ دیوبند کے پڑھے ہوئے ہیں؟" ایک پادری	۱۲۴	کم عمری میں شیخ الحدیث	۱۳۳
المشرقی علی المشرقی	۱۲۶	استاذِ محترم کی طرف سے "رشیدِ ثانی" کا لقب	۱۳۳
"ایک لڑکے نے اتنے پہلوانوں کو چت کر دیا"	۱۲۶	"آپ علمِ فرائض کے امام ہیں"	۱۳۳
قادیانی مناظر، بولتی بند	۱۲۷	استاذِ محترم کی ایک اور شہادت	۱۳۴
پادری کی ذلت آمیز شکست	۱۲۷	ہندوستان کے ایک مشہور عالم کی عقیدت	۱۳۴
شیعہ مناظرین کی خفت آمیز پسپائی	۱۲۸	سوشلزم کے مقابلہ کے لئے اکابر کا انتخاب	۱۳۴
بدعتی مناظر	۱۲۸	جدید علمِ کلام کی تدوین کے لئے نظرِ انتخاب	۱۳۴
سوشلسٹ مولوی	۱۲۹		

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

مَنۡ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيۡرًا يُّفَقِّهۡهُ فِي الدِّيۡنِ

۱۴۱۶ھ

اللہ تعالےٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے
ہیں تو اُس کو دین میں فہم عطاء فرما دیتے ہیں (صحیح بخاری)

نو عمری ہی میں تعمُّقِ علم

قدرت کے عام قاعدہ کے مطابق علوم وفنون میں اعلیٰ استعداد، صلاحیتِ کاملہ اور مہارتِ تامہ حاصل کرنا شب وروز انتھک محنتِ شاقّہ برداشت کئے بغیر ممکن نہیں ؏

بِقَدْرِ الْجِدِّ تُكْتَسَبُ الْمَعَالِيْ
وَمَنْ طَلَبَ الْعُلَا سَهِرَ اللَّيَالِيْ

”محنت کے مطابق مناصب حاصل ہوتے ہیں اور بلندی کا
طالب راتوں کو جاگتا ہے۔“

مگر خاص بندوں کے لئے یہ نعمت محض وہبی ہوتی ہے، تحصیلِ کمالات میں ان کی محنت ومشقت کو کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ ربِّ کریم کی عطاءِ محض ہوتی ہے۔

ہمارے حضرتِ اقدس دامت برکاتہم کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کا یہی معاملہ ہے، کچھ محنت تو درکنار سبق میں حاضری ہی کی یہ حالت تھی :

اَلْحَاضِرُ كَالْغَائِبِ ——— ”حاضر مثلِ غائب۔“

استاذ کے سامنے بیٹھے ہیں مگر کچھ توجّہ ہی نہیں کہ استاذ صاحب کیا فرمارہے ہیں، بسا اوقات یہی معلوم نہیں کہ سبق کہاں ہے، اس کے باوجود بفضل اللہ تعالیٰ ہر امتحان میں اعلیٰ کامیابی سے ہمکنار رہے اور سب اساتذہ کی نظر میں ہمیشہ بہت ممتاز۔

حضرتِ والا صرف بیس سال کی عمر میں اور صرف آٹھ سال کی قلیل مدت میں تمام علوم وفنون، منطق، فلسفہ اور فلکیات وغیرہ کی بہت اونچی اور نایاب کتابیں پڑھنے اور ان میں پوری مہارت حاصل کرنے کے بعد دار العلوم دیوبند سے علومِ حدیث کی تحصیل سے بھی فارغ ہوگئے تھے۔

دار العلوم دیوبند میں علوم حدیث کے ساتھ ساتھ بنوٹ۔ لاٹھی، چاقو، تلوار وغیرہ فنونِ حرب میں بھی کمال حاصل کیا۔

اسی زمانہ میں بلکہ اس سے بھی قبل طلبِ علم ہی کے دور میں دقّتِ نظر وتعمقِ علم میں آپ کا کیا مقام تھا؟ اور آپ کے رفقاء واساتذہ کے آپ کی نہایت بلند استعداد کے بارہ میں کیا تأثّرات تھے؟ اس کا قدرے اندازہ مندرجہ ذیل واقعات سے کیا جا سکتا ہے ع

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا
"میرے چمن سے میری بہار کا اندازہ لگا لو۔"

گنگوہی:

① آپ کے نام اور سب علوم میں خصوصی امتیاز واعلیٰ استعداد کی وجہ سے آپس کے ساتھی آپ کو "گنگوہی" کہا کرتے تھے۔

رشیدِ ثانی:

② آپ کے اُستاذِ معقولات حضرت مولانا ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں جب کہ حضرت والا آپ سے منطق، فلسفہ اور فلکیات کی اعلیٰ کتابیں پڑھتے تھے، ایک مجلس میں اپنے اس شاگردِ رشید کے بارہ میں فرمایا:

"آپ إن شاء اللہ تعالیٰ 'رشیدِ ثانی' بنیں گے۔"

پہلی ہی تصنیف پر محدّث ومفتی اعظم دار العلوم دیوبند کی حیرت انگیز تقریظ:

③ حضرت والا نے دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد بہت جلد ہی علمِ فرائض میں کتاب "تسہیل المیراث" تصنیف فرمائی، یہ آپ کی سب سے

پہلی تصنیف ہے، اس پر آپ کے استاذِ محترم حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ محدث و مفتیِ اعظم دارالعلوم دیوبند نے جو تقریظ تحریر فرمائی اس کے آئینہ میں آپ کی نوخیزی و نوآموزی کے زمانہ میں دقّتِ نظر و تعمقِ علم کا اعلیٰ مقام ملاحظہ فرمائیں، بالخصوص ایسی عظیم شخصیت کی طرف سے اپنے بالکل نوخیز شاگرد کے لئے "دوست" جیسا عظیم اعزاز اور "مصنّفِ علّام" جیسا عظیم لقب۔

"حامدًا ومصلیًا ومسلمًا

امّا بعد، میں نے اپنے دوست مولانا مولوی رشید احمد صاحب لدھیانوی کی بے نظیر تصنیف "تسہیل المیراث" دیکھی اور غور سے دیکھی۔ کتابِ مذکور کی افادیت میں، تسہیلِ فہم میں، مسائل کی تحقیق میں کوئی کمی نہیں، بلکہ اگر اہلِ علم حضرات غور فرمائیں گے تو ان کو معلوم ہوگا کہ فرائض کے بعض دقیق مسائل اس وضاحت کے ساتھ بیان کئے ہیں کہ انسان متحیّر ہو جاتا ہے۔

اس سے زیادہ خوبی یہ ہے کہ اس میں رطب و یابس کی بھرتی نہیں کی ہے، مسائل و احکامِ مسائل کی پوری ـ کی ہے، اور اقوالِ محقّقہ سے کتابِ مذکور کو محلّی و مزیّن کیا ہے۔

میں دُعاگو ہوں کہ منعمِ حقیقی مصنّفِ علّام کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ اِسی قِسم کے عِلمی خزانے آیندہ بھی اہلِ علم کے سامنے رکھیں۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝ (۱۴-۲۰)

"یہ اللہ پر کچھ بھی مشکل نہیں۔"

محمد اعزاز علی امروہوی مرادآبادی
۲۵ ر رمضان المبارک سنہ ۶۶ھ"

حضرت مولانا نے تقریظ لکھنے کی مروّج رسم کے مطابق فوراً کتاب کے ایک آدھ مقام پر سرسری نظر ڈال کر رسمی تقریظ نہیں لکھی، بلکہ کتاب کئی ماہ تک آپ کے پاس رہی، اور اس کے ایک ایک مسئلہ کو بہت غور وخوض سے دیکھ کر اپنی عالی رائے تحریر فرمائی ہے۔

آج کل کی مروّج تقریظ کے بارہ میں حضرت والا فرمایا کرتے ہیں:

”تقریظ کا یہ طریقہ بالکل ناجائز ہے۔ کتاب دیگ کے چاول نہیں کہ ایک دو چاول چٹکی میں لے کر مَسَل کر دیکھے اور پوری دیگ پر تیار ہوجانے کا حکم لگا دیا۔ جب تک کتاب کا ایک ایک لفظ پورے غور سے نہیں دیکھا جاتا اس وقت تک اس کی صحت کا یقین نہیں کیا جاسکتا۔ اور تقریظ شہادتِ صحت ہے، اور بدوں یقین کے شہادت لکھنا ناجائز اور حرام ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں:

”ہم تقریظ میں یہ وضاحت بھی کر دیتے ہیں کہ ہم نے اس کتاب کو بعض مقامات سے دیکھا ہے۔“

یہ طریقہ بھی جائز نہیں، اس لئے کہ اس میں دو قباحتیں ہیں:

① ایسی تقریظ سے کیا فائدہ؟

② عوام تقریظ کا پورا مضمون نہیں دیکھتے اور نہ ہی وہ عبارت کی حدود وقیود سے واقف ہیں، وہ تو صرف تقریظ لکھنے والے کا نام دیکھ کر اعتماد کر لیتے ہیں، لہٰذا اس طریقہ سے تقریظ لکھنا صریح دھوکا ہے۔

اسی لئے میں کبھی کسی کتاب پر تقریظ نہیں لکھتا، کیونکہ پوری کتاب بنظرِ غائر دیکھنے کی فرصت نہیں، اور بدوں اس کے تقریظ لکھنا

جائز نہیں، بلکہ میں تو یوں کہتا ہوں کہ تقریظ لکھوانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اگر مصنف میں صلاحیت ہے اور عوام کو اس پر اعتماد ہے تو تقریظ لکھوانے کی حاجت نہیں، ورنہ اسے تصنیف ہی کی کیا ضرورت؟ بس مصنف بننے کا شوق ہے۔"

میرے تصوّر میں آپ کا نقشہ کچھ یوں تھا:

④ لاہور میں ایک عالم حضرتِ والا سے ملے۔ آپ کی نوعمری کو دیکھ کر حیران رہ گئے اور کہنے لگے:

"میں آپ کی تصنیف "تسہیل المیراث" میں آپ کی دقّتِ نظر، بلند پایہ تحقیق اور مسائل کے استیعاب میں کدّ و کاوش دیکھ کر آپ کو انتہائی معمّر اور بہت عمر رسیدہ بوڑھا سمجھتا تھا، اور میرے تصوّر میں آپ کا نقشہ یوں تھا:

"جسم انتہائی نحیف و کمزور، کمر جھکی ہوئی، آنکھیں اندر دھنسی ہوئیں، نظر کی کمزوری سے چشمہ لگا ہوا، بڑھاپے سے پوست ہڈیوں کے ساتھ پیوست۔""

عالمِ مذکور کے تبصرہ سے ثابت ہوا کہ حضرتِ والا جب عمر کے لحاظ سے جوان بلکہ نوجوان تھے، اسی وقت علم کے لحاظ سے بہت عمر رسیدہ بوڑھے تھے۔

"آپ دیوبند کے پڑھے ہوئے ہیں؟" ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ:

⑤ ایک سفر میں حضرت والا سے ایک بہت اعلیٰ دنیوی تعلیم یافتہ صاحب ملے جو بہت متین اور غضب کے ذہین تھے، عربی بھی پڑھے ہوئے تھے، انھوں

نے قرآن کریم کی ایک آیت پر اشکال پیش کیا۔ حضرت نے ایک نحوی قاعدہ بیان فرما کر اُسے حل فرمادیا۔ وہ تو سُن کر پھڑک ہی گئے، اور بے ساختہ چلا اُٹھے:

"آپ دیوبند کے پڑھے ہوئے ہیں؟"

حضرت والا نے فرمایا:

"آپ کو کیسے علم ہوا؟"

وہ بولے:

"کسی عبارت پر وارِد ہونے والے اشکال کا حل خارِجی تأویلات کی بجائے اسی عبارت کے الفاظ سے نکال لینا صرف علماءِ دیوبند ہی کا کام ہے، میں نے اس سے قبل بھی اس کا تجربہ کیا ہے۔"

"آپ دیوبند کے پڑھے ہوئے ہیں؟" ایک پادری:

⑥ حضرت والا سے ایک پادری نے ملاقات کی اور کہنے لگا:

"میں آپ سے مذہب سے متعلق کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں اجازت ہو تو کچھ عرض کروں۔"

حضرت اقدس دامت برکاتہم نے مذاہب سے متعلق ایک مختصر مگر پُرمغز اور محقّقانہ تقریر فرمائی۔ وہ بہت حیرت سے سُنتا رہا۔ تقریر ختم ہونے پر اُچھل کر بولا:

"آپ دیوبند کے پڑھے ہوئے ہیں؟"

حضرت والا نے فرمایا:

"آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

اس نے کہا:

"ایسے گہرے عُلوم صرف عُلماءِ دیوبند ہی کے پاس ہیں۔"

حضرت والا نے فرمایا:

"علماءِ دیوبند کی شان تو بہت بلند ہے، میں تو ان کا ایک ادنیٰ شاگرد ہوں"

ایک مجلس میں حضرت والا نے فرمایا:

"میں ایک بار کسی بہت عمیق مضمون کی تحریر میں مشغول تھا، اس کی لذّت میں محو ہوگیا۔ اسی عالم میں اپنے اساتذہ و اکابر علماءِ دیوبند کی عظمتوں کی طرف ذہن منتقل ہوگیا، اور علوم کے ان بحارِ ناپیدا کنار کی گہرائیوں اور وسعتوں کے تخیّل میں کھوگیا، اس حالت میں ان کی شان میں کچھ اشعار موزوں ہوگئے، جو ماہنامہ "دارالعلوم دیوبند" اور بعض دوسرے رسائل میں شائع بھی ہوئے تھے، ان شہسواروں کی مادرِ علمی "دارالعلوم دیوبند" سے خطاب تھا، ان اشعار میں سے صرف ایک شِعر یاد رہ گیا ہے ؎

تیرے فرزندوں کے آگے بحر قطرہ کُہ سپند
ہے ثریا بھی ترے فرسان کے زیرِ کمند

دوسرے مصراع میں اس حدیث کا مضمون ہے:

لَوْكَانَ الْعِلْمُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَنَالَهٗ رَجُلٌ مِّنْ بَنِيْ فَارِسٍ.

'اگر علم ثریا کے پاس ہوتا تو بھی بنی فارس سے ایک شخص اُسے حاصِل کرلیتا'۔"

علم وتقویٰ اور جہاد میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح:

رُهْبَانٌ بِاللَّيْلِ وَفُرْسَانٌ بِالنَّهَارِ.

"رات کو مالک کے سامنے سربسجود اور دن کو میدانِ جہاد کے شہسوار"

"اَلْمَشْرِقِیْ عَلَی الْمَشْرِقِیْ"؛

⑦ آپ نے صرف اکیس سال کی عمر میں رسالہ "المشرقی علی المشرقی" تحریر فرما کر یورپ سے درجنوں ڈگریاں اور "علامہ" کا لقب پانے والے عمر رسیدہ مشرقی کو دن میں تارے دکھا دیئے۔

ایک لڑکے نے اتنے پہلوانوں کو چِت کر دیا؛

⑧ ایک بار ایک اہم مشورہ کے لئے مختلف اَضلاع کے علماء کا بہت بڑا اجتماع ہوا، اس میں ایک نحوی مسئلہ پر بحث شروع ہو گئی۔ حضرت والا تنہا ایک طرف اور دوسرے سب عُلماء دوسری طرف۔ حضرت والا نے اس نحوی مسئلہ کو عِلمِ مناظرہ کی صورت میں ڈھال کر چند ہی منٹ میں سب کو شکست دے دی۔

اس قصہ میں اُمورِ ذیل ملحوظ رہیں؛

۱— حضرتِ والا تنہا تھے اور مقابلہ میں عُلماء کی بہت بڑی جماعت۔

۲— حضرتِ والا بالکل نوعمر تھے اور وہ پختہ عُمر کے بلکہ بعض تو بہت معمر تھے۔

۳— حضرتِ والا نے عِلمِ نحو بچپن میں پڑھا تھا، اس کے بعد نہ کبھی پڑھایا اور نہ ہی اس فن کی کبھی کوئی کتاب دیکھی، اور دوسرے علماء عِلمِ نحو کے پرانے مدرس تھے، بلکہ ان میں بعض تو عِلمِ نحو کے امام کہلاتے تھے۔

۴— عِلمِ مناظرہ بھی حضرت والا نے نہ پڑھا نہ پڑھایا اور نہ ہی اس فن کی کبھی کوئی کتاب دیکھی۔ بچپن میں تمرینِ مناظرہ بھی بدوں فنی معلومات ہی کی تھی۔

۵— نحو کے جس مسئلہ پر بحث ہو رہی تھی اس میں دوسرے عُلماء صحیح کہہ رہے تھے، وہ حق پر تھے، مع ھٰذا حضرت والا نے محض ذہن آزمائی اور دل لگی کے طور پر

ان کا مقابلہ شروع کر دیا اور چند منٹ میں سب کو خاموش کر دیا۔ یہ کوئی مسئلہ شرعیہ تو تھا نہیں کہ حق کا علم ہوتے ہوئے اس کے خلاف کہنا گناہ ہوتا۔ حضرت والا نے خداداد ذہن کی مدد سے ان عُلماء کو علمِ مناظرہ کے ایسے چکر میں ڈال دیا کہ صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح ثابت کر دکھایا۔

یہ منظر دیکھ کر مجلس سے ایک عالم نے اس معرکہ کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا:

”ایک لڑکے نے اتنے پہلوانوں کو چت کر دیا۔“

قادیانی مُناظِر، بولتی بند:

⑨ حضرت والا نے ایک قادیانی مناظر کو چند منٹ میں لاجواب کر دیا، اس کی تفصیل ”احسن الفتاویٰ“ جلد ۱ میں ہے، یہاں بھی یہ اُمور ملحوظ رکھیں:

۱۔ حضرت والا بالکل نوعمر تھے اور وہ کم از کم پچاس برس کا۔

۲۔ حضرت والا نے قادیانی مذہب کا کبھی مطالعہ نہیں کیا تھا اور نہ ہی اس کے ردّ میں کبھی کوئی کتاب دیکھی تھی، اور وہ بہت مشہور اور تجربہ کار مناظر تھا۔

پادری کی ذِلّت آمیز شکست:

⑩ ایک سفر میں ایک پادری نے حضرت والا کے پاس آ کر از خود ہی مناظرانہ بات شروع کر دی، حضرت والا نے اسے ایسا جواب دیا کہ وہ بالکل خاموش ہو گیا۔ پھر حضرت والا نے اس سے سوال کیا تو اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا، اس لئے جان چھڑانے کی غرض سے کہنے لگا:

”اس موضوع پر میں نے کئی کتابیں لکھی ہیں وہ آپ کو بھجوا دوں گا۔“

حضرت والا نے فرمایا:

”اس وقت تو خود مُصنّف ہی سامنے ہے، آپ ابھی جواب دے دیں۔“

مگر دوسرے مسافروں کے مطالبہ کے باوجود اس نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی ہی میں خیر سمجھی۔

یہاں بھی اِن اُمور کا خیال رہے:

۱۔۔۔ حضرتِ والا بالکل نوخیز تھے اور وہ کافی معمر تھا۔

۲۔۔۔ حضرتِ والا نے نہ کبھی عیسائی مذہب کا مطالعہ کیا اور نہ ہی کبھی اس کے ردّ میں کوئی کتاب دیکھی، اور وہ مشہور تجربہ کار مناظر اور مناظرانہ کتابوں کا مُصنّف۔

شیعہ مُناظرین کی خفّت آمیز پسپائی:

⑪ ایک بار شیعہ نے بہت بڑا جلسہ کیا، اس میں ان کے مقررین نے مسلمانوں کو بار بار مناظرہ کے چیلنج دیئے۔ وہاں کے مسلمانوں نے ان سے مقابلہ کے لئے حضرت والا کو بلایا۔ انہیں حضرت والا کی تشریف آوری کا جیسے ہی علم ہوا مناظرہ سے انکار کر دیا اور مختلف بہانے تراش کر راہِ فرار اختیار کی۔

یہاں بھی امورِ ذیل ملحوظ رہیں:

۱۔ وہ بہت سے تھے اور ان کے مقابلہ میں حضرت والا تنہا۔

۲۔ حضرت والا بالکل نوخیز تھے اور وہ بوڑھے۔

بدعتی مُناظر:

⑫ کراچی میں ایک بدعتی مناظر نے مناظرہ کا چیلنج دیا، جب حضرت والا کی

تشریف آوری کی خبر سنی تو مناظرہ سے انکار کر دیا۔

اس وقت بھی حضرت والا بالکل نوجوان تھے، چالیس سال سے بھی کم عمر میں تو حضرت والا نے بحث مباحثہ سے بالکل کنارہ کش ہو کر یکسوئی کی زندگی اختیار فرمالی تھی۔

سوشلسٹ مولوی:

⑬ ایک سوشلسٹ مولوی کا دعوی تھا کہ اس نے معاشی نظام سے متعلق سب مکاتبِ فکر کا خوب گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے اور اس بارہ میں بہت کتابیں دیکھی ہیں۔

اس کی حضرت والا سے بات ہوئی تو بھری مجلس میں برملا اقرار کرلیا کہ اسلام میں سوشلزم کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

حالانکہ حضرت والا نے اس وقت تک نہ کبھی اسلام میں سوشلزم کے پیوند لگانے والوں کے دلائل کا مطالعہ کیا تھا اور نہ ہی ان کے ردّ میں کوئی کتاب دیکھی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو ذہنِ وقّاد کے ساتھ ایسی زوردار قوتِ بیان سے بھی نوازا ہے کہ جب کبھی آپ کوئی بات ثابت کرنا چاہتے ہیں تو ٹھوس دلائل، قوتِ بیان اور شوکتِ کلام سے مخاطبین کو مسحور کر دیتے ہیں۔

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارہ میں حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک ستون کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

> ”یہ ایسا شخص ہے کہ اگر اس ستون کو دلائل سے سونا ثابت کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔“

ہمارے حضرت اقدس دامت برکاتہم کے بارہ میں بھی آپ کے ہم عصر علماء میں یہ حقیقت عام مشہور ہے:

> ”آپ خداداد قوتِ بیان کے ذریعہ پتھر کو سونا ثابت کر سکتے

ہیں۔"

آپ جب کسی بھی فن کے کسی بھی مسئلہ پر کلام فرماتے ہیں تو بڑے بڑے علماء اور معاند سے معاند حریف بھی سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

اس کی چند مثالیں اوپر لکھی جا چکی ہیں، بالخصوص مثال نمبر ۸ میں محض دل لگی کے طور پر نوعمری ہی میں بڑے بڑے پختہ کار علماء کو ایسے چکر میں ڈالا کہ وہ غلط کو صحیح سمجھنے پر مجبور ہو گئے۔ علاوہ ازیں آپ کے مجموعۂ فتاویٰ "احسن الفتاویٰ" میں مندرجہ رسائل میں آپ کی بلند پایہ تحقیقات اِن شاء اللہ تعالیٰ تا قیامت آپ کے زورِ قلم پر شاہدِ صدق رہیں گی۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

"یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔"

حضرت والا اپنے ہمعصر علماء کے علاوہ اپنے اساتذہ و اکابر کی نظر میں بھی بہت ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ آپ کے اساتذہ و اکابر کو بھی آپ کی ذہانت، بصیرت، تفقّہ و تحقیق پر بہت اعتماد تھا۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں، نمبر شمار اوپر کے سلسلہ کے مطابق ہے۔

رؤیتِ ہلال کا تاریخی اجتماع:

(۱۴) مسئلہ رؤیتِ ہلال پر غور کرنے کے لئے پاکستان بھر کے مشہور علماء و اہلِ فتویٰ کا اجتماع جامعہ قاسم العلوم ملتان میں ہوا، ماہرینِ فن کے اس بہت بڑے اجتماع میں ہمارے حضرت سب سے کم سِن تھے، اس کے باوجود تین روز تک بحث و تمحیص کے بعد ہر بحث میں وہی طے پایا جو حضرت والا نے تحریر فرمایا تھا۔

اس اجتماع کی پہلی نشست میں حضرت مولانا محمد صادق صاحب ناظمِ اُمورِ مذہبیہ بہاولپور صدرِ مجلس تھے، آپ نے حضرت والا کی تحقیق و تفقّہ کی خوب داد دی۔

پہلی نشست کے بعد آخر تک حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ صدرِ مجلس رہے۔ آپ تو پہلے ہی سے حضرت والا کی دقّتِ نظر و تعمّقِ علم کے بہت مدّاح تھے، آپ نے انعقادِ مجلس سے قبل ہی اپنے جامعہ خیر المدارس کے مفتی صاحب سے فرمایا کہ وہ حضرت والا کی تحریر سے استفادہ کریں، حالانکہ وہ مفتی صاحب عمر میں حضرت والا سے بہت زیادہ تھے، اور بہت مدت سے افتاء کا کام کر رہے تھے، اور حضرت والا کی خدمتِ افتاء ابھی ابتدائی دَور ہی میں تھی۔ اختتامِ مجلس کے بعد بھی حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کی تحقیقات اور آپ کے علم و فضل کو بہت سراہا۔

اس بحث سے متعلق حضرت والا کا رسالہ ”عیون الرّجال لرُؤیۃ الہلال“ احسن الفتاوی جلد ۴ میں ہے۔

ہند و پاک کے مشہور ماہرینِ افتاء اکابر کے درمیان متنازعہ مسئلہ کا حل:

⑮ ایک بار فیصل آباد میں ایک مدرسۂ اسلامیہ سے متعلق ایک پیچیدہ مسئلہ پیدا ہوا، اس کے حل کے لئے پاکستان کے مشہور ماہرینِ افتاء اکابر کے علاوہ ہندوستان میں دار العُلوم دیوبند اور مظاہر العُلوم سہارنپور کی طرف بھی رجوع کیا گیا۔ کوئی متفقہ فیصلہ نہ ہوا تو حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضرت والا کو منتخب فرمایا، حالانکہ حضرت والا سب سے کمسن تھے، اور خدمتِ افتاء میں ابھی مبتدی ہی تھے۔

”التفریق بین التقیید و التعلیق“:

⑯ ایک بار طلاق کے ایک مسئلہ سے متعلق مشہور و ماہرینِ افتاء اکابر عُلماء سے استفتاء کیا گیا، ان کے جوابات میں اختلاف ہوا تو فیصلہ کے لئے حضرت والا کی طرف

رجوع کیا گیا۔ نوعمری کے باوجود آپ کی نظرِ عمیق ایسے نکتہ پر پہنچی کہ وہاں تک پختہ کار معمر ماہرینِ فن کی رسائی نہ ہوئی۔

آپ کی یہ تحقیق رسالہ "التفریق بین التقیید والتعلیق" مندرجہ "احسن الفتاوی" جلد ۵ میں ہے، جس کی ابتداء یوں ہے:

> "اقول وباللّٰہ التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق مستفتحا بسبحانك لاعلم لنا الا ما علمتنا انك انت العلیم الحکیم۔
>
> حضرات محررین میں سے اگر کسی کی توجہ اس طرف منعطف ہوجاتی کہ وثیقۂ محررہ میں تعلیق بالشرط نہیں بلکہ تقیید بالشرط ہے تو اس قدر تطویلِ مضمون اور علماء کے درمیان طویل تحریری مباحثات کی نوبت ہی نہ آتی۔"

"امام الکلام فی تبلیغ صوت الامام":

⑰ لاؤڈ اسپیکر پر نماز کے حکم سے متعلق حضرت والا کے استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے رسالہ پر پنجاب کے بعض مشہور علماء نے ردّ لکھا۔ استاذ نے اپنی کتاب اور اس پر ردّ کی سب تحریریں اپنے شاگردِ رشید یعنی حضرت والا کے سپرد فرماکر فیصلہ کی فرمائش کی، اور اپنی کتاب "آلۂ مکبر الصوت" میں حضرت والا کو "ماہرِ فن محقق" کا لقب دیا۔

حضرت والا کا یہ فیصلہ رسالہ "امام الکلام فی تبلیغ صوت الامام" مندرجہ "احسن الفتاوی" جلد ۳ میں ہے۔

تجاویز رؤیت ہلال:

⑱ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمہم اللہ تعالیٰ نے حکومت کو رؤیتِ ہلال سے متعلق تجاویز بھیجنے کے فیصلہ میں حضرت والا کو بھی شریک فرمایا، حالانکہ آپ ان اکابر سے عمر میں بہت چھوٹے ہیں۔ یہ تجاویز "جواہر الفقہ" اور "احسن الفتاویٰ" میں ہیں۔

کم عمری میں شیخ الحدیث:

⑲ حضرت والا صرف پینتیس برس کی عمر میں دار العلوم کراچی کے شیخ الحدیث ہو گئے جب کہ دار العلوم کے ہم رتبہ سب اداروں کے شیخ الحدیث بہت معمر تھے۔

استاذ محترم کی طرف سے "رشیدِ ثانی" کا لقب:

⑳ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک تحریر میں ہمارے حضرت اقدس دامت برکاتہم کو "رشیدِ ثانی" کا لقب دیا ہے۔

یہ تحریر رسالہ "رفع الحجاب عن حکم الغراب" مندرجہ "احسن الفتاویٰ" کتاب الصید و الذبائح میں ہے۔

اوپر لکھا جا چکا ہے کہ حضرت والا کے زمانۂ طلبِ علم ہی میں آپ کے استاذِ معقولات حضرت مولانا ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی نگاہِ دُور رس نے آپ کے بارہ میں یہ پیشگوئی فرما دی تھی:

"آپ اِن شاء اللہ تعالیٰ 'رشیدِ ثانی' بنیں گے۔"

رشیدِ اوّل حضرت گنگوہی قدس سرہ کا مقام اس قدر بلند ہے کہ آپ "ابو حنیفۂ عصر" کے لقب سے معروف و مشہور ہیں۔

"آپ علمِ فرائض کے امام ہیں":

㉑ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک مجلس میں حضرت والا

کے بارہ میں فرمایا:

"آپ علمِ فرائض کے امام ہیں۔"

اُستاذِ محترم کی ایک اور شہادت:

㉒ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک اور شہادت، عنوان "فنونِ دنیویہ میں بھی ماہرین پر فوقیت" میں ملاحظہ ہو۔

ہندوستان کے ایک مشہور عالم کی عقیدت:

㉓ ہندوستان کے ایک مشہور عالم کی عقیدت، یہ بھی عنوانِ بالا میں ملاحظہ ہو۔

سوشلزم کے مقابلہ کے لئے اکابر کا انتخاب:

㉔ جب بعض عناصر نے سوشلزم پر اسلام کا لیبل چپکانے کی کوشش کی تو ان سے مقابلہ کے لئے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور دوسرے اکابر علماءِ کرام نے ہمارے حضرت اقدس دامت برکاتہم کو منتخب فرمایا۔ آپ کے تبحرِ علم، تعمقِ نظر، قوتِ دلیل، شوکتِ کلام اور جرأت و بیباکی کے سامنے کسی کو سر اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی۔

جدید علمِ کلام کی تدوین کے لئے نظرِ انتخاب:

㉕ حضرتِ والا ابھی دار العلوم دیوبند سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ اسی نوعمری و نوآموزی کے زمانہ میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے علومِ شرعیہ و فنونِ عقلیہ میں حضرتِ والا کی بہت اعلیٰ استعداد دیکھ کر آپ سے یوں فرمائش کی:

” علمِ کلام فلسفۂ قدیمہ کے ردّ میں مدوّن کیا گیا تھا، اس زمانہ میں فلسفۂ قدیمہ کے نظریات نہیں رہے اس لئے اب نہ فلسفۂ قدیمہ کی ضرورت رہی اور نہ ہی علمِ کلام قدیم کی، اب ضرورت اس کی ہے کہ دورِ حاضر کا فلسفۂ جدیدہ مرتّب کرکے اس کے ردّ میں علمِ کلام جدید مدوّن کیا جائے، میں بہت عرصہ سے ایسی شخصیت کی تلاش میں ہوں جو یہ کام کرسکے، مگر اب تک ناکام رہا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو علومِ شرعیّہ و فنونِ عقلیّہ دونوں میں کمال سے نوازا ہے، آپ یہ کام کرسکتے ہیں، اس لئے میری خواہش ہے کہ اسلام کی یہ اہم خدمت آپ انجام دیں۔“

اللہ نور السموات والارض

علومِ لدنیہ

اللہ تعالیٰ جس بندہ کو تقویٰ و فکرِ آخرت کی بدولت اپنے قربِ خاص سے نوازتے ہیں اس کے قلب میں ایسے علوم منکشف فرماتے ہیں جو اس نے کسی انسان سے حاصل نہیں کئے۔ ایسے علوم کو ”علوم لدنیّہ“ اور ”علم الموھبۃ“ کہا جاتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَقَدْ كَانَ فِيْمَا قَبْلَكُمْ مِّنَ الْأُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنْ يَّكُنْ فِيْ أُمَّتِيْ اَحَدٌ فَاِنَّهٗ عُمَرُ. رواہ البخاری۔

”تم سے پہلی امتوں میں علوم لدنیہ والے علماء گزرے ہیں، اور میری امت میں عمر تو یقیناً ایسے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضرتِ اقدس دامت برکاتہم کو دوسرے انعاماتِ ربّانیہ وکمالاتِ ظاہرہ و باطنہ کی طرح علومِ لدنیہ کے فضل وکمال سے بھی خوب خوب نوازا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے قلبِ مبارک پر قرآن، حدیث، فقہ، سلوک اور کلام کے ایسے علوم منکشف فرماتے ہیں جو آپ نے نہ کسی استاذ سے پڑھے، نہ کسی کتاب میں دیکھے اور نہ ہی کسی عالم سے سنے۔ آپ سے تعلق رکھنے والے علماء آپ کے مضامینِ عالیہ وتحریراتِ غامضہ کا مطالعہ کرنے والے فضلاء، آپ سے استفادہ کرنے والے طلبہ اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والے مسترشدین کو بکثرت اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔

افسوس کہ ان جواہر پاروں کے جمع وضبط کا کوئی انتظام نہ ہوسکا، کسی کو من جانب اللہ عطاء ہونے والے ”علومِ لدنیہ“ کے جمع وضبط کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱ــــ علومِ شرعیّہ میں سے ہر علم میں اس کی تصانیف ہوں، اس طرح ہر علم سے متعلق اس کے "مواہب لدنیہ" اس علم میں اس کی تصنیف کے مختلف مواضع میں متفرق طور پر زیرِ تحریر آجاتے ہیں۔

۲ــــ وہ خود اس کا اہتمام کرے کہ تمام علوم سے متعلق اپنے "مواہب لدنیہ" ایک مستقل کتاب کی صورت میں جمع کردے۔

۳ــــ کوئی شاگرد یا خادم جمع وضبط کا اہتمام کرے۔

حضرتِ والا کے "علومِ لدنیہ" کو مستقل کتاب میں جمع کرنے کی اب تک کوئی صورت نہیں ہوسکی، نہ حضرتِ والا نے خود اس طرف توجہ فرمائی اور نہ ہی کسی دوسرے نے اس کا اہتمام کیا۔

باقی رہ گئی جمع وضبط کی پہلی صورت، سو اس سے بھی پورے استفادہ سے یہ موانع ہیں:

۱ــــ حضرتِ والا کی بیشتر تصانیف علمِ فقہ میں ہیں، اگرچہ دوسرے علومِ شرعیّہ میں بھی آپ کی تصانیف ہیں مگر بہت کم۔

۲ــــ "دارالافتاء والارشاد" کی بنیاد رکھنے کے بعد حضرتِ والا کی خدمت میں حاضر ہونے والے طلبہ ومسترشدین کا مقصدِ اوّل تو اصلاحِ باطن ہوتا ہے اس کے بعد دوسرے درجہ میں وہ صرف علمِ فقہ ہی میں استفادہ کو اپنا محور بنالیتے ہیں، اس لئے ان کی توجہ دوسرے علوم میں حضرتِ والا کی تصانیف کی طرف نہیں جاتی۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کی نظر آپ کے صرف ان "علومِ لدنیہ" پر ہے جو آپ کی تصانیفِ فقہیہ میں ہیں۔ اگرچہ ان تحقیقاتِ فقہیہ میں کہیں کہیں ضمناً دوسرے علوم کے بھی بعض ایسے مباحث آگئے ہیں جو آپ کے "علومِ لدنیہ" میں سے ہیں۔

حضرتِ والا کے ”علومِ لدنیہ“ کی چند مثالیں عنوان ”نوعمری ہی میں تعمقِ علم“ اور عنوان ”موافقتِ اکابر“ کے تحت درج کی گئی ہیں، ان کے بارہ میں یہ ملحوظ رہے کہ وجوہِ مذکورہ کی بناء پر یہ صرف وہ چند مثالیں ہیں جو آپ کی تصانیفِ فقہیّہ میں پائی جاتی ہیں، تصانیفِ فقہیّہ سے بھی چھان بین کر کے سب مثالیں جمع کرنے کی کوشش نہیں کی گئی بلکہ بر وقت جو یاد آگئیں صرف انہی کی تحریر پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

طالبینِ دردِ دل و معرفت کے لئے علومِ لدنیہ کے بارہ میں حضرت رومی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات پیش کئے جاتے ہیں ؎

علمہاےِ اہلِ دل حمّالِ شان   علمہائے اہلِ تن احمالِ شان
علم چون بر دل زند یارے شود   علم چون بر تن زند بارے شود
گفت ایزد یَحْمِلُ اَسْفَارَهٗ   بار باشد علم کان نبود زہو
علم کان نبود زہو بے واسطہ   آن نپاید ہمچو رنگِ ماشطہ
لیک چون این بار را نیکو کشی   بار برگیرند و بخشندت خوشی
ہین مکش بہرِ ہوا این بارِ علم   تا بہ بینی در درون انبارِ علم
تا کہ بر رہوارِ علم آئی سوار   آنگہان افتد ترا از دوش بار
از ہواہا کے رہی بے جامِ ہو   اے ز ہو قانع شدہ با نامِ ہو
از صفت وز نام چہ زاید خیال   وان خیالش ہست دلّالِ وصال
ہیچ نامے بے حقیقت دیدۂ   یا ز گاف و لامِ گل گل چیدۂ
اسم خواندی رو مسمّیٰ را بجو   مہ ببالا دان نہ اندر آبِ جو
گر ز نام و حرف خواہی بگزری   پاک کن خود را ز خود ہان یکسری
ہمچو آہن ز آہنی بے رنگ شو   در ریاضت آئینہ بے زنگ شو
خویش را صافی کن از اوصافِ خود   تا بہ بینی زاتِ پاکِ صافِ خود

بینی اندر دل علومِ انبیا   بے کتاب و بے معید و اوستا
گفت پیغمبر کہ ہست از امتم   کہ بود ہم گوہر و ہم ہمتم
مر مرا زان نور بیند جانِ شان   کہ من ایشاں را ہمے بینم بدان
بے صحیحین و احادیث و روات   بلکہ اندر مشرب آبِ حیات

"اہلِ دل کے علوم ان کے بار اٹھانے والے ہیں، اور تن پرور لوگوں کے علوم ان پر بار ہیں۔

علم کا جب قلب پر اثر ہوگا تو وہ وصول الی اللہ میں معین ہوگا، اگر اسے تن پروری کا ذریعہ بنایا تو نرا بوجھ اور وبال ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "عالمِ بے عمل گدھے کی طرح کتابوں کا بوجھ اٹھاتا ہے"، اور جو علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہو وہ بار ہی ہے۔

جو علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلاواسطہ نہ ہو وہ دلہن کو سنوارنے والی کے لگائے ہوئے روغن کی طرح ناپائیدار ہوتا ہے۔

لیکن اگر خلوصِ نیت سے علم حاصل کرو اور اس پر عمل کرو تو تمہارا بوجھ اتار دیا جائے گا اور تمہیں خوشی دی جائے گی۔

خبردار! ہوائے نفسانی کے لئے اس بارِ علم کو مت اٹھانا، تو اپنے قلب میں علم کا انبار دیکھوگے۔

جب تم رہوارِ علم پر سوار ہوجاؤگے تو سارے بار سے سبکدوش ہوجاؤگے، یعنی حامل نہ رہوگے محمول بن جاؤگے۔

اللہ تعالیٰ کے جامِ محبت کے بغیر ہوائے نفسانی سے نجات نہیں پاسکتے اور تم تو صرف اللہ تعالیٰ کے نام پر قناعت کئے ہوئے ہو۔

جب اللہ تعالیٰ کا نام بقصدِ اثر لیا جائے تو دل میں اللہ تعالیٰ کا

خیال پیدا ہو جاتا ہے، پھر وہ خیال رہبرِ وصال بن جاتا ہے۔

کیا تم نے کوئی نام بدونِ حقیقت دیکھا ہے؟ یا لفظِ گل کے گاف اور لام سے کبھی پھول چنے ہیں؟

نام تو لے چکے اب مسمّیٰ کو ڈھونڈو، کیونکہ چاند اوپر ہوتا ہے ندی کے اندر نہیں ہوتا۔

اگر نام سے مسمّی کی طرف بڑھنا چاہتے ہو تو اپنے کو اوصافِ ذمیمہ اور اپنی ہستی و خودی سے بالکل پاک کر لو۔

جس طرح آہن میں صیقل سے ظلمت نہیں رہتی اور اس میں انعکاسِ صُوَر ہونے لگتا ہے، اسی طرح ریاضت سے قلب میں تجلیِ حقیقت ہونے لگے گی۔

اپنے آپ کو اوصافِ خودی سے صاف کر لو تاکہ تم اپنی ذات کو اس طرح پاک و صاف پاؤ،

"بدون کسی کتاب اور بدون کسی مربی و استاذ قلب میں حضرات انبیاءِ کرام علیہم السلام کے علوم دیکھو۔"

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت میں بعض ایسے لوگ ہوں گے جو میرے ساتھ جوہرِ علم اور ہمتِ عمل میں مناسبت رکھتے ہوں گے۔

ان کی رُوح میرے اوصافِ نبوت کو اس نور سے دیکھے گی جس نور سے میں ان کے اوصافِ ولایت کو دیکھتا ہوں۔

اس مشاہدہ میں نہ صحیحین کا واسطہ ہوگا نہ احادیث کا نہ راویوں کا، بلکہ محض مشربِ عشق میں یہ مشاہدہ ہوگا۔"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[illegible]

اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور اللہ (ترمذی)

بینی اندر خود علومِ انبیا
بے کتاب و بے معید و اوستا

موافقت اکابر

- محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم
- حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم
- مذہبِ امامِ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ
- مجتہدین متقدّمین و متأخرین، اکابر علماءِ اُمت واولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ

کے ساتھ علومِ ظاہرہ، فیوضِ باطنہ، تحقیقاتِ فقہیّہ، ارشاداتِ علمیّہ و رُوحانیہ اور عاداتِ مُبارکہ میں وجد آفریں موافقت، روح پرور مطابقت اور قابلِ رشک مشابہت، عجیب و غریب توجیہات اور احادیث کی مُنفرد تشریحات۔

موافقت اکابر

صفحہ	عنوان
۱۴۶	بیوی کو ماں یا بہن کہنے سے وقوعِ طلاق
۱۴۷	قبر پر ہری شاخ رکھنا
۱۴۸	رکوع میں ایڑیوں کے درمیان فاصلہ
۱۴۸	وتر کے بعد دو رکعت نفل
۱۴۹	فرائض کے بعد اجتماعی دُعاء
۱۴۹	مالی جرمانہ
۱۵۰	غیر حاکم کا تعزیر لگانا
۱۵۰	عقیقہ کی حقیقت
۱۵۱	خواتین اور اجازتِ بیعت
۱۵۱	شیخ نجم الدین کبری رحمہ اللہ تعالیٰ
۱۵۲	امور طبعیہ اور محبت کا صحیح معیار
۱۵۴	نماز چاشت
۱۵۵	دعوتوں اور تقریبات میں
۱۵۷	لعنت بر مصورین
۱۵۷	سلام میں ہاتھ کا اشارہ
۱۵۸	قبیلِ مغرب گھر جانے کا معمول
۱۵۸	ڈاڑھی منڈانے یا کٹانے والے

صفحہ	عنوان
۱۵۹	ازان کے وقت ہاتھ میں پیالہ
۱۵۹	آشوبِ چشم میں بہنے والا پانی
۱۵۹	مسح رأس کا طریقۂ معروفہ
۱۶۱	صوفیہ سے دین کو نقصان
۱۶۲	شیعہ کا تقیہ علماء وصلحاء کے روپ میں
۱۶۲	طلبہ سے اسباق کی جگہ ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی
۱۶۳	اجتماعی ذکر کے مروجہ حلقے
۱۶۴	اوقافِ قرآن
۱۶۴	شبِ زفاف
۱۶۶	عمر ضائع کر دی
۱۷۰	منطق وفلسفہ
۱۷۲	بالوں کی وضع وقطع
۱۷۲	انقلابِ طبع ونظر
۱۷۳	محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم سے موافقت
۱۷۴	محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض صفاتِ جسمانیہ میں توافق

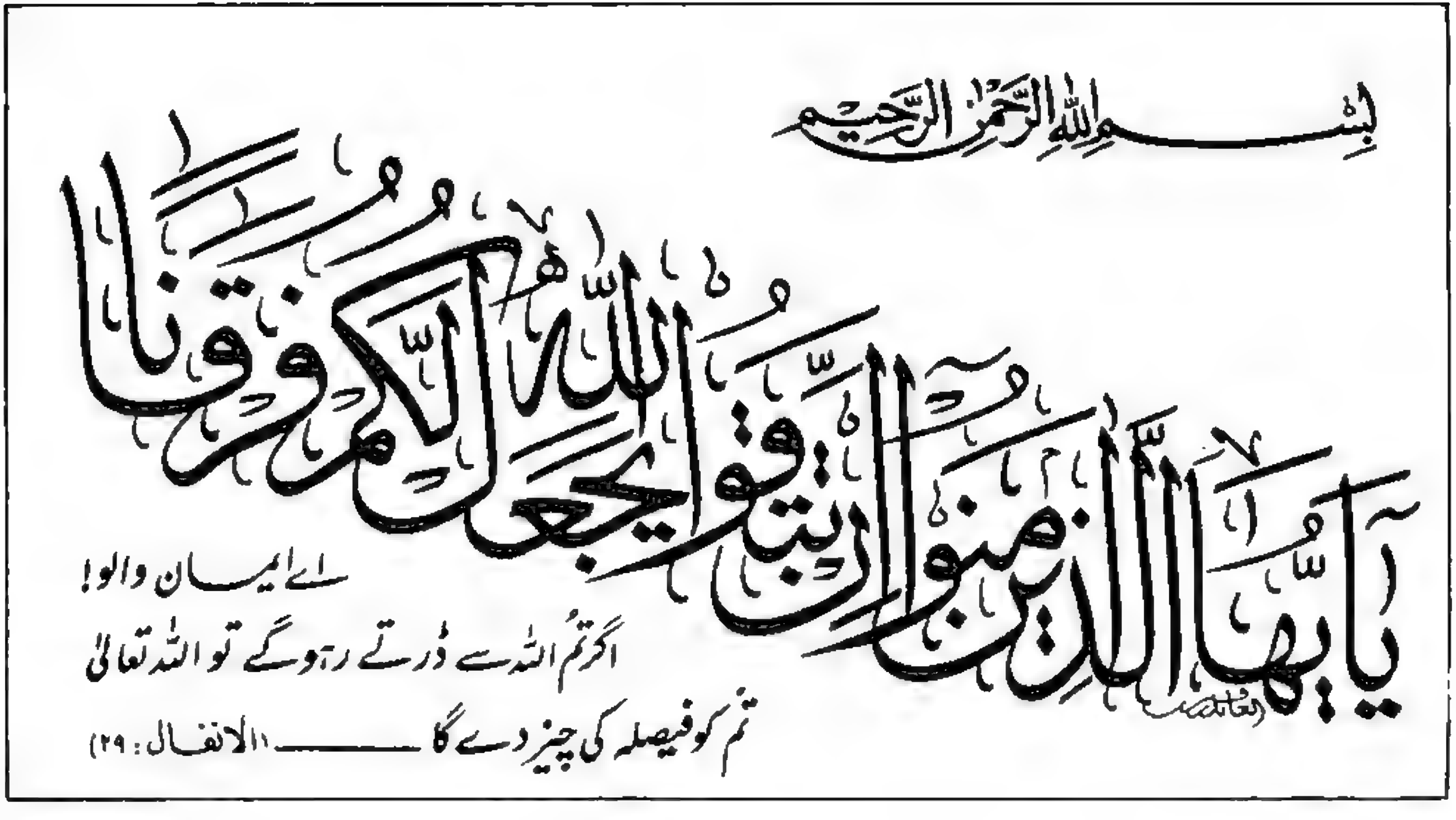
بسم الله الرحمن الرحيم
يا أيها الذين آمنوا إن تتقوا الله يجعل لكم فرقانا

اے ایمان والو!
اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ
تم کو فیصلہ کی چیز دے گا ——— (الانفال: ۲۹)

موافقتِ اکابر

- ★ محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم
- ★ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم
- ★ مذہبِ امامِ اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ
- ★ اکابرِ علماءِ امت و اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ

کے ساتھ علومِ ظاہرہ، فیوضِ باطنہ اور عاداتِ مبارکہ میں موافقت کی چند مثالیں۔

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی مسئلہ فقہیہ میں حضرت والا کی رائے تمام بڑے بڑے علماءِ محققین کے خلاف ہوتی ہے جو شہرت میں آپ سے بہت فائق اور زمانہ میں آپ سے بہت متقدم ہیں۔ ایسے موقع میں حضرت والا اپنے ہم عصر مشہور ماہرینِ افتاء کی طرف رجوع فرماتے ہیں مگر ان کے جواب سے بھی اطمینان نہیں ہوتا یعنی آپ کی وہی رائے بدستور قائم رہتی ہے تو آپ اپنی اس رائے کے مطابق فتویٰ نہیں دیتے بلکہ اس کا عام اظہار بھی نہیں فرماتے، صرف ان علماء کے سامنے جو آپ سے علمِ افتاء حاصل کرنے آتے ہیں اپنی رائے یوں بیان فرماتے ہیں:

> ”اس مسئلہ سے متعلق مشہور اکابر علماءِ وقت و فقہاءِ متقدمین کی تحقیق میں مجھے یہ اشکال ہے۔“

اشکال کی تقریر تفصیل سے سمجھا دیتے ہیں، اس کے بعد اگر آپ کو اپنی رائے کے مطابق متقدمین میں سے کسی مسلّم محقق کا قول مل جاتا ہے تو آپ کو اکابر کی طرف سے اپنی رائے کی تصویب اور اکابر کے ساتھ توافق سے بہت مسرت ہوتی ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں، چنانچہ اپنی تائید میں اکابر میں سے کسی مسلّم

محقق کا قول نقل فرمانے کے بعد یہ جملہ تحریر فرماتے ہیں:

الحمد للہ علیٰ توفیقہ لموافقۃ الاکابر۔

”اللہ تعالیٰ کی طرف سے اکابر کے ساتھ موافقت کی توفیق پر
اللہ کا شکر ہے۔“

کبھی یوں ہوتا ہے کہ حکمِ مسئلہ میں تو اختلاف یا کوئی اشکال نہیں ہوتا مگر مسئلہ کی مفصل تحقیق میں دلائل یا دقائق پر غور کرتے وقت من جانب اللہ ذہن میں کوئی ایسا علمی دقیقہ وارد ہوتا ہے جو نہ تو فقہاءِ متقدمین رحمہم اللہ تعالیٰ سے کسی کتاب میں آپ نے منقول دیکھا اور نہ ہی علماءِ وقت کی تحریروں میں، پھر کسی بڑے مسلّم محقق کی تحریر میں بھی یہ دقیقہ نظر آگیا تو آپ اس پر بھی اظہارِ مسرت کے ساتھ ادائے شکر کے لیے یہی جملہ:

الحمد للہ علیٰ توفیقہ لموافقۃ الاکابر۔

”اللہ تعالیٰ کی طرف سے اکابر کے ساتھ موافقت کی توفیق پر
اللہ کا شکر ہے۔“

زبان سے بھی کہتے ہیں اور تحریرِ مسئلہ میں لکھتے بھی ہیں۔ آپ کے علمی شاہکار ”احسن الفتاویٰ“ میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ اس وقت سرسری طور پر سوچنے سے جو مثالیں یاد آگئیں وہ بطورِ نمونہ پیش کی جاتی ہیں:

بیوی کو ماں یا بہن کہنے سے وقوعِ طلاق:

① بیوی کو ماں یا بہن کہنے سے وقوعِ طلاق کے بارہ میں عام فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے خلاف ہمارے حضرت اقدس دامت برکاتہم کی تحقیق شروع ہی سے یہ ہے کہ اس سے بلا نیتِ طلاق بھی طلاق بائن واقع ہوجاتی ہے۔

بعد میں ان الفاظ سے وقوعِ طلاق کا ثبوت مل گیا۔ ثبوت بھی ایسا کہ ائمۂ مذاہب

رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصریحات۔

اس کی مدلل بحث "احسن الفتاوی" جلد ۵ کتاب الطلاق میں ہے۔

قبر پر ہری شاخ رکھنا:

② قبر پر ہری شاخ رکھنے کے بارہ میں اہلِ بدعت کے دلائل کے جوابات حضرت والا نے کوئی کتاب دیکھے بغیر محض خداداد بصیرت وتفقہ سے تحریر فرمائے۔

بعد میں کاتب الحروف خادم عبدالرحیم نے دارالافتاء میں کام کرنے والے دوسرے علماء کو ساتھ لگا کر حضرات محدثین وفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصانیف کے ذخیروں کو کھنگالنے میں بہت محنت کی تو ثابت ہوا کہ بعینہ یہی جوابات حدیث وفقہ کے بڑے بڑے ذخیروں کے مختلف گوشوں میں موجود ہیں۔

اس مسئلہ کی تفصیل "احسن الفتاوی" کے "تتمہ" میں ہے۔

اس سے حضرت اقدس دامت فیوضہم کے بارہ میں علماءِ وقت کی اس رائے کی صحت کا مشاہدہ ہوا:

> "آپ کو کسی مسئلہ کی تحقیق کے لئے کتب بینی کی حاجت نہیں بلکہ آپ کی خداداد بصیرت وتفقہ کا حال یہ ہے کہ بس ذرا سی دیر کے لئے آنکھیں بند کیں اور کسی کتاب کی طرف توجہ کئے بغیر مسئلہ کی تہ تک پہنچ گئے یا کوئی کتاب اٹھائے بغیر کتابوں کے بڑے بڑے ذخیروں کی طرف ذرا سی توجہ فرمائی تو بس سب ذخیروں کی سیر کرلی۔"

حضرت خود فرماتے ہیں:

> "مجھے زیادہ کتابیں دیکھنے کی فرصت نہیں، جب کوئی بہت دقیق وعمیق بحث پیش آتی ہے تو بستر پر لیٹ کر ذرا سی دیر کے لئے

آنکھیں بند کرکے سوچتا ہوں، بس اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس بحث کی تحقیق دل میں ڈال دیتے ہیں۔

بسا اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ کسی عمیق بحث پر غور کرتے ہوئے رات میں سو جاتا ہوں، اللہ تعالیٰ نیند کی حالت ہی میں اس بحث کا حل دل میں القاء فرما دیتے ہیں، بیدار ہونے پر غور کرتا ہوں تو اسی تحقیق پر شرحِ صدر ہو جاتا ہے جس کا سوتے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء ہوا تھا۔

وَمَا ذٰلِكَ اِلَّا بِاللّٰهِ "

"یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ ہی کی دستگیری ہے"

رکوع میں ایڑیوں کے درمیان فاصلہ:

③ حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نماز میں مردوں کے لئے رکوع و سجود میں دونوں پاؤں کی ایڑیاں باہم ملانا مسنون ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی یہی تحریر فرمایا ہے، مگر حضرت والا کی رائے شروع ہی سے یہ تھی کہ قیام کی طرح رکوع و سجود میں بھی مردوں کے لئے مسنون یہ ہے کہ دونوں ایڑیوں کے درمیان فاصلہ رکھیں۔

بعد میں اس مسئلہ میں حضرت والا کی رائے کے عین مطابق "امداد الفتاوی" میں حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کا فتوی اور سعایہ میں حضرت مولانا عبد الحیّ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی بہت مدلّل و مفصّل تحقیق مل گئی۔

اس مسئلہ کی مفصّل بحث "احسن الفتاوی" جلد ۳ باب صفۃ الصلوۃ وما یتعلق بہا میں ہے۔

وتر کے بعد دو رکعت نفل:

④ عوام و خواص سبھی نمازِ وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا مستحب سمجھتے ہیں مگر

حضرت والا کی تحقیق یہ ہے کہ وتر کے بعد دو رکعت نفل کا کوئی ثبوت نہیں، خواہ وتر ابتداءِ شب میں پڑھے یا آخر میں بوقتِ سحر۔ بہرحال افضل یہ ہے کہ جتنے نوافل پڑھنا چاہیے سب وتر سے پہلے پڑھ لے اور وتر بالکل آخر میں سب نوافل کے بعد پڑھے۔

اس کی مفصّل تحقیق حضرت دامت برکاتہم کے رسالہ ”اعدل الانظار فی الشفع بعد الایتار“ میں ہے، جو ”احسن الفتاوی“ جلد ۳ باب السُّنن والنوافل میں ہے۔

اس رسالہ میں بعض مباحث حضرت والا نے محض خداداد تفقہ کی بناء پر تحریر فرمائے تھے، مگر بعد میں ان مباحث کی تائید میں احادیث اور بعض محققین کے اقوال بھی مل گئے، جو اس رسالہ کے آخر میں بعنوان ”الحاق“ درج کر دیئے گئے ہیں۔

فرائض کے بعد اجتماعی دُعاء:

⑤ اجتماعی دُعاء کی مفصّل و مدلّل تحقیق حضرت والا کے رسالہ ”زبدۃ الکلمات فی حکم الدُّعاء بعد الصلوات“ میں ہے جو ”احسن الفتاوی“ جلد ۳ باب صفۃ الصلوٰۃ میں ہے۔

اس رسالہ کی تألیف کے بعد اس کے مطابق کتبِ اکابر میں اُنیس نصوص مل گئیں جو رسالہ کے آخر میں ملحق کر دی گئی ہیں، جن میں سے شیخ دہلوی رحمہ اللہ کی تحقیق اور علامہ انور شاہ رحمہ اللہ کی ایک تحریر کا حضرتِ اقدس نے اپنی اصل تحریر میں بھی اضافہ فرما دیا، حضرت شاہ صاحب کی یہ تحریر بہت عجیب ہے۔

ونصه: واما الامور المحدثة من اخذ صورة الجماعة للدعاء كجماعة الصلوٰة والانكار على تاركها ونصب امام ثم ائتمام به فيه وغير ذلك من قلة العلم وكثرة الجهل والجاهل اما مفرط او مفرّط۔ (نفائس مرغوبہ)

مالی جرمانہ:

⑥ مالی جرمانہ جائز نہیں۔ بعض نے اس کا جواز ثابت کرنے کے لئے کچھ دلائل

لکھے ہیں۔ حضرت اقدس دامت برکاتہم نے ان دلائل کا جواب تحریر فرمایا ہے۔

ان میں سے بعض کا جواب محض خداداد بصیرت وتفقہ پر مبنی ہے، مگر بعد میں یہ جواب حضرات فقہاءِ محققین رحمہم اللہ تعالیٰ کی تحریرات میں بھی مل گیا۔

یہ پوری تحقیق آپ کے رسالہ ”تحریر المقال فی حرمۃ التعزیر بالمال“ میں ہے جو ”احسن الفتاویٰ“ جلد ۵ کتاب الحدود والتعزیر میں ہے۔

غیر حاکم کا تعزیر لگانا:

⑦ عام کتبِ فقہ میں مذکور ہے کہ مجرم کو حالتِ ارتکابِ جرم میں تو ہر شخص تعزیر لگا سکتا ہے، مگر ارتکابِ جرم کے بعد تعزیر لگانا صرف حاکم کا کام ہے، کوئی دوسرا تعزیر نہیں لگا سکتا۔

لیکن حضرت اقدس دامت برکاتہم کی شروع ہی سے یہ رائے رہی ہے کہ جب حکومت تعزیر لگانے کا فرض ادا نہ کر رہی ہو تو دفعِ فساد واصلاحِ منکر کے لئے عوام کو تعزیر لگانے کا حق ہے بلکہ با اثر لوگوں پر واجب ہے۔

بعد میں کلام فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں بھی یہ تفصیل مل گئی۔

یہ مسئلہ مع دلائل ”احسن الفتاویٰ“ جلد ۵ کتاب الحدود والتعزیر میں ہے۔

عقیقہ کی حقیقت:

⑧ حضرت والا فرماتے ہیں کہ مذہبِ حنفی میں عقیقہ کی حقیقت بالکل ولیمہ جیسی ہے، یعنی یہ اظہارِ مسرت واداءِ شکر کی ایک صورت ہے، باقی تفصیل وقیود مثلاً بکرا ہی ذبح کیا جائے، لڑکے کے لئے دو بکرے اور لڑکی کے لئے ایک۔ بکرے کی عمر میں ایک سال کی قید، ساتویں دن ذبح کرنے کی قید۔ قربانی کے گوشت کی طرح اس کے بھی تین حصے کئے جائیں، ایک ران دائی جنائی کو دی جائے وغیرہ وغیرہ قیود

کا مذہب حنفی میں کوئی ثبوت نہیں۔

حضرت والا کی اس تحقیق کے مطابق ”اعلاء السنن“ میں بہت مدلل و مفصل رسالہ مل گیا۔

خواتین اور اجازت بیعت:

⑨ حضرت دامت برکاتہم نے ایک خاتون کے بارہ میں فرمایا:

> ”اگر سلسلہ میں اکابر سے کسی عورت کو اجازتِ بیعت دینا ثابت ہوتا تو میں اس خاتون کو اجازتِ بیعت دے دیتا۔“

بعد میں حضرت مولانا عبد القدوس گنگوہی قدس سرہ کا ابراہیم بادشاہ کی بہن کے بارہ میں، اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کا اپنی صاحبزادی صفیہ کے بارہ میں اور حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کا ایک خاتون کے بارہ میں بعینہٖ یہی ملفوظ ملا۔

شیخ نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ تعالیٰ:

⑩ حضرت اقدس کو اگر کبھی کسی سرکاری تقریب میں دعوت دی جائے تو جواب میں یوں فرماتے ہیں:

> ”مجھ جیسے بیکار آدمی کی شرکت سے آپ کی کوئی عزت افزائی نہیں، اور عدم شرکت سے آپ کی عزت میں کوئی نقصان نہیں، اس لئے میری شرکت کی ضرورت نہیں۔“

حضرت والا نے فرمایا کہ بعد میں امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات میں شیخ نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایسے موقع میں بعینہٖ یہی جواب نظر سے گزرا، اس توافق سے مسرت ہوئی۔ فللہ الحمد۔

اُمورِ طبعیہ اور محبّت کا صحیح معیار:

⑪ حضرت والا نے فرمایا:

”مجھے طبعی طور پر کسی کا جھوٹا کھانا پینا ناگوار ہے، خواہ والدینؒ ہیں یا استاذ یا کوئی بڑے سے بڑا بزرگ، حتیٰ کہ اپنے شیخ کا جھوٹا ہی کیوں نہ ہو، ”جھوٹا“ کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کسی کے لعاب کی آمیزش ہو جائے۔ مثلاً جھوٹا پانی یا اور کوئی مشروب، کسی کا استعمال کیا ہوا چمچ دھوئے بغیر جس غذا سے ایسا چمچ یا کسی کی چاٹی ہوئی انگلی لگ جائے۔

اسی طرح یہ بھی سخت ناگوار ہے کہ میرا جھوٹا کوئی کھائے یا پیئے، بعض لوگ نومولود بچے کی تحنیک کے لئے میرے پاس چند کھجوریں لے آتے ہیں، مجھے یہ کھجوریں قدرے چبا کر یا چوس کر واپس کرنا بہت ناگوار معلوم ہوتا ہے، اس لئے صرف ذرا سی زبان کی نوک لگا دیتا ہوں یا ذرا سا دانت چبھو دیتا ہوں۔ یہ عمل بھی تنہائی میں کرتا ہوں، کسی کے سامنے اتنا بھی نہیں کر پاتا۔ طبعی ناگواری کے علاوہ یہ خیال بھی مانع رہتا ہے کہ میں اس قابل نہیں۔

کسی بڑے سے بڑے ولی اللہ کا یا اپنے شیخ کا جھوٹا کھانے پینے سے طبعی ناگواری نہ تو قلتِ محبت کی دلیل ہے اور نہ ہی ان کے فیض سے محرومی کا باعث۔ امورِ طبعیہ غیر اختیاری ہوتے ہیں، انہیں کسی چیز کا معیار یا مدار سمجھنا غلط ہے، محبّت کا معیار اور حصولِ فیض کا مدار اس پر ہے کہ اُمورِ اختیاریہ میں غفلت نہ کرے، مثلاً:

۱— ان کے حکم کی تعمیل۔

۲۔ ان کی صحبت میں زیادہ سے زیادہ حاضری۔

۳۔ ان کے لئے دُعاء و ایصالِ ثواب۔

۴۔ انہیں ہر قسم کی راحت پہنچانے کی کوشش۔

۵۔ ہر ایسے قول و فعل سے بچنے کا اہتمام اور فکر جس سے ان کی ذرا سی بھی ناگواری کا کوئی بعید سے بعید اندیشہ ہو۔

۶۔ ان کی خدمت کو اپنے لئے سعادت سمجھنا۔

۷۔ ان کی اولاد و اقارب و احباب کے ساتھ محبت و حسنِ سلوک کا معاملہ رکھنا، اگرچہ وہ دیندار نہ ہوں۔

۸۔ اپنے شیخ کے ساتھ اعتماد، انقیاد، اطلاع اور اتباع کا معاملہ زیادہ سے زیادہ رکھنا، یعنی اپنے حالات کی اطلاع اور ان کی طرف سے ہدایات کا اتباع کرنا، اس پر مداومت اور اس کا بہت زیادہ اہتمام رکھنا۔

بس یہ امور ہیں محبت کی اصل رُوح اور اس کا صحیح معیار اور تحصیلِ فیض کا اصل طریقہ اور صحیح ذریعہ و مدار۔ آج کل لوگوں کو اس نسخۂ اکسیر کیمیا تاثیر سے کوئی سروکار نہیں۔ بس بزرگوں کا جھوٹا کھانے پینے اور اس قسم کے دوسرے تبرکات ہی کو محبت کا معیار اور حصولِ فیض کا مدار بنا رکھا ہے، اور اسی کو دنیا و آخرت کی فلاح و نجات کا ذریعہ سمجھ رکھا ہے، بھلا کیوں نہ کریں؟ سُبحان اللہ! کیسا آسان اور کیا میٹھا اور لذیذ نسخہ ہے، اسلام کے بتائے ہوئے نسخے تو انہیں بہت مشکل اور سخت کڑوے لگتے ہیں۔

بعد میں حضرت حکیم الاُمّۃ قدس سرّہ کے مواعظ یا ملفوظات میں

آپ کا بعینہ یہی طبعی مذاق نظر سے گزرا، اور ساتھ ہی بعینہ یہی تحقیق بھی کہ کسی بڑے سے بڑے ولیُّ اللہ یا اپنے شیخ کا جھوٹا کھانے پینے سے طبعی ناگواری نہ تو قلتِ محبت کی دلیل ہے اور نہ ہی فیض سے محرومی کا باعث۔ فلِلّٰہِ الحمد۔"

نمازِ چاشت:

⑫ ایک بار حضرت والا کے ایک بہت پرانے دوست جو عالم بھی ہیں اور شیخ طریقت بھی، ملاقات کے لئے بوقتِ چاشت تشریف لائے۔ حضرت والا کو اطلاع کی گئی تو فرمایا:

"نمازِ چاشت سے فارغ ہو کر آؤں گا۔"

حضرت والا نمازِ چاشت سے پہلے وضو کے ساتھ مسواک کے علاوہ منجن یا ٹوتھ پیسٹ سے دانتوں کی خوب اچھی طرح صفائی کرتے ہیں اس پر بھی کچھ وقت صرف ہوتا ہے، اس لئے نماز سے فارغ ہونے تک انہیں آدھے گھنٹے سے بھی زیادہ انتظار کرنا پڑا۔ اس کے بعد جب حضرت والا تشریف لائے تو فرمایا:

"اگر کوئی بہت ہی گہرا دوست بھی مجھ سے ملنے کے لئے آجائے تو بھی میں اس کی خاطر اپنی چاشت کی نماز نہیں چھوڑ سکتا۔"

اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نمازِ چاشت کے بارہ میں اسی قسم کے الفاظ مل گئے۔

عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّهَا كَانَتْ تُصَلِّي الضُّحٰى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ تَقُوْلُ لَوْ نُشِرَ لِيْ اَبَوَايَ مَا تَرَكْتُهُنَّ. رواه مالك.

"اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چاشت کی آٹھ رکعتیں پڑھتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ اگر میرے والدین بھی میرے لئے زندہ کر دیئے جائیں تو بھی میں یہ نماز نہیں چھوڑوں گی۔"

دعوتوں اور تقریبات میں:

⑬ حضرت والا کسی کی دعوت قبول نہیں فرماتے، اگر کبھی غلبۂ مروت سے دعوت کا کھانا کھا لیا تو پیٹ میں درد ہو جاتا ہے، اس بارہ میں فرمایا:

"دعوت قبول نہ کرنے کی وجوہ یہ ہیں:

۱ـــ وقتِ متعین کی پابندی نہ کرنے کی وجہ سے بہت تاخیر ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے وقت بہت ضائع ہوتا ہے، بہت اہم کاموں کا حرج ہوتا ہے اور تمام معمولات درہم برہم ہو جاتے ہیں۔

۲ـــ جن اوقات میں کھانے اور سونے کا ہمیشہ معمول ہے ان سے غیر معمولی تاخیر کی وجہ سے نظامِ ہضم واعصاب پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے، جو صحت کے لئے بہت سخت مضر ہے۔

۳ـــ لوگوں کا فسق وفجور میں مبتلا ہونا۔

۴ـــ ان کی آمدنی میں حرام یا مشتبہ مال کا شامل ہونا۔

۵ـــ دعوت کی نیت میں فساد اور دنیوی اغراض کا شامل ہونا مثلاً:

۱ـــ ایک دوسرے پر تفاخر اور نام ونمود۔

۲ـــ جسے دعوت کھلاتے ہیں پھر اس سے دعوت کھانے کے منتظر رہتے ہیں، وہ نہ کھلائے تو ناراض ہوتے ہیں، اس لئے یہ دعوت درحقیقت قرض ہے جسے مع سود وصول کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

۳۔ بسا اوقات دعوت کھلا کر غلط کام لینا چاہتے ہیں۔

۴۔ اگر دعوت کھانے والے سے دعوت کا کوئی بھی عوض وصول ہونے کی توقع نہ ہو تو اس پر اپنا احسان سمجھ کر اسے ذلیل سمجھتے ہیں۔

۶۔ اپنی شہرت کے لئے مشہور لوگوں کی دعوت کرتے ہیں۔

۷۔ کسی مشہور شخصیت کی دعوت کے نام سے بااثر لوگوں کو بلا کر ان سے اغراضِ دُنیویہ کے لئے روابط قائم کرتے ہیں۔

۸۔ کسی دُنیوی غرض سے بعض کی بعض سے ملاقات کرانا مقصود ہوتا ہے۔

آج کل دعوتوں میں یہ فسادات عام ہیں، ڈاڑھی منڈانے اور کٹانے کا فسق تو عام ہونے کے علاوہ علانیہ بھی ہے، اور گھروں میں شرعی پردہ نہ کروانے کے فسق میں تو اس دَور کے علماء، صلحاء اور مشائخِ طریقت تک بھی مبتلا ہیں۔"

بعد میں ایسے لوگوں کی دعوت قبول کرنے سے ممانعت کے بارہ میں مندرجۂ ذیل احادیث مل گئیں؛

نَهَی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اِجَابَةِ طَعَامِ الْفَاسِقِيْنَ. رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِیْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسقوں کا کھانا قبول کرنے سے منع فرمایا ہے۔"

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَی عَنْ طَعَامِ الْمُتَبَارِئَيْنِ اَنْ يُّؤْكَلَ. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤُدَ۔

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تفاخر کے طور پر دعوتیں کرنے والوں کا کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے۔"

حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما دعوتوں میں جانا اس اندیشہ کی وجہ سے پسند نہیں فرماتے تھے کہ یہ دعوت متکبّرانہ نہ ہو۔ (ترجمہ تنبیہ المغترین للشعرانی)

لعنت بر مُصوّرین:

⑭ حضرت والا تصویر کی حرمت اور اس پر عذاب کی وعیدیں بیان فرماتے وقت بسا اوقات یوں فرماتے ہیں:

> "جس پر اللہ اور اس کے رسُول صلّی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے میں اس پر کیوں لعنت نہ کروں۔"

بعد میں صحیح بخاری میں زینت کے لئے گودنے، گدوانے والی، ابروؤں کے اطراف سے بال اکھاڑنے والی اور دانتوں کے درمیان فاصلہ کروانے والی عورتوں کے بارہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعینہٖ یہی الفاظ مل گئے۔

> وَمَالِیَ لَآ اَلْعَنُ مَنْ لَّعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمَنْ ھُوَ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ۔ رواہ البخاری۔

> "میں اس پر کیوں لعنت نہ کروں جس پر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے اور جس پر کتاب اللہ میں لعنت کی گئی ہے۔"

سلام میں ہاتھ کا اشارہ:

⑮ سلام کے ساتھ ہاتھ کے اشارہ کا جو عموماً دستور ہے، اس سے بعض علماء بہت سختی سے روکتے ہیں اور اسے بدعت کہتے ہیں۔

حضرتِ والا دامت برکاتہم کی رائے اس بارہ میں شروع ہی سے یہ ہے کہ ہاتھ کا یہ اشارہ مصافحہ کے قائم مقام ہے، اس لئے جائز ہے۔

بعد میں اس کا ثبوت حدیث سے مل گیا۔

اس کی تفصیل "احسن الفتاوی" کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے۔

قبیلِ مغرب گھر جانے کا معمول:

⑯ جمعہ کے روز حضرتِ والا کا وعظ عصر سے مغرب تک ہوتا ہے، دوسرے ایام میں مغرب سے کچھ قبل ہی فارغ ہو جاتے ہیں، مغرب میں دو تین منٹ ہی باقی ہوں تو بھی اتنی سی دیر کے لئے ہی گھر تشریف لے جانے کا معمول ہے۔

بعد میں صحیح بخاری میں حدیث مل گئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عصر کے بعد ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے ہاں تشریف لے جاتے تھے۔

كَانَ إِذَا انْصَرَفَ مِنَ الْعَصْرِ دَخَلَ عَلٰى نِسَائِهٖ.

رواه البخاری.

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب عصر سے لوٹتے تو اپنی بیویوں کے ہاں تشریف لے جاتے۔"

اور حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کا معمول بھی اسی کے مطابق ملا۔

ڈاڑھی منڈانے یا کٹانے والے:

⑰ حضرتِ والا منکرات بالخصوص بے پردگی اور ڈاڑھی کٹانے یا منڈانے کے بارہ میں بیان فرماتے ہوئے بسا اوقات یوں فرماتے ہیں:

"مجھے ایسی باتیں کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے، مگر آج کے مسلمان کو ایسی بے حیائی کے کام کرنے سے بھی شرم نہیں آتی۔"

بعد میں حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کے ایک وعظ میں ڈاڑھی منڈانے اور کٹانے والوں کے بارہ میں یہی الفاظ مل گئے۔

اذان کے وقت ہاتھ میں پیالہ :

(۱۸) حدیث میں ہے : "ہاتھ میں پیالہ ہو اور اذان ہو جائے تو پانی پی لے۔"

اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ روزہ دار کے لئے صبحِ صادق کے بعد بھی کھانا پینا جائز ہے، حالانکہ یہ صحیح نہیں۔

حضرت اقدس دامت برکاتہم نے "احسن الفتاوی" جلد ۴ میں اس حدیث کی پانچ توجیہیں تحریر فرمائی ہیں، چوتھی یہ ہے کہ یہ حدیث روزہ کے بارہ میں نہیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اذان سننے اور اس کا جواب دینے کے لئے پانی پینا نہ چھوڑے۔

بعد میں یہ توجیہ "بذل المجہود" میں بھی مل گئی۔ فللہ الحمد۔

آشوبِ چشم میں بہنے والا پانی :

(۱۹) کتبِ فقہ میں تحریر ہے کہ حالتِ زکام میں ناک سے اور آشوبِ چشم میں آنکھوں سے بہنے والا پانی نجس ہے اور ناقضِ وضوء ہے۔

ہمارے حضرتِ اقدس دامت برکاتہم کی تحقیق یہ ہے کہ یہ پانی نجس نہیں اس لئے اس سے وضوء نہیں ٹوٹتا، اس کی تفصیل "احسن الفتاوی" جلد دوم ص۲۱ میں ہے۔

بعد میں "فتاوی رشیدیہ" میں حضرت گنگوہی قدس سرہ کی بھی یہی تحقیق مل گئی، آپ تحریر فرماتے ہیں :

> "آنکھ دکھنے میں جو پانی نکلتا ہے پاک ہے، اگرچہ بعض نے ناپاک کہہ دیا ہے لیکن تحقیق کے خلاف ہے۔" (فتاوی رشیدیہ ص۲۳)

مسحِ رأس کا طریقۂ معروفہ :

(۲۰) عام طور پر علماء بھی سر اور گردن کے مسح کا طریقہ یوں بتاتے ہیں :

”دونوں ہاتھوں کی تین انگلیاں سر کی ابتداء میں رکھیں، دونوں ہتھیلیاں، انگوٹھے اور ان کے ساتھ والی انگلی اوپر اٹھائے رکھیں، صرف تین انگلیاں رکھ کر سر کے پیچھے گدی تک لے جائیں پھر دونوں ہتھیلیاں سر کی دونوں جانب رکھ کر آگے پیشانی تک لائیں، گردن کا مسح انگلیوں کی پشت سے کریں۔“

مدارسِ دینیہ کے اساتذہ بھی طلبہ کو یہی طریقہ سکھلاتے ہیں۔

حضرتِ والا ارشاد فرماتے ہیں:

”یہ طریقہ عقل و شرع دونوں کے سراسر خلاف ہے، اس کا بطلان اس قدر بدیہی ہے کہ اس کی تحقیق کے لئے کتبِ فقہ کے مراجعہ کا خیال عبث ہے، اگر کتبِ فقہ میں کہیں اس کا ذکر مل جائے تو اس کو بعد کے لوگوں کے توہمات میں شمار کیا جائے گا، حضرت امام رحمہ اللہ تعالیٰ ایسی غلط بات ہرگز نہیں فرما سکتے، حاشا و کلّا، لہٰذا آپ یا آپ کے مذہب کی طرف ایسی بدیہی اور خلافِ عقل و شرع غلطی کی نسبت کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔“

دار الافتاء کے عملہ نے اس سلسلہ میں کتبِ فقہ کا مراجعہ کیا تو ثابت ہوا کہ ائمۂ مذہب اور محققین نے اس خانہ زاد طریقہ کو بالکل غلط، لغو اور خلافِ عقل و شرع قرار دیا ہے۔

اسی طرح عوام و خواص، طلبہ و علماء سب تیمم کا طریقہ یوں بتاتے ہیں:

”پہلے صرف انگلیاں ہتھیلی کی پشت پر رکھ کر کہنی تک لے جائیں، پھر کہنی کی اندرونی جانب پر ہتھیلی رکھ کر گٹے تک لائیں۔“

حضرتِ والا اس کے بارہ میں بھی ارشاد فرماتے ہیں:

"یہ بھی بعد کے لوگوں کا اختراع ہے اس کا بطلان اور عقل وشرع کے خلاف ہونا طریقِ مسح کے بطلان سے بھی زیادہ واضح ہے۔"

کتبِ فقہ کے مراجعہ سے فقہاءِ متقنین رحمہم اللہ تعالیٰ کی تحقیقات میں اس کا ابطال بھی مل گیا۔

ان دونوں مسائل کی تفصیل رسالہ "طریقۂ مسح وتیمم" میں ہے۔

صوفیہ سے دین کو نقصان:

﴿۲۱﴾ حضرتِ والا فرمایا کرتے ہیں:

"صوفیہ نے دین کو بہت سخت نقصان پہنچایا ہے، جھوٹی، منگھڑت اور موضوع روایات اپنی تصانیف میں جمع کر کے مسلمانوں میں پھیلائیں، اپنے عقائدِ باطلہ اور خیالات وتوہماتِ فاسدہ کو عقائدِ اسلامیہ و احکامِ شرعیہ میں ٹھونس کر اُمت کو گمراہ کیا، حتی کہ بہت سے فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ بھی صوفیہ کے توہمات کے اثر سے محفوظ نہ رہ سکے، کتبِ فقہ میں عقل وشرع کے خلاف کئی ایسی بے بنیاد باتیں لکھ دیں جن کا حضرتِ امام رحمہ اللہ تعالیٰ سے کوئی دُور کا بھی تعلق نہیں۔"

بعد میں ابوحنیفۂ عصر فقیہ النفس حضرت گنگوہی قدس سرہ کا فیصلہ بھی اسی طرح مل گیا، ارشاد فرمایا:

"ابتداء سے اور اس وقت تک جس قدر ضرر دین کو صوفیہ سے پہنچا ہے اتنا کسی اور فرقہ سے نہیں پہنچا، ان سے روایت کے ذریعہ بھی دین کو ضرر ہوا اور عقائد کے لحاظ سے بھی اور اعمال کے لحاظ سے بھی اور خیالات کے لحاظ سے بھی۔" (ارواحِ ثلاثہ ص ۲۵۶)

شیعہ کا تقیہ علماء و صلحاء کے روپ میں:

㉒ حضرتِ والا اپنے شاگردوں کو بہت تاکید سے یہ ہدایت دیتے رہتے ہیں:

"شیعہ لوگ تلبیس اور دجل و فریب میں بہت مہارت رکھتے ہیں اور تقیہ ان کے ایمان کی بنیاد ہے، اس لئے انہوں نے ہر زمانہ میں بذریعہ تقیہ مسلمانوں میں گھس کر دین کو بہت سخت نقصان پہنچایا ہے۔ مفسرین، محدثین اور فقہاء میں ان کی تعداد بہت کثیر ہے۔ رؤساءِ افتاء و قضاء اور قاضی القضاۃ جیسے اہم مناصب اور کلیدی عہدوں پر قابض رہے ہیں۔ اس لئے روایات کی چھان بین اور رجال کی تنقید کا اہتمام بہت ضروری ہے۔"

بعد میں "تحفۂ اثنا عشریہ" میں حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کی بھی یہی تنبیہ مل گئی۔

طلبہ سے اسباق کی جگہ ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی:

㉓ عام اہلِ مدارس ایصالِ ثواب کے لئے اسباق چھڑوا کر اساتذہ و طلبہ سے قرآن خوانی کرواتے ہیں یا مختلف حاجات کے لئے ختمِ بخاری یا اور مختلف قسم کے ختم کرواتے ہیں۔

حضرتِ والا اس کے سخت خلاف ہیں، آپ فرمایا کرتے ہیں:

"یہ رسم کئی وجوہ سے نہایت قبیح ہے:

① طلبہ جس کام میں مشغول ہیں وہ فرض ہے اور ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی مستحب، وہ بھی اس شرط سے کہ اجتماعیت

کا اہتمام والتزام نہ ہو، اجتماعی خوانیوں کا مروّج اہتمام بدعت ہے۔

② فرض چھوڑ کر مستحب کام کرنا جائز نہیں چہ جائیکہ بدعت۔
فرض کا ثواب نفل سے بہت زیادہ ہے لہٰذا قرآن خوانی اگر سنت کے مطابق ہو تو اس سے بھی درس وتدریس کا ایصالِ ثواب بدرجہا افضل ہے۔

③ عوام کے غلط عقیدہ کی تائید۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ایصالِ ثواب صرف تلاوتِ قرآن ہی سے کیا جا سکتا ہے۔

④ خود طلبہ کے عقیدہ کی خرابی کہ وہ بھی یہی سمجھتے ہیں کہ ایصالِ ثواب کے لئے تلاوت ہی ضروری ہے۔

⑤ طلبہ کے ذہن میں پستی اور احساسِ کمتری پیدا ہونا۔

⑥ بلاوجہ شرعی اساتذہ کا چھٹی کرنا اور پھر اس وقت کی تنخواہ لینا۔

⑦ طلبہ اور اساتذہ کا اسے جائز سمجھنا۔

⑧ عوام اور خواص کا تعلیم وتعلم جیسے اہم فرض کو قرآن خوانی کے مقابلہ میں کمتر سمجھنا۔ اس میں علمِ دین کی توہین ہے۔

اِن مفاسد کی بناء پر اسباق چھوڑ کر قرآن خوانی کرنا جائز نہیں، ایسے موقع میں طلبہ سے کہہ دیا جائے کہ اپنے اسباق کا ایصالِ ثواب کر دیں۔"

بعد میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد وعمل بھی بروایت حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے مطابق معلوم ہوا۔

اِجتماعی ذِکر کے مُروّجہ حلقے:

㉗ ذکر کے مروّجہ حلقوں کے بارہ میں حضرت والا فرماتے ہیں:

> ”اجتماعی ذکر کے حلقوں کا کوئی ثبوت نہیں، حلقۂ ذکر کے اثبات کے لئے جو احادیث پیش کی جاتی ہیں، ان میں تعلیم و تعلم کے حلقے مراد ہیں، تسبیح و تہلیل وغیرہ کے حلقے مراد لینا غیر منقول و معارض اصول ہونے کے علاوہ غیر معقول بھی ہے۔“

بعد میں بہت اونچے طبقہ کے نہایت جلیل القدر تابعی حضرت عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصریح مل گئی کہ ان احادیث میں تعلیم و تعلم کے حلقے مراد ہیں (البدایۃ والنہایہ ص۳۰۶ ج ۹) اس کی پوری تحقیق رسالہ ”مجالسِ ذکر“ مندرجہ ”تتمۂ احسن الفتاوی“ میں ہے۔

اوقافِ قرآن:

۲۵ حضرتِ والا فرمایا کرتے ہیں:

> ”قرآن کریم میں علاماتِ وقف لگانے میں بہت غلو سے کام لیا گیا ہے جو شانِ قرآن کے خلاف ہے۔“

بعد میں کتبِ فقہ میں اس کا ثبوت مل گیا۔ (عالمگیریہ ص۳۲۳ ج ۵)

شبِ زفاف:

۲۶ بوقتِ سحر تہجد کے لئے آنکھ نہ کھلنے کی شکایت کے علاج کے لئے دورِ حاضر کے مشایخ مختلف وظائف بتاتے ہیں۔

مگر ہمارے حضرت اقدس دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں:

> ”یہ طریقِ مروج صحیح نہیں، اس مرض کا صحیح نسخہ یہ ہے:
>
> ”کسی اہلِ محبت کی صحبت میں رہ کر اپنے اندر دردِ محبت پیدا کیجئے۔ شادی کی رات کو جاگنے کے لئے دولہا میاں کسی بزرگ

سے وظیفہ پوچھے تو وہ نامرد ہے، خواہشِ نفس سونے نہیں دیتی تو محبوبِ حقیقی کے عشق کا درد کیسے سونے دے گا؟ چند روز کسی مرد کی صحبت میں رہ کر مرد بنئے، کسی صاحبِ دل سے تعلق جوڑیئے پھر دیکھئے راتیں کس طرح گزرتی ہیں ؎

بھلا وہ دل پڑیں جس دل پہ دَورے دردِ اُلفت کے
سکوں کس طرح سے آئے اسے کیسے قرار آئے

جب تک یہ دولت حاصل نہیں ہوتی محاسبہ، مراقبہ اور مالی وجسمانی سزا کے ذریعہ ہمت پیدا کی جائے۔"

بعد میں بعینہٖ یہی مضمون حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کے مواعظ میں بھی مل گیا۔ شادی والی رات کی مثال کسی وعظ میں نظر سے گزری ہے جو اس وقت یاد نہیں، بقیہ مضمون بہت تفصیل سے وعظ "مطاہر الاموال" ص۴۵ میں ہے۔

دردِ محبت کے سوا زہدِ خشک سے کام نہیں چلتا، پٹرول کے بغیر محض دھکیلنے سے گاڑی رفتار نہیں پکڑ سکتی، محبت کے پٹرول کی فکر کیجئے ؎

زہد زاہد را و دین دیندار را
ذرۂ دردت دلِ عطار را

" زاہد کو زہد مبارک اور دیندار کو دین۔ میرے دل کو تو تیری محبت کے درد کا ذرہ چاہئے۔"

در درونِ خود بیفزا درد را
تا ببینی سبز و سرخ و زرد را

"اپنے اندر درد پیدا کر تاکہ تجھ پر حقائق منکشف ہوں۔"

یہ دولت کسی صاحبِ درد کی صحبت ہی سے حاصل ہو سکتی ہے ؎

خواب را بگزار امشب اے پسر
یک شبی در کوئی بیخوابان گزر

"رات کو جاگنے کا نسخہ یہ ہے کہ کوئی رات بیخوابوں کی گلی میں گزارو۔"

جو آگ کی خاصیت وہ عشق کی خاصیت
اک خانہ بخانہ ہے اک سینہ بسینہ ہے

آتشِ عشق سونے کو رونے سے بدل دیتی ہے ؎

پھنکتا ہوں شب و روز پڑا بسترِ غم پر
ہوتی ہے بری ہائے لگی آگ جگر کی
کاٹے نہیں کٹتا تری فرقت کا زمانہ
ہوتی نہیں اب شام جو مر مر کے سحر کی

عمر ضائع کردی:

㉗ دورِ حاضر میں مدارسِ دینیہ وجامعاتِ اسلامیہ میں مسائلِ فرعیہ اجتہادیہ پر بہت لمبی لمبی تقریروں اور مباحثِ طویلہ کا دستور عام ہو گیا ہے۔

اس بارہ میں ہمارے حضرتِ اقدس دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں:

"مدارس وجامعات میں مسائلِ فرعیہ اجتہادیہ پر اس قدر تقاریرِ طویلہ کی جو رسم چل نکلی ہے یہ بدعتِ قبیحہ وشنیعہ ہے، مذاہبِ ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ میں مباحثِ طویلہ پر قوائے دماغیہ، لسانیہ، قلمیہ اور اوقاتِ ثمینہ واموالِ وقف کی تضییع جائز نہیں۔

ضرورت بدرجۂ فرض اس امر کی ہے کہ اسلام میں ارتداد، الحاد

و زندقہ جیسے پیدا ہونے والے فتن اور بدعات و منکرات کی یورش سے اسلام و اہلِ اسلام کی حفاظت کے لئے طلبہ میں زیادہ سے زیادہ اہمیت، لیاقت و استعداد پیدا کرنے پر زور دیا جائے۔ اسلام کے اندر فتنِ اعتقادیہ و عملیہ کے مقابلہ کے لئے طلبہ کو زیادہ سے زیادہ تیار کیا جائے۔"

بعد میں امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کی بھی یہی تقریر ماہنامہ "تدریس القرآن" کراچی، مئی ۱۹۹۷ء جلد نمبر ۱ شمارہ ۵ صفحہ ۱۲ میں بحوالہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ مل گئی جو درجِ ذیل ہے:

"قادیان میں ہر سال ہمارا جلسہ ہوتا تھا اور مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اس میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال حسبِ معمول جلسے میں تشریف لائے۔ میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ ایک صبح نمازِ فجر کے وقت میں حاضر ہوا تو دیکھا حضرت اندھیرے میں سر پکڑے بہت مغموم بیٹھے ہیں۔ میں نے پوچھا:

"حضرت! کیسے مزاج ہیں؟"

فرمایا:

"ہاں! ٹھیک ہی ہے۔ میاں، مزاج کیا پوچھتے ہو، عمر ضائع کر دی۔"

میں نے عرض کیا:

"حضرت! آپ کی ساری عمر علم کی خدمت اور دین کی اشاعت میں گزری ہے۔ آپ کے ہزاروں شاگرد، علماء اور مشاہیر ہیں جو آپ

سے مستفید ہوئے اور خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی؟"

فرمایا:

"میں تم سے صحیح کہتا ہوں، عمر ضائع کر دی۔"

میں نے عرض کیا:

"حضرت! بات کیا ہے؟"

فرمایا:

"ہماری عمر کا، ہماری تقریروں کا، ہماری ساری کدو کاوش کا خلاصہ یہ رہا ہے کہ دوسرے مسلکوں پر حنفیت کی ترجیح قائم کر دیں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں اور دوسرے ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ پر آپ کے مسلک کی فوقیت ثابت کریں۔ یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا، تقریروں کا اور علمی زندگی کا۔

اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ ہماری ترجیح کے محتاج ہیں کہ ہم ان پر کوئی احسان کریں؟ ان کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام دیا ہے وہ لوگوں سے خود اپنا لوہا منوائے گا، وہ تو ہمارے محتاج نہیں۔

اور ہم امام شافعی، مالک، احمد بن حنبل اور دوسرے مسلک کے فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں جو ترجیح قائم کرتے ہیں، کیا حاصل ہے اس کا؟ ارے میاں! اس کا تو کہیں حشر میں بھی راز نہیں کھلے گا کہ کون سا مسلک صواب تھا اور کون سا خطا، لہٰذا اجتہادی مسائل کا صرف اس دنیا میں فیصلہ کیسے ہو سکتا ہے؟ دنیا میں ہم

تمام تر تحقیق و کاوش کے بعد زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی صحیح ہے اور وہ بھی صحیح، یا یہ کہ یہ صحیح ہے لیکن احتمال موجود ہے کہ یہ خطا ہو اور وہ خطا ہے اس احتمال کے ساتھ کہ صواب ہو۔ دنیا میں تو یہ ہے ہی، قبر میں بھی منکر نکیر نہیں پوچھیں گے کہ رفعِ یدین' حق تھا یا ترکِ رفع یدین حق تھا؟ آمین بالجہر، حق تھی یا بِالسّر حق تھی۔

اللہ تعالیٰ شافعی کو رسوا کرے گا نہ ابو حنیفہ کو، مالک کو رُسوا کرے گا نہ احمد بن حنبل کو۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے علم کا انعام دیا ہے، جن کے ساتھ اپنی مخلوق کے بہت بڑے حصّہ کو لگا دیا ہے، جنہوں نے نورِ ہدایت چار سُو پھیلایا ہے، جن کی زندگیاں سنت کا نور پھیلانے میں گزریں، اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو رُسوا نہیں کرے گا کہ وہاں میدانِ حشر میں کھڑا کر کے یہ اعلان کرے کہ ابو حنیفہ نے صحیح کہا تھا یا شافعی نے غلط کہا تھا یا اس کے برعکس۔

تو جس چیز کو دنیا میں کہیں نکھرنا ہے نہ برزخ میں اور نہ محشر میں' اسی کے پیچھے پڑ کر ہم نے اپنی عمر ضائع کر دی اور جو صحیح اسلام کی دعوت تھی اور سبھی کے مابین جو مسائل متفقہ تھے اور دین کی ضروریات جو سبھی کے نزدیک اہم تھیں، جن کی دعوت انبیاءِ کرام علیہم السّلام لے کر آئے تھے، جن کی دعوت کو عام کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تھا اور جن منکرات کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی تھی، آج وہ دعوت تو نہیں دی جا رہی۔ آج ضروریاتِ دین تو لوگوں کی نگاہوں

سے اوجھل ہو رہی ہیں اور اپنے اور اغیار ان کے چہروں کو مسخ کر رہے ہیں اور وہ منکرات جن کو مٹانے میں ہمیں لگے ہونا چاہئے تھا پھیل رہے ہیں۔ گمراہی پھیل رہی ہے، الحاد آ رہا ہے، شرک و بت پرستی چل رہی ہے اور حلال و حرام کا امتیاز اٹھ رہا ہے، لیکن ہم لگے ہوئے ہیں ان فروعی بحثوں میں۔“

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے آخر میں فرمایا:

”یوں غمگین بیٹھا ہوں اور محسوس کر رہا ہوں کہ عمر ضائع کر دی۔“

منطق و فلسفہ:

(۲۸) علوم اسلامیہ اور فلکیات کی طرح منطق و فلسفہ میں بھی حضرتِ والا کا کمال و مہارتِ مثالیہ دنیا میں مشہور و مسلم ہے، آپ نے ان فنون کی ایسی نایاب مخطوطات بھی پڑھی ہیں کہ اس دَور کے مدعیانِ فنون نے کبھی دیکھیں نہ سُنیں، آپ نے منطق و فلسفہ میں شہرۂ آفاق کمال حاصل کرنے اور ان فنون کی کتبِ مطبوعہ وغیر مطبوعہ، نایاب مخطوطات کو خوب خوب کھنگالنے کے بعد یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ ان کا پڑھنا پڑھانا جائز نہیں، مدارس و جامعاتِ اسلامیہ میں ان لغویات و خرافات کی تعلیم و تعلم پر دماغ اور زبان و قلم کے قویٰ، زندگی کے بے بہا لمحات اور اَموالِ وقف کی تضییع کا کوئی جواز نہیں، ان کا پڑھنا پڑھانا اور ان پر تنخواہ کا لینا دینا اور طلبہ کے قیام و طعام اور وظائف پر اَموالِ وقف کا صرف حرام ہے۔

بعد میں حضرت گنگوہی قدس سرہ کا بھی یہی فیصلہ مل گیا، اس سلسلہ میں حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کی چند روایات پیش کی جاتی ہیں:

مولانا رشید احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے مدرسہ دیوبند میں معقولات میں سے

صدرا، شمس بازغہ اور امورِ عامہ کی تعلیم کو بند کر دیا تو ایک مولوی صاحب نے جو معقولی تھے اور فلاسفہ کے عقائد کا رد بھی کرتے تھے اور مولانا گنگوہی کے معتقد بھی تھے، کہا کہ مولانا نے میرا معقول پڑھانا نہیں سنا، اگر سنتے تو منع نہ فرماتے۔ مولانا گنگوہی کو یہ بات پہنچی تو فرمایا اس کی مثال تو ایسی ہے جیسی کہ ایک ڈوم ہندوستان کا عرب میں گیا، وہاں بدوؤں کا گانا سنا تو کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسوں کا گانا سنا تو حرام فرمایا، اگر میرا گانا سنتے تو منع نہ فرماتے (الکلام الحسن ملفوظ ۱۰۱)

۲۔۔۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے مدارسِ عربیہ میں یونانی فلسفہ کے خلاف تھی، اور غالباً کسی وقت اس کے درس کو دار العلوم کے نصاب سے خارج کرنے کا مشورہ بھی دیا تھا (مجالس حکیم الامۃ صـ۱۳)

اس کے بعد اس کا ذکر ہے کہ حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ نے اس کی تصدیق فرمائی کہ واقعۃً حضرت گنگوہی قدس سرہ کی یہی رائے تھی۔

۳۔۔۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مدرسہ دیوبند کے نصاب سے فلسفہ کی بعض کتابوں کو خارج کر دیا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ان کتابوں کو حرام کر دیا۔
(الافاضات الیومیہ صـ۶۸ ج ۱۰)

۴۔۔۔ ایک معتمد علیہ عالم فرماتے ہیں کہ انہوں نے کسی کتاب میں حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ سے منقول دیکھا ہے کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ نے منطق و فلسفہ پڑھانے پر تنخواہ لینے دینے کو حرام قرار دیا ہے، مگر اب سرسری تلاش سے حوالہ نہیں ملا، اس حوالہ کی ضرورت بھی نہیں، اس لئے کہ حرمتِ عمل حرمتِ اجرت کو مستلزم ہے۔

بالوں کی وضع قطع:

(۲۹) عموماً محدثین و فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ سر کے بالوں کی ممنوعہ صورتوں کی علت ”تشبہ بالکفار“ بیان فرماتے ہیں۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بالوں کی بعض ایسی صورتوں سے بھی حدیث میں ممانعت آئی ہے جن میں ”تشبہ بالکفار“ نہیں پایا جاتا۔

ہمارے حضرتِ اقدس دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

> ”ممانعت کی اصل علت ”تشویہ و تغییر خلق اللہ“ ہے، پھر اس کے ساتھ اگر ”تشبہ بالکفار“ بھی پایا جائے تو حرمت کی دو علتیں ہو جائیں گی۔“

بعد میں یہ تعلیل ”فتح الباری“ میں بھی مل گئی۔

انقلابِ طبع و نظر:

(۳۰) حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ نے چودہ سال تدریس کے بعد جامع العلوم کانپور سے یہ سلسلہ منقطع فرما کر اپنے شیخ کی ”خانقاہِ امدادیہ“ تھانہ بھون میں ارشاد، افتاء و تصنیف کا مشغلہ اختیار فرما لیا تھا۔

ہمارے حضرتِ اقدس دامت برکاتہم میں بھی منجانب اللہ یہی انقلاب آیا، آپ نے بیس سال تدریس کے بعد جامعہ دار العلوم کراچی سے یہ سلسلہ منقطع فرما کر اپنے شیخ کی ”خانقاہِ اشرفیہ“ ناظم آباد میں ”دار الافتاء والارشاد“ کی بنیاد رکھی اور اس میں ارشاد، افتاء و تصنیف کا سلسلہ شروع فرمایا، پھر کچھ مدت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کو ”دار الجہاد“ بھی بنا دیا۔

حضرتِ اقدس دامت برکاتہم کا یہ انقلابِ طبع و نظر حضرت حکیم الامۃ قدس

سرہ کے اتباع میں نہیں ہوا، بلکہ موافقتِ اکابر کی یہ سعادت منجانب اللہ مقدر تھی آپ کی طبع ونظر میں انقلابِ مذکور کے ظہور کے وقت حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کا یہ حال آپ کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھا۔

محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم سے موافقت:

(۳۱) حضرتِ اقدس دامت برکاتہم متعلقین کی اصلاح بسا اوقات بصورتِ مزاح فرماتے ہیں، اس سلسلہ میں بغرضِ تنبیہ بعض حضرات کو بہت پُر لطف القاب سے بھی نوازتے ہیں۔

اس سے معتوب کو تنبیہ کے ساتھ اس کی دلجوئی بھی مقصود ہوتی ہے، کیسا مؤثر اور کتنا پیارا طریقِ اصلاح ہے کہ عتاب بھی فرماتے ہیں تو دل لگی کی صورت میں، نشتر کے ساتھ مرہم بھی۔

بعد میں معلوم ہوا کہ محسنِ اعظم رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم بھی مزاح اور فکاہات ولطائف کے ذریعہ اصلاح فرماتے تھے اور بغرضِ اصلاح مزاحیہ انداز میں مختلف القاب سے بھی نوازتے تھے۔

حضرتِ اقدس دامت برکاتہم نے مجلسِ خاص میں ارشاد فرمایا:

> ”جب میں نے ”مزاح کے فوائد“ کے تحت محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے فکاہات ولطائف اور مزاح وخوش طبعی کے واقعات بیان کئے تو اس کے بعد اچانک مجھے خیال آیا کہ بحمد اللہ تعالیٰ وتوفیقہ میرا اسلوبِ اصلاح بھی محسنِ اعظم رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقِ اصلاح اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہے۔
>
> جب مجھے اس غیر شعوری توافق بحبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اور غیر ارادی اتباعِ سُنّت کا علم ہوا تو ربِّ کریم کی اس ربوبیتِ خاصہ اور اس کے اس کرمِ عظیم پر میری مسرّت کی کوئی انتہا نہ رہی، اتنی مسرّت اتنی مسرّت کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ فللّٰہ الحمد ولا حول ولا قوۃ الا بہ۔

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے قبول فرمائیں اور شکرِ نعمت کی دولت سے نوازیں۔

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰہُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝

محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض صفاتِ جسمانیہ میں توافق:

(۳۲) محسنِ اعظم صلّی اللہ علیہ وسلم سے بعض صفاتِ جسمانیہ میں حضرتِ والا کے توافق کی تفصیل اسی جلد میں عنوان "حسنِ ظاہر و قوتِ جسمانیہ" کے تحت ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَنْ كَانَتِ الْآخِرَةُ هَمَّهُ جَعَلَ اللّٰهُ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ
وَجَمَعَ لَهُ شَمْلَهُ وَأَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ. (ترمذی)

قوتِ فکر و عمل وہ سطوتِ زورِ کلام
ہے ثریا بھی ترے فرسان کے زیرِ کمند
چار سُو آفاق میں ہے تیرے علم و فن کی دھاک
تیرے فرزندوں کے آگے بحر قطرہ کُہ سپند
(حضرتِ اقدس)

فنونِ دنیویہ میں بھی ماہرین پر فوقیت

اس نہایت دلچسپ وحیرت انگیز مضمون میں:

- ○ حضرتِ والا کے ہاتھوں مشہور ملحد مسٹر مشرقی کی یورپی درجنوں ڈگریوں کے پرخچے۔
- ○ حساب، ریاضی، اقلیدس اور فلکیات کے میدان میں بڑے بڑے ریاضی دانوں، انجینئروں اور ماہرینِ فلکیات کو شکستِ فاش۔
- ○ فنونِ دنیویہ میں پُوری دنیا کے مستند ماہرین کی شہادتیں، مباحثہ و مکاتبہ میں اپنی غلطیوں کا واضح اعتراف، تصحیح اغلاط اور درست راہنمائی پر سرکاری محکموں کی طرف سے تشکر کے خطوط، نایاب و نادر طبی نسخے اور دیگر کئی مختلف مفید و نافع و محقق معلومات۔

فنونِ دنیویہ میں بھی ماہرین پر فوقیت

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
ہندوستان کے ایک مشہور عالم کا تبصرہ	۱۷۹	عید کے دن شمسی تاریخ کیا ہوگی؟	۱۹۰
دہلی کا قبرستان	۱۷۹	وزارتِ صنعت کی طرف سے	۱۹۰
فلکیات اور مثلث کروی	۱۸۰	اپنی غلطی کا تحریری اعتراف	
ریاضی اور حساب	۱۸۰	خداداد ذہانت، فنی مہارت،	۱۹۰
پی ایچ ڈی کا امتحان	۱۸۰	دماغی صلاحیت اور قلمی محنت	
سترہ اونٹوں کی تقسیم	۱۸۱	کا بے مثال اعجوبہ	
مسٹر مشرقی کی ڈگریوں کے پرخچے	۱۸۲	شمسی وقمری دائمی تقاویم	۱۹۲
فلکیات کے ماہر فوجی افسر سے مکالمہ	۱۸۲	ویسٹ انڈیز چوکھٹ پر	۱۹۲
پی آئی اے کے چیف نیوی گیٹر	۱۸۳	حضرتِ والا اور ماہر مکینک	۱۹۳
شہد کی مکھی اور فنِ پرواز	۱۸۴	حضرتِ والا اور طب	۱۹۴
پرواز کے دوران تخریج وقتِ افطار	۱۸۵	متعفن زخم کا علاج	۱۹۴
ضُعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ	۱۸۶	خارش کا علاج	۱۹۵
تخریج سمتِ قبلہ بذریعہ سایہ	۱۸۶	داد کا علاج	۱۹۵
ملک بشیر احمد صاحب بگوی	۱۸۷	یرقان کا علاج	۱۹۵
پروفیسر ڈاکٹر کمال ابدالی صاحب	۱۸۸	چنبل کا علاج	۱۹۶
بحری جہاز کے کپتان ـــ ارتفاعِ شمس	۱۸۹	معدہ کے ایک خطرناک مرض کا علاج	۱۹۷
پی آئی اے کے چیف نیوی گیٹر کا	۱۸۹	علاج میں غلو کی اصلاح	۱۹۷
حیرت میں ڈوبا استفسار		فنِ تعمیر میں مہارت کی شہادت	۱۹۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مَنْ كَانَتِ الْاٰخِرَةُ هَمَّهُ جَعَلَ اللّٰهُ غِنَاهُ فِىْ قَلْبِهِ
وَجَمَعَ لَهُ شَمْلَهُ وَاَتَتْهُ الدُّنْيَا
وَهِىَ رَاغِمَةٌ

جس کا مقصد ہی آخرت ہو اللہ تعالیٰ اُس کے دِل میں غنا، عطا، فرماتے ہیں اس کے تمام
اَحوال مجتمع رکھتے ہیں اور دُنیا اُس کے پاس ناک رگڑتی آتی ہے —— ترمذی

فنونِ دنیویہ میں بھی مہارت و فوقیت

حضرت اقدس کا علوم اسلامیہ میں اعلیٰ مقام آپ کے معاصرین بلکہ آپ کے اساتذہ واکابرین بھی مُسلّم ہے، علوم ومعارف کے اس بحرِ ذخار کی وُسعت تک کسی کی رسائی مشکل ہے، اور اس کی گہرائی تک غوطہ زنی اس سے بھی زیادہ مشکل۔ آپ بہت طویل مضمون کو بتمامہ چند جملوں میں بحسن وخوبی اس طرح سمیٹ دیتے ہیں کہ مقصود کا کوئی ادنیٰ سا جز بھی چھوٹنے نہیں پاتا۔

ہندوستان کے ایک مشہور عالم کا تبصرہ:

ایک بار آپ کا ایک ٹھوس علمی مضمون ہندوستان کے ایک مشہور عالم نے دیکھ کر آپ کو خط لکھا:

”اگر میں اس کی شرح لکھنے بیٹھوں تو کئی جلدوں میں مکمّل ہو۔“

دہلی کا قبرستان:

دقّتِ نظر وتعمقِ علم کا یہ عالم کہ آپ کے مضامین کی باریکیوں تک پہنچنے سے اکثر بڑے بڑے علماء بھی عاجز ہیں۔ آپ کے استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ایک تحریر دیکھ کر فرمایا:

”یہ تو دہلی کے قبرستان میں پڑھنے کے قابل ہے۔“

یعنی اتنی دقیق وعمیق ہے کہ اسے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے اکابر علماء جو دہلی کے قبرستان میں مدفون ہیں وہی سمجھ سکتے ہیں۔

مقامِ حیرت یہ کہ آپ نے فنونِ دنیویہ میں بھی جس فن کی طرف ادنیٰ سی توجہ فرمائی اس میں اس کے ماہرین سے بھی سبقت لے گئے ۔

فلکیات اور مُثلّث کروی :

فلکیات اور مثلث کروی کے حسابات میں آپ کی مہارت اور اکثر اہلِ فن پر فوقیت کا اندازہ آپ کی تصانیف ”صبحِ صادق“، ”ارشاد العابد الیٰ تخریج الاوقات وتوجیہ المساجد“ اور ”المشرقی علی المشرق“ سے کیا جاسکتا ہے ۔

ریاضی اور حساب :

ریاضی اور حساب میں آپ کے کمال کی آئینہ دار آپ کی کتابیں ”بسط الباع لتحقیق الصاع“ اور ”القول الاظہر فی تحقیق مسافۃ السفر“ ہیں۔ حالانکہ آپ نے اسکول میں صرف پرائمری تک پڑھا ہے ۔

مذکورہ بالا سب کتابیں ”احسن الفتاویٰ“ میں داخل ہیں۔

فلکیات اور ریاضی وحساب میں ماہرین پر فوقیت کی صرف چند مثالیں تحریر کی جاتی ہے ؛

پی ایچ ڈی کا امتحان :

حضرتِ والا ایک بار بالکل نوعمری میں لاہور تشریف لے جا رہے تھے ، ریل گاڑی میں لاہور کے ایک کالج میں حساب کے پروفیسر ملے ۔

حضرتِ اقدس دامت برکاتہم کا معمول تھا کہ دنیوی فنون میں کسی فن کے ماہر سے ملاقات ہوتی تو آپ اس سے اس فن کے بارہ میں ضرور کچھ گفتگو فرماتے، جس سے اس عام غلط فہمی کا ازالہ مقصود ہوتا تھا :

"مولوی کچھ نہیں جانتا۔"

حضرتِ والا کی فنی گفتگو سے مخاطبین کو یہ اعتراف کرنا پڑتا:

"آپ اس فن میں ہم سے بلکہ بڑے بڑے ماہرین سے بھی زیادہ ماہر ہیں۔"

اسی معمول کے مطابق حضرتِ والا نے حساب کے ان پروفیسر صاحب سے حساب کے بارہ میں کچھ سؤال وجواب کئے، وہ حیرت سے منہ تکنے لگے جن سؤالات کے بارہ میں ان کا کہنا تھا کہ یہ لکھے بغیر حل نہیں ہو سکتے وہ حضرتِ والا نے زبانی ہی چند لمحوں میں حل کر دیئے۔ پھر حضرتِ والا نے انہیں علم المساحۃ کے کچھ اعجوبے بتلائے، اب تو وہ لٹو ہی ہو گئے، کہنے لگے:

"میری درخواست ہے کہ آپ لاہور میں میرے غریب خانہ پر قیام فرمائیں میں آپ سے یہ طریقے سیکھ کر پی، ایچ، ڈی، کا امتحان دینا چاہتا ہوں۔"

حضرتِ والا نے ارشاد فرمایا:

"آپ کی یہ درخواست قبول کرنے میں دو موانع ہیں:

ایک یہ کہ اصول کے مطابق طالب کو خود چل کر مطلوب کے پاس جانا چاہئے نہ یہ کہ وہ مطلوب کو اپنے پاس بلائے۔

دوسرا مانع یہ ہے کہ مجھے اتنی فرصت ہی کہاں؟"

اس مکالمہ سے یہ حقیقت ان کے ذہن نشین ہو گئی:

"یہ مولوی فنونِ دنیا میں بڑے بڑے مشہور ماہرین سے بھی زیادہ ماہر ہونے کے علاوہ اصول کا پابند اور غیور بھی ہے۔"

سترہ اونٹوں کی تقسیم:

اسی زمانہ میں حضرتِ والا نے ہائی اسکول میں حساب کے ایک مشہور استاذ سے

تین شخصوں میں مشترک سترہ اونٹوں کے بارہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشہور فیصلہ کا حسابی ضابِطہ دریافت فرمایا، یہ ماہرِ حساب اسے حل نہ کرسکے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فیصلہ تو بہت سے لوگوں کو معلوم ہوگا مگر اس کا حسابی ضابِطہ جو ہمارے حضرتِ والا بیان فرماتے ہیں اس کا علم شاذ و نادر ہی کسی کو ہوگا۔

مزید بریں سترہ اُونٹوں میں حصص $\frac{1}{2}$ ، $\frac{1}{3}$ ، $\frac{1}{9}$ کے اجتماع کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی، حضرتِ والا نے یہ عقدہ جس طرح حل فرمایا اس تک تو شاید ہی کسی کی رسائی ہو۔

مسٹر مشرقی کی ڈگریوں کے پرخچے:

آپ نے رسالہ ”المشرقی علی المشرقی“ میں مسٹر عنایت اللہ مشرقی کی یورپ سے حاصل کردہ درجنوں ڈگریوں کے پرخچے اڑا دیئے ہیں اور پندارِ ہمہ دانی کو خاک میں ملا دیا ہے۔

فلکیات کے ماہر فوجی افسر سے مکالمہ:

ایک بار اسلام آباد سے ایک فوجی افسر نے فون پر حضرتِ والا سے فلکیات سے متعلق چند سوالات کئے۔ حضرت والا کے جوابات سُن کر وہ حیرت سے کہنے لگے:

> ”میں نے فلکیات میں آپ کی شہرت سُنی تھی، اب آپ کے جوابات سُن کر مجھے بڑا تعجب ہوا کہ عُلماءِ دین میں فلکیات کے ایسے ماہر موجود ہیں۔“

حضرت والا نے جواب دیا:

> ”مجھے اس سے بھی بڑھ کر آپ پر تعجب ہوا کہ مسٹروں میں کوئی تو

فلکیات میں ماہر نظر آیا، آپ کے سوالات سے معلوم ہوا کہ آپ اس فن میں ماہر ہیں۔"

پھر انہوں نے بنذرِ عقیدت حضرتِ والا کی خدمت میں حاضری دی۔

پی آئی اے کے چیف نیوی گیٹر :

اسٹیٹ بنک کراچی میں مسجد کی بنیاد رکھتے وقت انھوں نے سمتِ قبلہ کی تعیین کے لئے مختلف اداروں کی طرف رجوع کیا۔ سب نے حضرت والا ہی کی طرف رجوع کا مشورہ دیا۔

حضرت والا نے ۴،۲° مائل بجنوب بتایا۔ انہوں نے کہا :

"عام انجینیر ۵،۲° مائل بجنوب بتاتے ہیں۔"

حضرت والا نے فرمایا :

"آپ کسی ماہرِ فن انجینیر کو مجھ سے ملائیں۔"

حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی نے انھیں یہ مشورہ دیا :

"چونکہ پی آئی اے کی پروازیں بذریعہ قطب نما زاویہ قائم کر کے اس کی مدد سے جدہ پہنچتی ہیں اس لئے ان سے زیادہ معلومات کسی کو نہیں ہو سکتیں۔ لہٰذا حضرت والا سے بات کرنے کے لئے پی آئی اے کا کوئی ذمہ دار افسر منتخب کیا جائے۔"

چنانچہ اسٹیٹ بنک کی طرف سے پی آئی اے کے چیف نیوی گیٹر کو منتخب کیا گیا۔ حضرت والا حسبِ معمول نماز عصر کے بعد مسجد میں تشریف فرما تھے۔ چیف نیوی گیٹر صاحب ہاتھ میں ہوائی راستوں کے نقشے لئے مسجد میں داخل ہوئے، اور دُور ہی سے چلا کر بولے :

"مولانا! آپ مسجد میں بیٹھ کر ۴،۲° بتاتے ہیں اور ہم ۵، ۷ پر اُڑتے ہیں اور جدہ پہنچتے ہیں۔"

حضرت والا نے اس سے بھی زیادہ قوت کے ساتھ جواب دیا:

"میں ہرگز یہ تسلیم نہیں کرسکتا کہ آپ اُڑیں چین کی طرف اور پہنچیں مکہ آپ کو اپنے نقشے دیکھنے میں کوئی مغالطہ ہورہا ہے، آپ نقشے میرے پاس چھوڑ جائیں، میں بوقتِ فرصت اُن پر غور کروں گا، کل تشریف لائیں تو بتاؤں گا کہ آپ کو کس وجہ سے غلط فہمی ہورہی ہے۔"

وہ دُوسرے روز آتے ہی فوراً بولے:

"میں نے پی آئی اے کے دوسرے ماہرین کو بھی ساتھ لے کر غور کیا تو سب نے بالاتفاق یہ فیصلہ کیا کہ آپ کا فرمان صحیح ہے، ہم ہی غلطی پر تھے۔"

پھر انہوں نے اپنی غلط فہمی کی وجہ بھی خود ہی بیان کی، وہ یہ کہ مکہ مکرمہ کا انحراف درحقیقت ۴،۲° ہی ہے، مگر اصولِ پرواز کے مطابق وہاں پہنچنے کے لئے زاویہ ۵، ۷ پر پرواز شروع کی جاتی ہے۔

شہد کی مکھی اور فنِ پرواز:

حضرت اقدس نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھئے کہ شہد کی مکھی سیکڑوں میلوں سے بدوں قطب نما کے سیدھی پرواز کرجاتی ہے۔

فَاسْلُكِىْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا (۱۶ – ۶۹)

"پھر اپنے رب کے رستوں میں چل جو آسان ہیں۔"

مگر اس دورِ ترقی میں قمر و مریخ پر کمندیں پھینکنے والا اور پروٹان کے کوارکس نکالنے والا انسان قطب نما یا کسی دوسرے جدید آلہ کی مدد سے بھی سیدھا نہیں چل سکتا۔“

اس کی تفصیل حضرت کی کتاب ”القول المتین فی شرح اُطلبوا العلم ولو بالصین“ مندرج ”احسن الفتاوی“ جلد ۱، عنوان ”فنِ پرواز“ کے تحت ہے۔

پرواز کے دوران تخریج وقتِ افطار:

ایک بار حضرت والا رمضان المبارک میں بذریعۂ طیارہ کوئٹہ سے کراچی تشریف لا رہے تھے۔ آپ کے ساتھ بڑے صاحبزادے مولوی محمد بھی تھے، آپ نے ان سے فرمایا:

”راستہ میں اتنے بج کر اتنے منٹ پر افطار کا وقت ہوگا۔“

قریب بیٹھے ہوئے ایک صاحب یہ سن کر بہت تعجب سے کہنے لگے:

”اس کا تعلق تو فنِ پرواز سے ہے، اس لئے وہی بتا سکتے ہیں، آپ کو اس کا علم کیسے ہو سکتا ہے؟“

حضرت اقدس نے فرمایا:

”میں نے بالکل صحیح وقت بتایا ہے، اگر پرواز کے عملہ نے ٹھیک اس وقت پر افطار کا اعلان کیا تو بہتر، اور اگر کچھ آگے پیچھے کیا تو بھی مجھے اس حقیقت میں ذرہ بھر بھی تردد نہیں ہوگا کہ میرا حساب صحیح ہے اور ان کا حساب غلط ہے، ایسی صورت پیش آئی تو میں ان سے بات کرکے ان سے ان کی غلطی کا اعتراف کراؤں گا۔“

بعد میں پرواز کے عملہ کی طرف سے افطار کا اعلان ٹھیک اسی وقت پر ہوا جو حضرت والا نے بتایا تھا۔

ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ:

ایک صاحب پہلے محکمۂ تعلیم کے ڈپٹی ڈائرکٹر تھے، بعد میں انہوں نے اپنی سہولت اور بعض مصالح کے پیش نظر یہ عہدہ چھوڑ کر ایک گورنمنٹ کالج میں پروفیسر کا منصب قبول کرلیا۔

انہوں نے فلکیات پر حضرت والا کی کتاب "ارشاد العابد الی تخریج الاوقات وتوجیہ المساجد" کے بارہ میں حضرت والا کی خدمت میں خط لکھا:

> "میں نے آپ کی کتاب 'ارشاد العابد' سمجھنے کی کوشش کی، کچھ پلے نہ پڑا تو پرنسپل صاحب کے پاس لے گیا، مگر
> ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ"
> "طالب اور مطلوب دونوں عاجز رہ گئے۔"

تخریج سمت قبلہ بذریعہ سایہ:

حضرت والا نے "ارشاد العابد الی تخریج الاوقات وتوجیہ المساجد" میں سایہ کے ذریعہ سمتِ قبلہ معلوم کرنے کا قاعدہ تحریر فرمایا ہے، جس کے ذریعہ جس تاریخ میں بھی چاہیں، بوقت صبح، دوپہر، شام، دن میں تین بار اوقاتِ متعینہ میں سمتِ قبلہ بہت سہولت سے معلوم کرسکتے ہیں۔

پھر عوام کی سہولت کے پیشِ نظر پاکستان کے ہر بڑے شہر کے لئے ان اوقات کی تخریج بھی کردی جن میں ہر چیز کا سایہ سمتِ قبلہ کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس طرح سب بڑے شہروں کا نقشہ مرتب فرمادیا۔

پی آئی اے، کے چیف نیوی گیٹر نے اس نقشہ کو گراف کی صورت میں لکھ

کر حضرت والا کی خدمت میں پیش کیا، صبح، دوپہر، شام ہر ایک کا الگ گراف بنایا۔ حضرت والا نے تینوں اوقات کو ایک ہی گراف میں اس طرح منسلک فرما دیا کہ پیمائش صرف ایک تہائی رہ گئی، وسعت بعینہ وہی اور زینت کئی گنا زیادہ۔ چیف نیوی گیٹر حیران رہ گئے۔

ملک بشیر احمد صاحب بگوی:

انجینئر ملک بشیر احمد بگوی، چیف سٹرکچرل انجینئر، انجینئران چیف برانچ جی ایچ کیو راولپنڈی نے جب فلکیات سے متعلق حضرتِ والا کی تحریرات پڑھیں، پھر حاضرِ خدمت ہو کر دوسرے استفادات کے ساتھ فلکیات سے متعلق بھی بہت گراں قدر باتیں سنیں تو بے ساختہ بہت حیرت سے کہنے لگے:

> ”علماءِ دین میں حضرتِ والا جیسا ماہرِ فلکیات دیکھ کر بہت تعجب ہو رہا ہے، کوئی عالمِ دین فلکیات میں ایسا ماہر کہیں دیکھا نہ سُنا۔“

پھر انہوں نے حضرتِ والا سے تخریجِ سمتِ قبلہ کا قاعدہ سیکھا جس کا ذکر حضرتِ والا کے نام مندرجۂ ذیل خط میں اس طرح کیا ہے:

> ”احقر کو وہ دن یاد ہے جب کہ آج سے اکیس سال پہلے آپ سے تعیینِ سمتِ قبلہ کا پہلا سبق لیا تھا، اس وقت احقر یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بات یہاں تک بڑھے گی اور اس پر کتابیں بھی لکھی جائیں گی، اب آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ بفضلہ تعالیٰ سمتِ قبلہ، اوقاتِ نماز اور رؤیتِ ہلال پر مبنی ایک جامع کیلنڈر تیار ہو گیا ہے۔
>
> اس کے پانچ نسخے ارسالِ خدمت ہیں۔
>
> یہ کمال شاگرد کا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور آپ جیسے

کامل استاذ کا ہے، اللہ تعالیٰ سے دُعاء فرمائیں کہ اپنے ہاں قبول فرمائیں اور امتِ مسلمہ کے لئے نافع بنائیں۔"

پروفیسر ڈاکٹر کمال ابدالی صاحب:

امریکہ کے ایک سائنسی ادارہ میتھمیٹیکل سائنسز ڈیپارٹمنٹ رینسلیر پولی ٹیکنک انسٹیٹیوٹ ٹرائے، نیویارک ۱۲۱۸۱ یو، ایس، اے' سے پروفیسر ڈاکٹر کمال ابدالی نے حضرت والا کے نام ایک مکتوب میں لکھا:

> "میں نے آپ کی کتابیں "صبحِ صادق" اور "ارشاد العابد" بھی خریدیں، یہ میرے لئے بیحد معلومات افزا ثابت ہوئیں، اور ان کے ملنے سے مجھے اتنی خوشی ہوئی جس کا بیان مبالغہ آمیز سمجھا جائے گا۔"

پھر انہوں نے تخریجِ اوقات کے کچھ قواعد لکھ کر حضرتِ والا سے ان کی تصویب کی درخواست باین الفاظ کی ہے:

> "اگر پروگرام کے نتائج یا زیرِ استعمال حسابی ضابطوں میں آپ کو کوئی عیب نظر آئے یا اس کی بہتری کی کوئی بات آپکے ذہن میں آجائے تو ضرور مطلع فرمائیں۔"

مندرجِ بالا پورا خط "احسن الفتاوی" جلد۲ ص ۱۱۵ تا ص ۱۲۲ میں درج ہے۔

اس کے بعد انہوں نے تخریجِ اوقات و سمتِ قبلہ کے موضوع پر انگریزی میں کتاب لکھی جس کے آخر میں "ارشاد العابد" سے تخریجِ سمتِ قبلہ کے قواعد نقل کئے ہیں۔ نیز کتاب کے آخری صفحہ پر فلکیات میں مہارت حاصل کرنے کے لئے چند کتب کا حوالہ دیا ہے جن میں سرِ فہرست "ارشاد العابد" ہے۔

بحری جہاز کے کپتان ـــــ ارتفاعِ شمس :

ایک بار حضرت والا نے بحری جہاز کے کپتان سے دریافت فرمایا :

”آج بوقت مثلین ارتفاعِ شمس کتنے درجے ہوگا ؟“

انہوں نے کہا :

”میں تو عین وقت پر آلات سے دیکھ کر بتا سکتا ہوں۔“

حضرت والا نے فرمایا :

”میں بذریعہ حساب ابھی بتا دیتا ہوں۔“

کپتان صاحب نے وقت پر آلات سے دیکھا تو حضرت والا کے بتائے ہوئے درجات کے عین مطابق پایا۔

پی آئی اے کے چیف نیوی گیٹر کا حیرت میں ڈوبا استفسار :

ایک بار پی آئی اے کے چیف نیوی گیٹر نے حضرت والا سے دریافت کیا :

”آپ ستاروں کا ارتفاع کیسے معلوم کرتے ہیں ؟“

حضرت والا نے کئی طریقے ایسے بتلائے جن میں کسی قسم کے آلہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور ایک طریقہ ایسا بیان فرمایا کہ اس میں صرف ایک ربعِ دائرہ کی ضرورت ہے، جو گتے وغیرہ پر بآسانی بنایا جا سکتا ہے، اور اس کی بجائے ”ڈبی“ سے بھی کام لیا جا سکتا ہے۔

یہ سن کر چیف نیوی گیٹر صاحب بہت حیران ہوئے اور کہنے لگے :

”ہمارے ہاں تو اس مقصد کے لئے بہت گراں قیمت آلات استعمال کرنے پڑتے ہیں۔“

عید کے دن شمسی تاریخ کیا ہوگی؟

ایک بار چیف نیوی گیٹر صاحب نے کسی انگریزی کتاب سے یہ معلوم کرنے کا خیال ظاہر کیا کہ عید کے دن شمسی تاریخ کیا ہوگی؟

حضرت والا نے فرمایا:

> ”میں ابھی بدونِ کتاب ہی صرف حساب کے ذریعہ بتا دیتا ہوں، مگر شرعاً اس کا اعتبار نہیں۔“

بعد میں چیف نیوی گیٹر صاحب نے کتاب میں دیکھا تو حضرت والا کے حساب کے مطابق پایا۔

وزارتِ صنعت کی طرف سے اپنی غلطی کا تحریری اعتراف:

وزارتِ صنعت حکومتِ پاکستان نے اعشاری اوزان سے متعلق پمفلٹ شائع کئے۔ حضرت والا نے رسالہ ”بسط الباع لتحقیق الصاع“ کی تصنیف کے وقت مذکور پمفلٹ پر سرسری نظر ڈالی تو اس میں حسابی غلطی نکلی۔ آپ نے اس سے متعلق وزارتِ صنعت کو لکھا تو متعلقہ محکمہ نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور غلطی کی اصلاح پر حضرت والا کا ازحد شکریہ ادا کیا۔

وزارتِ صنعت کی طرف سے یہ خط ”احسن الفتاوی“ ج ۴ ص ۳۸۲ میں درج ہے۔

خداداد ذہانت، فنی مہارت، دماغی صلاحیت اور قلمی محنت کا بے مثال اعجوبہ:

گر یںج میں ہر عرض البلد سے متعلق آفتاب کے طلوع وغروب، سول

ٹوائیلائٹ = ۹ زیرِ افق، ناٹیکل ٹوائیلائٹ = ۱۲ زیرِ افق اور اسٹرونومیکل ٹوائیلائٹ = ۱۸ زیرِ افق کے اوقات مرتب کئے جاتے ہیں، جو ہر سال ناٹیکل المینک، ایر المینک اور اسٹرونومیکل افیمیریز وغیرہ مختلف کتابوں میں شائع ہوتے ہیں۔

عرض البلد شمالی وجنوبی دونوں میں سے ہر ایک کے الگ اوقات نکالے جاتے ہیں اور ہر ایک کے لئے الگ مستقل خانہ بنایا جاتا ہے۔

اسی طرح نقطۂ اعتدال سے انقلابِ صیفی وشتوی تک کے اوقات کی تخریج الگ اور نقطۂ انقلاب سے نقطۂ اعتدال تک واپسی کے اوقات کی تخریج الگ کی جاتی ہے اور ہر ایک کو علیحدہ خانہ میں درج کیا جاتا ہے۔

ہمارے حضرت اقدس دامت برکاتہم نے ساٹھ عرض البلد شمالی وجنوبی تک اوقاتِ نماز کی بتفصیلِ ذیل تخریج فرمائی ہے:

”صبحِ صادق، طلوعِ آفتاب، نصف النہار، عصر مثلِ اوّل،
عصر مثلِ ثانی، غروبِ آفتاب، غروبِ شفقِ احمر، غروبِ شفقِ ابیض۔“

آپ نے ان اوقات کی تخریج میں کمپیوٹر یا کلکولیٹر سے مدد نہیں لی، بلکہ اس قدر مشکل اور اتنا طویل کام خداداد ذہانت، فنی مہارت، دماغی صلاحیت اور قلمی محنت سے انجام دیا ہے۔

اس سے بھی بڑھ کر اعجوبہ جس کی نظیر پوری دنیا میں نہیں مل سکتی یہ کہ آپ نے عرض البلد شمالی وجنوبی دونوں کے اوقات اور میلِ شمس کے ہر دو درجاتِ متماثلہ کے اوقات، مجموعہ چار اوقات کا مخرج متحد کر دیا ہے، گرین وچ کی تخریج اور نقشہ کے چار اوقات کو بمصداق،

”ایک تیر سے چار شکار“

ایک چوتھائی میں بحسن وخوبی سمو دیا ہے۔

یہ نقشہ رسالہ ”صبحِ صادق“ مندرجہ ”احسن الفتاوی“ جلد ثانی میں ہے۔

شمسی و قمری دائمی تقاویم:

ایک شخص نے حضرتِ والا کے رسالہ "ارشاد العابد" مندرجہ "احسن الفتاوی" جلد ثانی میں مندرجہ قواعد کے مطابق شمسی و قمری دائمی تقاویم تیار کر کے بغرضِ اصلاح آپ کی خدمت میں پیش کیں، آپ نے اصلاح و ترمیم کے بعد ان کو اسٹیل کی گول پلیٹوں پر کندہ کروالیا ہے۔

ان تقاویم میں یہ خصوصیات ہیں:

① بہت خوبصورت دائروں کی شکل میں ہیں۔

② چھوٹے دائرہ کے مرکز کو بڑے دائرہ کے مرکز سے اس طرح منسلک کیا گیا ہے کہ اسے حسبِ منشأ دائیں بائیں جدھر چاہیں بسہولت گھما کر کام لیا جاسکتا ہے۔

③ شمسی تقویم کے ذریعہ حضرت عیسی علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر قیامت تک ہر تاریخ کا دن اور قمری تقویم کے ذریعہ حضور اکرم محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے لے کر قیامت تک ہر تاریخ کا دِن بہت آسانی سے فوراً نکالا جاسکتا ہے۔

④ اس عجیب و غریب ایجاد کی پوری دنیا میں کہیں کوئی مثال نہیں ملتی۔

بعض ملکی و غیر ملکی باشندوں نے حضرتِ والا سے ان تقاویم کی نقول لی ہیں، ممکن ہے کبھی کوئی شاطر "ایجادِ بندہ" کا دعوی کردے۔

ویسٹ انڈیز چوکھٹ پر:

ویسٹ انڈیز سے ایک ماہرِ فلکیات "دار الافتاء والارشاد" میں تشریف لائے

اور انہوں نے اپنے کوائف و مقصدِ سفر کی تفصیل بتائی جس کا خلاصہ درجِ ذیل ہے؛

ایسے ذہین اور اتنی بلند استعداد کہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت میں تخصص فی الافتاء کے امتحان میں اوّل آئے اور اب ٹرینیڈاڈ، ویسٹ انڈیز کے جامعہ میں فلکیات کے پروفیسر ہیں۔ ان سے فلکیات کا ایک مسئلہ حل نہیں ہو رہا تھا اس سلسلہ میں انہوں نے ہندوستان میں اپنے ایک استاذ کی طرف رجوع کیا وہ بھی حل نہ کر سکے تو لندن میں ایک بہت بڑے علامہ سے پوچھا، انہوں نے فرمایا کہ یہ عُقدہ "احسن الفتاویٰ" سے حل ہو سکتا ہے۔ ان کو اس کتاب میں یہ بحث تو مل گئی مگر سمجھنے سے قاصر۔ پوری بحث تو کیا سمجھتے اس کی ایک اصطلاح سمجھنے میں ہی اٹک کر رہ گئے، بالآخر انہوں نے کراچی کا سفر کیا، یونیورسٹی میں فلکیات کے پروفیسر سے ملے وہ آدھے گھنٹے تک غور کرتے رہے مگر ان کے پلے بھی کچھ نہ پڑا، پھر چار مختلف مشہور جامعات میں حاضری دی مگر ہر جگہ سے خالی ہاتھ لوٹے، پھر کتبِ لغت کی طرف رجوع کیا وہاں سے بھی اس اصطلاحی لفظ کے حسبِ مقام کوئی معنی نہ ملے، اتنے پریشان ہوئے کہ نیند نہیں آ رہی تھی۔

دو ماہ تک جستجو میں پریشان، سرگردان اور بیخواب رہے۔
چودہ ہزار ڈالر خرچ کئے۔
مختلف ممالک کے ماہرینِ فن اور کتبِ لغت کو کھنگالا۔
جائے قیام سے کراچی تک بذریعہ طیارہ دو دن کی مسافتِ طویلہ طے کی۔
ہر طرف سے مایوس ہو کر بالآخر حضرت والا کی چوکھٹ پر حاضری دی تو مراد کو پا سکے۔

حضرت والا اور ماہر مکینک؛

حضرت اقدس کے والد صاحب نے جب اپنی زمین کے لئے ٹریکٹر خریدا تو کمپنی

نے خصوصی رعایت کے طور پر کچھ مدت کے لئے ایک ماہر مکینک بھی ساتھ بھیج دیا۔ ایک بار مکینک نے ٹریکٹر کا کوئی پُرزہ کھولا اور پُرزوں کی تفصیل اور ان کی مرمت سے متعلق کمپنی کی مطبُوع کتاب سامنے رکھ کر گھنٹوں محنت کرتا رہا، مگر اس سے وہ پُرزہ ٹھیک نہیں ہو رہا تھا۔

حضرت والا نے اس سے دریافت فرمایا کہ اس میں کیا نقص ہے؟ اُس نے بتایا تو حضرت والا نے فوراً اسی لمحہ میں اسے درست کر دیا، حالانکہ حضرت والا نے نہ کسی سے یہ فن سیکھا اور نہ ہی اس سے قبل کوئی ایسا سابقہ پڑا تھا۔

حضرت والا اور طب:

حضرت والا نے طبِ قدیم و جدید یونانی، ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی تینوں کا مطالعہ کیا ہے، ہر قسم کے انجکشن بھی لگا لیتے ہیں۔ انٹراوینس انجکشن لگانے میں بھی مہارت ہے، مگر آپ نے علاج کو کبھی پیشہ نہیں بنایا۔ مرض کی تشخیص کر کے دوا تجویز فرما دیتے ہیں، مریض بازار سے دوا لے لیتا ہے، بلکہ گھر میں دوا موجود ہو تو مفت دے دیتے ہیں۔ انجکشن لگانے کی بھی کوئی فیس نہیں لیتے۔ بہت سے لوگ انجکشن کی دوا بازار سے خرید کر آپ سے انجکشن لگواتے رہے۔

آپ کے ہاں سے مفت علاج اور آپ کے دستِ شفا کی اتنی شہرت ہو گئی کہ خدماتِ دینیہ میں خلل آنے لگا، اس لئے آپ نے یہ سلسلہ چھوڑ دیا۔

متعفن زخم کا علاج:

آپ کی زمینوں کے انتظام پر متعین منشی کے ہاتھ کی انگلی پر کوئی دانہ نکل آیا۔ ایک نیم حکیم نے ایسی تیز دوا لگا دی کہ پورا ہاتھ متورم ہو گیا، اور زخم بہت متعفن ہو گیا۔

آپ نے "ملک انجکشن" لگایا، بفضلہ تعالیٰ ایک ہی انجکشن سے اسی روز ورم تحلیل ہوگیا اور زخم مندمل ہوگیا۔

خارش کا علاج:

ایک بار اتفاقاً ایک مدرسہ میں جانا ہوا، وہاں سب طلبہ کو شدید خارش تھی۔ آپ نے سب کو "ملک انجکشن" لگایا۔ بفضلہ تعالیٰ سب کو کراماتی طور پر اسی روز افاقہ ہوگیا۔

آپ تندرست گائے کا دودھ اُبال کر "ملک انجکشن" خود تیار فرماتے تھے، اور فلٹر کی بجائے یہ تدبیر فرماتے کہ نیڈل کا سوراخ دودھ کی سطحِ اعلیٰ و اسفل کے درمیان رکھ کر دودھ سرنج میں کھینچ لیتے۔

داد کا علاج:

ایک سرکاری ملازم کے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں پر خطرناک قسم کا داد ہوگیا۔ سرکاری علاج سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ محکمہ نے متعدی مرض قرار دے کر دفتر میں آنے سے منع کردیا۔

حضرت والا نے ہومیوپیتھی سے "گریفائٹس" بلند طاقت کی واحد خوراک دی، بفضلہ تعالیٰ ایک ہی خوراک سے سب زخم خشک ہوگئے۔

یرقان کا علاج:

ایک بار ایک سرکاری ملازم کی بیوی کو بہت خطرناک قسم کے یرقان کی وجہ سے سرکاری ہسپتال میں لے جایا جارہا تھا، وہ حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے،

اپنی پریشانی بتا کر دُعاء کی درخواست کی۔

حضرت والا نے دُعائیہ کلمات کے بعد فرمایا:

”میں ہومیو پیتھی کی ایک دَوا بتاتا ہوں صرف تین روز تک تجربہ کرکے دیکھیں اگر فائدہ نہ ہو تو ہسپتال لے جائیں۔“

حضرت والا نے ہومیو پیتھی سے ”جیوننتھس“ مدر ٹنکچر تجویز فرمائی، اس سے بفضلہ تعالیٰ اسے بہت جلد حیرت انگیز فائدہ ہوا۔ اس کے بعد ان صاحب کا جو بچہ بھی بیمار ہوتا، اسے حضرت کی خدمت میں لانے لگے۔

حضرت والا نے فرمایا:

”بھائی! میں ڈاکٹر نہیں ہوں اور نہ ہی مجھے اتنی فرصت ہے۔“

وہ بولے، میری بیگم کہتی ہیں:

”مفتی صاحب اسپیشلسٹ ڈاکٹر ہیں۔“

چنبل کا علاج:

ایک خاتون کا پاؤں چنبل کے زخموں سے گل چکا تھا، کئی سال ہر قسم کے علاج کرواتے رہے مگر ؏

مرض بڑھتا گیا جُوں جُوں دَوا کی

حضرت والا نے ہومیو پیتھی سے ”آرسینک“ بلند طاقت کی واحد خوراک رات میں سوتے وقت دی۔ نمازِ فجر کے بعد سب لوگ قدرتِ الٰہیہ کا یہ کرشمہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ایک ہی خوراک سے راتوں رات سب زخم ایسے مندمل ہوئے کہ گویا کبھی کوئی زخم تھا ہی نہیں۔

معدہ کے ایک خطرناک مرض کا علاج:

ایک خاتون کو معدہ کی سخت تکلیف تھی۔ یونانی، ایلوپیتھی، ہومیوپیتھی، ہر قسم کے علاج مسلسل ایک سال تک جاری رہے۔ ان تینوں قسم کے علاج میں کئی کئی معالج بدلے، جب کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ نقاہت بڑھتی ہی گئی تو ایک بین الاقوامی شہرت یافتہ اسپیشلسٹ ڈاکٹر کی طرف رجوع کیا گیا، اور اس کا علاج بھی مسلسل ایک سال تک جاری رکھا۔ اس طرح مرض کے مجموعی علاج کی مدت دو سال ہوگئی۔ ایک سال مختلف معالجین کی نذر ہوا اور پھر مزید ایک سال بین الاقوامی اسپیشلسٹ صاحب کی نذر، مگر معدہ کی تکلیف میں ذرہ بھر بھی کمی نہ ہوئی۔

حضرت والا نے مریضہ کی صرف زبان کی ایک علامت دریافت فرما کر ہومیوپیتھی سے ''برائی اونیا'' بلند طاقت کی واحد خوراک دی، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس ایک ہی خوراک سے صحتِ کاملہ عطا فرمادی۔

یہ چند واقعات بطورِ مثال لکھ دیئے ہیں ورنہ ایسے لاتعداد تجربے ہیں، بالخصوص حضرت کے گھر میں بارہا ایسے واقعات پیش آئے کہ پیرانی صاحبہ یا بچوں کو اچانک کوئی شدید دورہ پڑا، حضرت نے اپنے کسی مخلص عقیدت مند ڈاکٹر کو ٹیلیفون کیا، اس نے فوراً بلا تاخیر ہسپتال میں داخل کرانے پر اصرار کیا، اور بہت سخت خطرہ کا اظہار کیا۔ حضرت نے ہسپتال لے جانے سے انکار فرمادیا، اور گھر میں موجود اَدویہ میں غور کر کے کوئی دوا دے دی، اللہ تعالیٰ نے اسی سے شفاء عطاء فرمادی۔

علاج میں غلو کی اصلاح:

لوگ علاج کے معاملہ میں بہت زیادہ غلو کرنے لگے ہیں، اللہ تعالیٰ سے نظر ہٹا

کر اسباب ہی کو کارساز سمجھنے لگے ہیں، اس لئے حضرت والا مجالس میں حضرت رومی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مندرجۂ ذیل اشعار بکثرت بیان فرماتے ہیں ؎

چون قضا آید طبیب ابلہ شود
وان دوا در نفع خود گمرہ شود
از قضا سرکنگبین صفرا فزود
روغنِ بادام خشکی می نمود
از ہلیلہ قبض شد اطلاق رفت
آب آتش را مدد شد ہمچو نفت
از سبب سازیش من سودائیم
وز خیالاتش چو سوفسطائیم
در سبب سازیش سرگردان شدم
در سبب سوزیش، ہم حیران شوم

"اللہ چاہے [illegible] کہ ابلہ کردے، دواء الٹا کام کرے، سرکہ صفراء بڑھائے، روغنِ بادام خشکی کرے، ہلیلہ قبض کرے، پانی آگ کو پٹرول کا کام کرے، ہیں اس کی سبب سازی اور سبب سوزی سے حیران و سرگردان ہوں"۔

فنِ تعمیر میں مہارت کی شہادت:

فنِّ تعمیر میں مہارت کی شہادت "دار الافتاء والارشاد" کی عمارت ہے۔ بنیاد سے لے کر تکمیل تک ایک ایک چیز حضرت کی تجویز سے ہوئی ہے، کسی انجینیر وغیرہ کی رائے کا کوئی دخل نہیں۔

صرف ایک مرحلہ پر حضرت والا کو فنّی لحاظ سے شبہہ ہوا تو کے۔ڈی۔اے کے

انجینیر کو بلوایا۔ انجینیر صاحب سے یہ معمّہ حل نہ ہوا تو حضرت والا نے ایک تجویز پیش فرمائی، جو انجینیر صاحب کو بھی پسند آئی اور اسی کے مطابق عمل کیا گیا۔

بیرونی زینہ کے اوپر زنانہ مکان میں داخلہ کے مقام پر لوہے کا دروازہ لگانا قرار پایا۔ موقع کے لحاظ سے ضروری تھا کہ دروازہ باہر کی طرف کھلے۔ حضرت نے دروازہ بنانے والے کو بلوایا۔ اس نے موقع دیکھ کر بتایا:

"یہاں دروازہ باہر کی طرف کھلنے کی کوئی صورت ممکن نہیں۔"

حضرت والا نے ایک تدبیر بتائی۔ اس پر وہ مطمئن ہو گیا، اور اسی کے مطابق باہر کی طرف کھلنے والا دروازہ بنایا۔

پھر اسی دروازہ کو نصب کرنے کے لئے معمار کو بلوایا۔ وہ موقع دیکھ کر یہ کہہ کر چلا گیا: ——— "یہ دروازہ یہاں نہیں لگ سکتا۔"

حضرت والا نے خود تنہا بدوں کسی معاون کے وہ دروازہ وہاں نصب کر دیا۔

علاوہ ازیں تعمیر کا نقشہ دیکھیں تو وہ اس فن میں بھی آپ کی غیر معمولی مہارت کا کھلا ثبوت اور حسنِ سلیقہ میں کمال کا مظہر ہے۔ سادگی کے ساتھ ضرورت اور راحت کا ایسا انتظام کہ ماہرینِ فن نے بھی اس کی داد دی۔

حضرت والا نے اسی تعمیر کے سلسلہ میں فرمایا:

"تعمیر کے بارہ میں تجربہ ہوا کہ اس میں ضرورت اور آسائش کا لحاظ رکھا جائے تو آرائش خود بخود پیدا ہو جاتی ہے اور یہ آرائش ایسی دلکش ہوتی ہے کہ اس کے مقابلہ میں دوسری تمام زینتیں اور آرائشیں ہیچ نظر آتی ہیں، متنبی نے کیا خوب کہا ہے ؎

حُسْنُ الْحِضَارَةِ مَجْلُوْبٌ بِتَطْرِيَةٍ
وَفِي الْبَدَاوَةِ حُسْنٌ غَيْرُ مَجْلُوْبٍ"

”شہری حُسن بناؤ سنگار کے ذریعہ مصنوعی ہے اور دیہاتی حُسن قدرتی اور خداداد ہے۔“

تعمیر مکمل ہونے کے بعد جب پہلی بار آپ کے اُستاذِ محترم حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دارالافتاء میں تشریف لائے تو تعمیر دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

”کسی بہت ماہر انجینیر نے نقشہ بنایا ہے، اتنے چھوٹے پلاٹ میں اتنی گنجائش نکال لی اور پھر اس سلیقہ سے کہ دیکھنے میں بہت وسعت معلوم ہوتی ہے، خوب صورتی میں بھی ممتاز و دل کش۔“

حضرت والا نے عرض کیا:

”یہ سب کچھ میری ہی تجویز ہے، کسی انجینیر کا اس میں کوئی دخل نہیں۔“

اِس حُسنِ تعمیر کی اس قدر شہرت ہوئی کہ لوگ اپنی تعمیرات کے نقشے بنوانے میں مشورہ کے لئے حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔

حضرت والا نے فرمایا:

”بھائی! میں نے تو ضرورت کی بناء پر اس طرف توجُّہ کی تھی، اللہ تعالیٰ نے کام لے لیا، اب نہ ہی اس سے مناسبت ہے نہ فرصت۔“

اظہارِ حقیقت:

حضرتِ والا کی تمام تر توجہات کا مرکز خدماتِ دینیہ ہیں۔ تدریس فقہ و حدیث، افتاء، تصنیف اور اصلاحِ باطن جیسے نہایت عمیق اور بہت وسیع مشاغل میں اس قدر مصروفیت کہ کسی کو بات تک کرنے کا موقع ملنا بھی مشکل ہے، اس کے باوجود فنونِ دنیویہ کی طرف ادنیٰ سے التفات سے یہ شاہکار ہیں۔

زندگی کا دوسرا دور

سلسلۂ تدریس

شعبان ۱۳۶۱ھ میں حضرت والا تحصیلِ علوم سے فارغ ہوئے تو آپ کے والدِ ماجد نے جو ۱۳۵۶ھ میں بسلسلۂ زمینداری خیرپور سندھ میں آباد ہو چکے تھے، آپ کو بھی زمینوں کی نگرانی کے لئے ایک سال خیرپور ہی میں رہنے کو فرمایا، لیکن ضرورت اس بات کی تھی کہ عمر کا ایک معتدبہ حصّہ تحصیلِ علم میں صَرف کرنے کے بعد اب اس فیضِ علم کو دوسروں تک بھی پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ نہ صرف یہ بلکہ تدریس کا سلسلہ شروع کرکے علوم ومعارف کے مزید مدارج طے کئے جائیں۔ آپ کے والدِ محترم بھی اس بات کو شدّت سے محسوس فرما رہے تھے، اس لئے اپنے اس فرزندِ ارجمند کے لئے تدریس ہی کا مشغلہ پسند فرمایا جو بزرگوں سے چلا آرہا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ درسِ نظامی میں جتنی کتابیں مختلف علوم وفنون کی پڑھائی جاتی ہیں ان سے آدمی ہر فن کا ماہر نہیں ہو جاتا، اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ کچھ کتابیں پڑھ کر کوئی ہر فن میں عبور حاصل کر لے، بلکہ اس پورے نصاب کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ کتابوں اور اساتذہ کی مدد سے طلبہ میں ایک اعلیٰ علمی ذوق پیدا ہو جائے جس سے وہ آگے چل کر جس فن میں چاہیں خود کوشش کرکے اس میں عبور حاصل کریں۔ اس کے پیشِ نظر اس علمی ذوق کو جاری رکھنے کا ایک کامیاب طریقہ جو بزرگوں سے چلا آرہا ہے وہ یہ ہے کہ تحصیلِ علم کے بعد تدریسِ علم کا سلسلہ اختیار کیا جائے۔ تاکہ علم میں مزید ترقی ہو سکے۔ کیونکہ پڑھنا اسی کو کہتے ہیں کہ جو کتاب پڑھیں اسے پڑھا بھی سکیں، اور یہ تو وہ دولت ہے کہ جتنی خرچ کی جاتی ہے اتنی ہی بڑھتی جاتی ہے چنانچہ اس

حقیقت کا بارہا تجربہ بھی ہوا کہ جن لوگوں نے تحصیلِ علم کے بعد اس سلسلہ کو جاری نہ رکھا نہ صرف یہ کہ ان کے علم میں کوئی ترقی نہیں ہوئی بلکہ جو کچھ پڑھا تھا وہ بھی سب بھول گئے اور پھر کورے کے کورے رہ گئے ۔

یہاں پر میں نوجوان مولوی صاحبان سے گزارش کرتا ہوں کہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد کسی نہ کسی صورت میں تدریس کا کام ضرور اختیار کریں۔ جن مولوی صاحبان کو کسی مدرسہ میں پڑھانے کا موقع مل گیا وہ رات دن درس و تدریس میں خوب محنت کریں، اور جن کو یہ خدمت میسّر نہ ہو وہ اپنے حلقۂ اثر میں جتنا بھی وقت مل سکے تبلیغِ دین کے کاموں میں صرف کریں، اور کچھ نہیں تو کوئی دینی کتاب ہی لوگوں کو پڑھ کر سنا دیا کریں، غرض یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح علم کے ساتھ وابستگی ضرور قائم رہنا چاہیے ۔

اس میں کیا شک ہے کہ علم سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں، بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ صرف علم ہی دولت ہے تو بالکل بجا ہے۔ یہی تو وہ چیز تھی جس کی بنا پر حضرت آدم علیہ السّلام مسجودِ ملائکہ بنے ۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (۲ - ۳۱)

" اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السّلام کو سب چیزوں کے ناموں، ان کے حقائق و خواص اور کلیاتِ شرعیّہ کا علم دیا۔"

اور یہ علم ہی تو ہے جو انسان کو اشرف المخلوقات کے درجہ پر فائز کئے ہوئے ہے ۔ بقولِ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ؎

رَضِيْنَا قِسْمَةَ الْجَبَّارِ فِيْنَا
لَنَا عِلْمٌ وَّلِلْجُهَّالِ مَالٌ

"ہم اللہ تعالیٰ کی اس تقسیم پر بالکل راضی اور خوش ہیں کہ اس نے ہمیں دولتِ علم سے نوازا اور جاہلوں (کافروں) کو مال دیا (وہ اسی میں خوش ہیں)۔"

لیکن یاد رہے کہ علم جتنی عظیم دولت ہے اتنا ہی اس کا مزاج بھی نازک ہے، ذرا سی بے اعتنائی کر کے دیکھو فوراً منہ موڑ کر چلی جائے گی۔ حُسن پر ناز کرنے والے بقدرِ حُسن ناز فرما ہوتے ہیں لیکن چونکہ اس بُتِ طنّاز کے حُسن کی کوئی انتہا ہی نہیں اس لئے اس کی ناز برداری کے لئے جگر چاہئے۔ اس کا تو یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ اس سے دعوائے محبت رکھنے والا پھر کسی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے، اور نہ ہی غیر کا خیال اس کے حاشیۂ قلب میں گزرے، پھر ایسے عاشقِ جاں نثار کو کیا ملتا ہے؟ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس بارہ میں یوں فرمایا ہے:

اَلْعِلْمُ لَا يُعْطِيْكَ بَعْضَهٗ حَتّٰى تُعْطِيَهٗ كُلَّكَ.

”جب تم اپنی ساری زندگی علم پر نچھاور کر دو گے تب وہ
تمہیں اپنی صرف ایک ادنیٰ سی جھلک دکھائے گا۔“

جامعہ مدینۃ العلوم بھینڈو:

اوپر بتایا جا چکا ہے کہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد حضرت والا کو والد صاحب نے زمینوں کی نگرانی کے لئے ایک سال تک اپنے ساتھ خیرلوہی میں رکھا۔ شوال سنہ ۱۳۶۲ھ میں حضرت والا کی زندگی کا دوسرا دَور شروع ہوتا ہے۔

جامعہ مدینۃ العلوم بھینڈو ضلع حیدرآباد سندھ میں آپ کا تقرر بحیثیّت مدرّسِ درجۂ عُلیا ہوا۔ صرف دو ہی سال بعد آپ جامعہ کے شیخ الحدیث و صدر مدرس ہو گئے، اور اسی سال یعنی سنہ ۱۳۶۴ھ سے صحیح بخاری و دیگر کُتبِ حدیث کی تدریس کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔ ساتھ ہی دارالافتاء کی ذمہ داری بھی آپ ہی کو سونپ دی گئی۔ سنہ ۱۳۶۹ھ تک آپ اس جامعہ کے بیک وقت شیخ الحدیث،

صدر مدرس اور مفتی رہے۔

سنہ ۱۳۷۱ھ میں آپ والد صاحب کے ایماء سے جامعہ چھوڑ کر خیرپور چلے آئے۔ اور ایک سال تک حضرت نے زمینوں کے انتظام میں والد صاحب کا ہاتھ بٹایا۔

جامعہ مذکورہ کے مہتمم صاحب اور دوسرے ارکان اور اساتذہ و طلبہ اور وہاں کے دیگر با اثر حضرات کو آپ کی جدائی بڑی شاق گزری، چنانچہ یہ حضرات ایک وفد کی صورت میں حضرت والا کے والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ حضرت والا کو واپس بھیج دیں، لیکن والد صاحب نے اپنی ضرورات بیان فرما کر ان کی درخواست قبول کرنے سے عُذر فرما دیا۔ اس اثناء میں جس طرح اور کئی جگہوں سے حضرت والا کے لئے تقاضے ہو رہے تھے، اسی طرح جامعہ دار الہُدیٰ ٹھیڑھی کے مہتمم صاحب کی طرف سے بھی اصرار ہوا کہ حضرت والا کو ان کے جامعہ میں بھیج دیا جائے۔ حضرت کے والد صاحب نے قرب کی وجہ سے یہ درخواست منظور فرمالی۔

جامعہ دار الہُدیٰ ٹھیڑھی:

سنہ ۱۳۷۱ھ کے تعلیمی سال سے حضرت والا جامعہ دار الہدیٰ ٹھیڑھی میں بحیثیت شیخ الحدیث تشریف لائے، نہ صرف تدریس بلکہ دار الافتاء کی ساری ذمہ داری بھی آپ ہی کے سپرد کر دی گئی۔ یہاں صحیح بخاری اور دوسرے علوم و فنون کے تقریباً آٹھ اسباق پڑھانے کا معمول رہا۔ ساتھ ہی فتویٰ نویسی کا کام بھی فرماتے رہے سنہ ۱۳۷۶ھ تک حضرت والا کا اس جامعہ میں قیام رہا۔

جامعہ دار العُلوم کراچی:

ادھر حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ صدر جامعہ دار العلوم کراچی کو خیال ہو رہا

تھا کہ اپنے پرانے ہونہار شاگرد کو اپنے پاس بلالیں۔ چنانچہ جب کورنگی میں جامعہ کی بنیاد رکھی گئی تو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو خاص طور سے ٹھیڑھی سے بلاکر جامعہ دار العلوم میں شیخ الحدیث کا منصب پیش فرمایا۔

یہ فرمائش تعلیمی سال کے درمیان میں ہوئی تھی اس لئے حضرت والا نے جامعہ دار الہدیٰ کے تعلیمی سال کو اختتام تک پہنچانا اپنا اخلاقی فرض سمجھا، اور سنہ ۱۳۷۶ھ میں اپنے استاذِ محترم کے ارشاد کی تعمیل میں جامعہ دار العلوم تشریف لے آئے، اور شیخ الحدیث کی خدمات سنبھال لیں۔ یہاں بھی صحیح بخاری کے علاوہ اور بھی کئی کتابیں آپ کے زیرِ تدریس رہیں، جن میں فلکیات اور اقلیدس وغیرہ بھی شامل ہیں۔ ہدایہ اخیرین کی تدریس بھی آپ ہی کے ذمہ رہی۔ تخریجِ فرائض کا خود ایجاد کردہ طریقِ جدید بھی پڑھاتے رہے۔ شعبان سنہ ۱۳۸۳ھ تک حضرت والا کا دار العلوم میں قیام رہا۔

سنہ ۱۳۶۴ھ سے سنہ ۱۳۸۳ھ تک ہر سال آپ نے صحیح بخاری پڑھائی ہے، بیس سال میں بیس بار اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحیح بخاری کی تدریس کا شرف بخشا ہے۔

مفتی محمد رفیع عثمانی صدر جامعہ دار العلوم اور مفتی محمد تقی عثمانی نائب صدر کو بھی اس زمانہ میں حضرت والا سے سات سال مسلسل شرفِ تلمذ حاصل رہا، صحیح بخاری اور مختلف علوم کی اہم کتابیں پڑھیں، تربیتِ افتاء بھی حاصل کی۔

جامعہ میں تشریف آوری کے ساتھ ہی نظامتِ تعلیم کی ذمہ داری بھی آپ کو سونپی گئی، مگر آپ نے اسے مشاغلِ علمیہ میں مخل ہونے کی وجہ سے ترک فرمادیا۔

فتویٰ نویسی

یوں تو سنہ ۱۳۶۲ھ ہی سے حضرت والا کو فتویٰ نویسی کے مواقع پیش آتے رہے لیکن سنہ ۱۳۶۶ھ سے جامعہ مدینۃ العلوم بھینڈو میں دار الافتاء کی مستقل ذمہ داری

حضرت والا کے سپرد ہوئی۔ اس عرصہ میں سنہ ۱۳۷۱ھ تک جو فتاوی صادر ہوئے اُن کے جمع و ضبط کا کوئی انتظام نہ ہو سکا، صرف چند گنتی کے فتاوی کی نقول محفوظ رکھی گئیں۔ سنہ ۱۳۷۱ھ میں حضرت والا جامعہ دارالہدیٰ ٹھیڑی میں تشریف لائے، اگرچہ آپ یہاں بحیثیتِ شیخ الحدیث بُلائے گئے تھے اور صحیح بخاری کے علاوہ دیگر بہت سی کُتب بھی آپ کے زیرِ تدریس رہیں لیکن اس کے باوجود دارالافتاء کی ذمہ داریاں بھی آپ ہی کو تفویض کر دی گئیں۔

تھوڑی ہی مدت میں آپ کی شانِ تحقیق اور تعمقِ نظر کو اس قدر شہرت حاصل ہو گئی کہ بیرونِ مُلک کے عُلماء بھی مشکل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرنے لگے، اور ہر قسم کے فتاوی کے لئے آپ کی ذات مرجعِ عوام و خواص بن گئی، یہاں تک کہ علماء کی طرف سے بعض پیچیدہ مسائل بھی تصفیہ کے لئے آپ کی خدمت میں آنے لگے۔ آپ نے بھی اس منصب پر فائز ہو کر وہ محنت اور جانفشانی کی کہ فتوی نویسی کو بجا طور پر آپ پر فخر ہے۔

شغفِ علمِ دین اور مطالعۂ کتب میں آپ کی محویت کا عالَم دیکھ کر بے ساختہ اسلاف کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ اگر کسی کو اس حقیقت کا اندازہ لگانا ہو تو "احسن الفتاوی" اٹھا کر دیکھ لے، اس سے معلوم ہو جائے گا کہ ایک ایک مسئلہ کے لئے کس قدر کتابوں کی چھان بین کی گئی ہے۔

سنہ ۱۳۷۱ھ سے سنہ ۱۳۷۶ھ تک آپ کے تحریر کردہ تمام مسائل کی نقل کا اگرچہ انتظام نہ ہو سکا تاہم آپ نے بعض اہم مسائل کی نقلیں محفوظ رکھیں۔ اس پانچ سال کے عرصہ میں کُل دو ہزار پچیس (۲۰۲۵) فتاوی معرضِ تحریر میں آئے، جن میں سے صرف چار سو اکیاون (۴۵۱) محفوظ ہو سکے۔ یہ فتاوی "احسن الفتاوی" کے نام سے شائع ہو کر عوام و خواص میں اس قدر مقبول ہوئے کہ عیاں را چہ بیان۔

جامعہ دارالعلوم کراچی میں اگرچہ فتاوی کی مستقل ذمہ داری آپ پر نہ تھی لیکن پھر بھی زیادہ اہم اور پیچیدہ مسائل کی تحریر آپ ہی کے سپرد کی جاتی تھی۔

"دار الافتاء والارشاد" کی بنیاد کے وقت سے آپ کی طرف سے لامحدود فتاوی کا سلسلہ جاری ہے۔ بیسیوں رجسٹروں کے ہزاروں صفحات میں پھیلے ہوئے فتاوی کے پورے ذخیرہ کی اشاعت کے لئے ان فتاوی کی تبویب، ترتیب اور ان پر نظر ثانی کا کام بہت طویل اور بہت زیادہ محنت طلب و مشکل ہے، اس لئے بغرضِ اشاعت ان میں سے صرف زیادہ اہم فتاوی منتخب کئے گئے ہیں، جو دس ضخیم جلدوں میں شائع ہو رہے ہیں۔

فقیہ اور مفتی تو بہت ہوتے ہیں لیکن فقیہ النفس بہت کم ہوتے ہیں۔ حضرت گنگوہی قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے فقیہ النفس کے مقام پر فائز فرمایا تھا۔ اس معاملہ میں ہمارے حضرت کو حق جل شانہ نے "رشید ثانی" بنایا ہے۔ علمِ فقہ حضرت والا کے رگ و پے میں اس طرح رچ بس گیا ہے کہ مسئلہ کیسا ہی دقیق اور کتنا ہی مشکل ہو ذرا سی دیر کے لئے آنکھیں بند کرلیں اور تمام کتبِ فقہ کی سیر کر کے مسئلہ کی تہ تک پہنچ گئے۔

کتابوں پر اس قدر وسعتِ نظر کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تفقہ و بصیرت میں ایسے کمال سے نوازا ہے کہ بسا اوقات بہت دقیق اور انتہائی پیچیدہ مسائل محض خداداد تفقہ اور دور رس بصیرت کے ذریعہ ذرا سے غور اور ادنی سے تأمل کے بعد حل فرما دیتے ہیں، اس کے بعد کتبِ فقہ میں بھی بعینہ وہی تحقیق مل جاتی ہے ؎

این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

"یہ سعادت زورِ بازو سے نہیں مل سکتی، جب تک عنایت

فرمانے والا اللہ عنایت نہ فرمائے۔"

جامعہ دار العلوم میں سنہ ۱۳۸۱ھ میں فارغ التحصیل طلبہ کے لئے آپ کی نگرانی میں تخصص فی الفقہ اور تمرینِ افتاء کا شعبہ قائم کیا گیا۔ دو سال بعد جب حضرت والا نے جامعہ دار العلوم چھوڑ کر ناظم آباد میں "دار الافتاء والارشاد" کی بنیاد رکھی تو جامعہ دار العلوم میں یہ سلسلہ کچھ عرصہ بند رہا، بعد میں پھر جاری کر دیا گیا۔

دار الافتاء والارشاد کی بنیاد:

حضرت اقدس دامت برکاتہم نے اپنے شیخ سلطان العارفین حضرت اقدس مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری قدس سرہ کی خواہش اور منجانب اللہ غیبی اشارہ پر رمضان سنہ ۱۳۸۳ھ میں اعلیٰ استعداد رکھنے والے فارغ التحصیل علماء کی تمرینِ افتاء کے لئے "دار الافتاء والارشاد" کی بنیاد ڈالی۔ اطرافِ ملک و بیرونِ ملک سے فارغ التحصیل علماء آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، اور تحریرِ افتاء کی تمرین کے ساتھ فیضِ باطن، تقویٰ، استغناء اور تعلق مع اللہ کی دولت بھی لے کر جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں شعبان و رمضان میں جامعات کی سالانہ تعطیل کو غنیمت سمجھ کر ملکی و غیر ملکی جامعات کے اساتذۂ کرام علمی و عملی استفادہ اور فیضِ باطن کی تحصیل کے لئے یہ وقت حضرت اقدس کی خدمت میں گزارتے ہیں۔

"دار الافتاء والارشاد" کا پلاٹ دراصل حضرت پھولپوری قدس سرہ کی خانقاہ کے لئے خریدا گیا تھا، اور حضرت پھولپوری قدس سرہ نے اس کا نام "خانقاہِ اشرفیہ" تجویز فرمایا تھا، مگر اس میں تعمیر سے قبل ہی حضرت پھولپوری قدس سرہ کا وصال ہو گیا۔

یہ پلاٹ خریدنے کے بعد ایک روز ہمارے حضرت اقدس نے حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحب خلیفۂ مجازِ بیعت حضرت تھانوی قدس سرہ کے سامنے اپنے لئے

کوئی مکان خریدنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے فرمایا:

"آپ کو مکان خریدنے کی کیا ضرورت؟ یہ خانقاہ کا پلاٹ کس کے لئے ہے؟"

حضرت والا نے فرمایا کہ میں حضرت ڈاکٹر صاحب کا یہ جملہ سُن کر خاموش ہوگیا اور مجھے بہت تعجب ہوا کہ خانقاہ کے اس پلاٹ سے میرا کیا تعلق؟ مگر بعد میں معلوم ہوا:

"قلندر آنچہ گوید دیدہ گوید"
"ولی اللہ جو کچھ کہتا ہے دیکھ کر کہتا ہے۔"

پھر حضرت پھولپوری قدس سرہ نے وصال سے کچھ روز قبل حضرت والا سے فرمایا:

"دل چاہتا ہے کہ آپ یہاں آجائیں۔"

حضرت والا نے فرمایا کہ مجھے اس کا کوئی جواب سمجھ میں نہ آیا، اس لئے خاموش رہا، اور سوچنے لگا کہ دار العلوم جیسے مشہورِ عالَم ادارہ میں تدریسِ صحیح بخاری اور افتا جیسی اہم خدمات چھوڑ کر یہاں کیا کروں گا؟ بالآخر یوں مطمئن ہوگیا کہ یہ حضرت کا حکم نہیں صرف دلی خواہش ہے، مگر ع

می دہد یزدان مرادِ متقین
"اللہ تعالیٰ متقین کی مراد پوری فرماتے ہیں۔"

چنانچہ حضرت پھولپوری قدس سرہ کا وصال ربیع الاوّل میں ہوا اور اسی سال رمضان میں حضرت والا خانقاہ میں تشریف لے آئے اور فرمایا کہ اس زمانہ میں

"خانقاہ چند روز کے بعد خواہ مخواہ"

بن جاتی ہے، اس لئے اس کا نام "دار الافتاء والارشاد" مناسب ہے، لفظ "ارشاد"

میں "خانقاہ" کا مفہوم بھی موجود ہے۔

چنانچہ افتاء کے ساتھ ارشاد و اصلاحِ باطن کا چشمہ بھی اکنافِ عالم کو سیراب کر رہا ہے۔

عَیۡنَانِ تَجۡرِیَانِ ۝ (۵۵-۵۰)

"دو چشمے جاری ہیں۔"

"دار الافتاء والارشاد" کے اس پلاٹ میں تعمیر سے قبل ایک صالح عالم نے خواب میں دیکھا کہ اس پلاٹ میں "دار الافتاء والارشاد" کی عمارت ہے، اس پر باہر کی طرف سُرخ رنگ ہے اور اندر کی طرف سبز، اس میں حضرت والا کھڑے ہیں، آپ کے گرد لوگوں کا مجمع ہے، آپ ان میں کچھ تقسیم فرما رہے ہیں۔

تعبیر:

اس میں یہ بشارت تھی کہ اس عمارت سے حضرت والا کے علوم ظاہرہ و فیوضِ باطنہ کی نشر و اشاعت ہوگی۔ عمارت پر بیرونی جانب سُرخ رنگ اور اندرونی جانب سبز، اس طرف اشارہ تھا کہ یہ معدنِ عشق و محبت ہے۔ عشق کا ظاہر سُرخ یعنی بہت خطرناک نظر آتا ہے مگر اس کا باطن سرسبز اور بے حد لذیذ ہوتا ہے ؎

عشق اوّل از چرا خونی بود

تا گریزد هر که بیرونی بود

"عشق شروع میں خونی اس لئے ہوتا ہے تاکہ جھوٹا مدّعی اس سے دُور بھاگے۔"

اس پلاٹ سے حضرت والا کے فیوض دنیا میں پھیلنے کی ایک اور بشارت جلد سوم میں عنوان "مبشّراتِ منامیۃ" کے تحت ۹ میں ملاحظہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ان خدمات کو صدقۂ جاریہ بنائیں اور آپ کے سایہ کو امت پر قائم رکھیں، آمین۔

چند ذاتی اور خاندانی حالات

صالحہ رفیقۂ حیات کی طلب میں عجیب دُعا:

حضرت والا کی تقریباً چودہ سال کی عمر میں آپ کے ماموں کی صاحبزادی سے نسبت طے پا چکی تھی، حضرت والا نے فرمایا:

> ”بڑے بھائیوں کی شادی ہونے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ جس کی شادی ہو جاتی ہے اس کی وقعت والدین کی نظر میں کم ہو جاتی ہے۔ مجھے اس کا شدید احساس ہوا، اور یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ میری شادی ہوئی تو کہیں خدانخواستہ مجھ سے بھی والدین کی محبّت اور شفقت میں کمی نہ آجائے۔ چنانچہ ایک روز یہی فکر اتنی غالب ہوئی کہ دل تنہائی اور خلوت کی جگہ ڈھونڈھنے لگا۔ بالآخر اُٹھ کر گھر سے قریب ہی گنّے کے کھیتوں میں چلا گیا، اور وہیں سجدہ میں گر کر انتہائی عجز و انکسار سے رو رو کر اللہ تعالیٰ سے یوں دُعا کی:
>
> ”یا اللہ! ایسی بیوی مقدر فرما جس کی وجہ سے والدین کی شفقت و محبت اور برتاؤ میں فرق نہ آنے پائے، اور تیری رضا بھی حاصل رہے۔“
>
> ابھی سجدہ ہی میں تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی قوت کے ساتھ قلب میں یہ وارد ہوا:
>
> ”تیری دُعا قبول ہوگئی اب سر اُٹھالے۔“
>
> اس کے بعد یہ لطیفۂ غیبیہ پیش آیا کہ میری سابقہ نسبت ختم ہو کر دوسری جگہ بات طے پا گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ظاہری سبب

یہ پیدا فرمایا کہ وہ لڑکی بیمار ہوگئی، مرض اس قدر شدید اور مدید ہوا کہ زندگی کی امید نہ رہی، اس لئے ماموں کی رِضا ہی سے اپنے خاندان ہی میں دوسری جگہ بات ہوئی، اور دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد شادی ہوگئی۔ شادی ہوجانے کے بعد ماموں کی صاحبزادی کو بھی اللہ تعالیٰ نے ازسرِ نو زندگی بخشی، اور اس کی شادی میرے خالہ زاد کے ساتھ کر دی گئی۔

الحمد للہ میری شادی کے بعد قبولِ دُعاء کے آثار بکمالہا نظر آئے، اور ہم دونوں ہی سے والدین رحمہما اللہ تعالیٰ ہمیشہ بے حد خوش وخُرّم رہے۔ روبرو اور خطوط میں بھی بہت محبت وشفقت کا اظہار فرماتے رہے۔ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک خط میں یہ شعر تحریر فرمایا ؎

من تو شدم تو من شدی، من تن شدم تو جان شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں، من دیگرم تو دیگری

"مَیں تُو بن گیا تُو مَیں بن گیا، مَیں جسم بن گیا تُو جان بن گیا، تاکہ اس کے بعد کوئی یوں نہ کہے کہ میں دوسرا ہوں تُو دُوسرا۔"

ہر مہینے دو تین خط ضرور تحریر فرماتے تھے اور نوّے برس سے زائد عمر میں جسمانی ودماغی انحطاط وضعفِ بصارت کے باوجود کوئی خط تین چار صفحات سے کم نہ ہوتا تھا، آخر میں تحریر اس جملہ پر ختم فرماتے:

"ضعفِ بصارت کی وجہ سے خط صاف نہیں لکھا جاتا۔"

اگر یہ عذر نہ ہوتا تو واللہ اعلم تحریر کتنی طویل ہوتی خط میں ہم دونوں کے ساتھ اظہارِ محبت وشفقت کے علاوہ نظم ونثر میں محبوبِ

حقیقی کے ساتھ غلبۂ عشق کی طویل داستاں ہوتی تھی۔"

عشق کی طویل داستاں سُننے اور قلبی واردات وکیفیات کے اظہار کے لئے اتنی دُور سے ہمارے حضرت ہی کو منتخب فرمانا حضرت کے ساتھ خصوصی تعلق اور حضرت والا کے قلب میں بھی سوزِ عشق کی دلیل ہے۔ ایسے قصّے صرف ہمراز وہمدم ہی سے کہے جاتے ہیں، کما قال العارف الرومی رحمہ اللہ تعالیٰ ؎

بالبِ دم سازِ خود گر جفتمے
ہمچو نے من گفتنیہا گفتمے
ہر کہ او از ہم زبانے شد جدا
بے نوا شد گرچہ دارد صد نوا
چونکہ گل رفت و گلستاں در گزشت
نشنوی زین پس ز بلبل سرگزشت

"اگر میں اپنے ہمدم کے پاس ہوتا تو بانسری کی طرح باتیں کرتا۔
جو شخص بھی اپنے ہمزبان سے جدا ہوا، وہ سیکڑوں آوازیں رکھتے ہوئے بھی بے آواز ہو گیا۔
جب گل و گلستاں کا دَور گزر گیا تو اس کے بعد تو بُلبُل سے سرگزشت نہیں سُنے گا۔"

ارشاد فرمایا:

"ایک بار اہلیہ بیمار ہو گئیں، حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں دُعاء کے لئے عریضہ لکھا گیا۔ ان کی صحت کے بعد بھی آپ نے ان کے لئے خصوصی دُعاء کا معمول آخر دم تک جاری رکھا، بار بار خطوط میں اور بوقتِ ملاقات اس کا تذکرہ بھی فرماتے رہتے۔

ایک بار ہمارے یہاں قیام کے دوران آنکھوں میں کوئی تیز سُرمہ لگایا۔ آنکھوں سے سُرمہ آلود پانی کے قطرے گِر کر فرش پر خشک ہوگئے، اور فرش پر نشان پڑ گیا۔ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد میں نے وہ نشان صاف کر دیا۔ اہلیہ نے دریافت کیا:

"اباجی کی آنکھوں کے پانی کا نشان کہاں گیا؟"

میں نے کہا: ——— "صاف کر دیا۔"

وہ بولیں: ——— "آپ کے دل نے یہ کیسے گوارا کیا؟"

ان مثالوں سے جانبین کے جذبات کا اندازہ کرلیجئے۔

محترمہ والدۂ ماجدہ رحمہا اللہ تعالیٰ کو بھی ہم دونوں کے ساتھ بے پناہ محبت تھی، مگر محبوبِ حقیقی کی محبت سب پر غالب تھی۔ آپ کے وصال کے وقت میں دارالعلوم کراچی میں تھا، فون پر آپ کے وصال کی اطلاع ملنے پر خیرپور کی طرف جاتے ہوئے مجھے راستہ میں رہ رہ کر خیال آرہا تھا کہ آخر وقت میں مجھے بہت یاد فرمایا ہوگا۔ مگر وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ اس وقت اپنے مالک کے سوا کسی غیر کی طرف کوئی ادنیٰ سا التفات بھی نہیں تھا۔ نمازِ عشاء سے اطمینان سے فارغ ہوئیں، اچانک قے ہوئی جس سے نڈھال ہو کر چارپائی پر لیٹ گئیں، ڈاکٹر کو بلانے لگے تو فرمایا:

"ڈاکٹر کو نہ بلائیں، بس اب میں جا رہی ہوں۔"

پہلے حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے کہا:

"میری سب کوتاہیاں معاف فرما دیں۔"

پھر اپنے مالکِ حقیقی کی طرف متوجہ ہوگئیں، دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا:

"یا اللہ! میری تمام خطائیں معاف فرما۔"

اس کے بعد ذکرِ محبوب ہی کی حالت میں محبوبِ حقیقی سے جا ملیں۔

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی حال تھا، آخر وقت میں بڑے جوش کے ساتھ بہت بلند آواز سے یہ شعر بار بار پڑھ رہے تھے ؎

اے مرے محبوب میرے دلربا
مجھ کو آغوشِ محبت میں بٹھا

ہاتھ پاؤں بالکل سرد پڑ گئے تھے اور بے حس ہو گئے تھے، خود فرما رہے تھے:

"میرے ہاتھوں اور پیروں سے جان نکل چکی ہے۔"

اس کے باوجود شعرِ مذکور اتنے جوش کے ساتھ اور اتنی بلند آواز سے پڑھ رہے تھے کہ دیکھنے والے حیران تھے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کے لئے ایسی مبارک موت مقدر فرمائیں ؎

دنیا سے جب ہو رخصت یا رب غلام تیرا
دل میں ہو دھیان تیرا لب پر ہو نام تیرا

رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ○ (۱۷-۲۴)

"اے میرے رب میرے والدین پر رحمت فرما جیسی انہوں نے میری بچپن میں پرورش کی۔"

حضرت والا کے قلب میں والدِ ماجد رحمہ اللہ تعالیٰ کی محبت، عظمت، احترام اور جذبۂ خدمت کس قدر تھا؟

اس سے متعلق حضرت والا نے ایک عجیب سبق آموز واقعہ بیان فرمایا، اس وقت حضرت والا جامعہ مدینۃ العلوم بھینڈو ضلع حیدر آباد سندھ میں شیخ الحدیث تھے۔

ارشاد فرمایا:

> "ایک بار حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ہمارے ہاں بھینڈو تشریف لائے اس قصبہ میں گوشت کی کوئی مستقل دوکان نہیں تھی، ہفتہ میں صرف ایک دو دن گوشت ملتا تھا، وہاں سے پانچ کلو میٹر کے فاصلہ پر قصبہ ٹنڈو حیدر میں گوشت کی مستقل دوکانیں تھیں جو روزانہ کھلتی تھیں۔ ان دونوں قصبوں کے درمیان کچی سڑک تھی جس پر بسوں اور بیل گاڑیوں کی بکثرت آمد و رفت سے مٹی ایسی باریک و نرم ہو گئی تھی کہ اس پر پاؤں پڑنے سے ٹخنے تک اندر دھنس جاتے تھے، علاوہ ازیں سڑک میں جگہ جگہ گڑھے تھے جو اس قسم کی مٹی سے اس طرح پُر تھے کہ چلنے والے کو ذرا بھی احساس نہیں ہو سکتا تھا کہ یہاں کوئی گڑھا ہے، اس لئے بسا اوقات ایسے گڑھے میں پاؤں چلا جاتا تو جسم کے ساتھ چمٹ جانے والی دھول سے ٹانگیں گھٹنوں تک لت پت ہو جاتیں۔
>
> حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے لئے گوشت لانے کی فکر ہوئی، قصبہ ٹنڈو حیدر سے منگوانے کا تہیہ کیا۔ اس مقصد کے لئے کسی طالب علم کو بھیجنا گوارا نہ ہوا، اسے حقِ محبت کے خلاف سمجھ کر اس خدمت کو بنفسِ خود ہی انجام دینا ضروری سمجھا۔ خود جانے کے لئے نمازِ فجر کے بعد متصل نکلنا ضروری تھا جس کی دو وجہیں تھیں۔
>
> ایک یہ کہ دوپہر کے کھانے کے وقت تک قورمہ تیار ہو سکے۔

دوسری یہ کہ میں یہ کام اتنا خفیہ کرنا چاہتا تھا کہ کسی کو بھی اس کا علم نہ ہوسکے۔ حتیٰ کہ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو بھی اس کی خبر نہیں ہونے دی۔ فجر کے بعد ذرا دیر سے نکلتا تو طلبہ کے اسباق میں ناغہ ہونے کے علاوہ انہیں میرے کہیں جانے کا علم ہوجاتا، علاوہ ازیں علی الصباح جلدی جانے میں راستہ میں کسی واقف شخص سے ملاقات کا امکان بھی کم تھا۔ مزید احتیاط کے لئے ایک کمبل اس طرح اوڑھ لیا کہ کوئی واقف شخص راستہ میں مل جائے تو پہچان نہ سکے، اس حال میں گھر سے نکلا اور آمد و رفت میں دس کلومیٹر کا فاصلہ سخت سردی میں اس قسم کی سڑک پر طے کیا جس کی حالت بتا چکا ہوں ع

از محبت تلخہا شیریں شود

”محبت سے تلخیاں میٹھی ہوجاتی ہیں۔“

بس کا وقت بھی نہیں تھا اور نہ ہی کوئی دوسری سواری موجود تھی، البتہ ایک بہت بے تکلّف دوست سے گھوڑا لیا جا سکتا تھا مگر اس میں ایک تو وہی قباحت تھی کہ بات مخفی نہ رہ سکتی، علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے قلب میں پیدائشی طور پر غیر اللہ سے استغناء کی دولت ودیعت فرما رکھی ہے، گہرے سے گہرے دوست سے بھی کوئی چیز مستعار لینا غیرت گوارا نہیں کرتی۔

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس محبت اور ناچیز خدمت کو قبول فرمائیں اور سرمایۂ آخرت بنائیں ع

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔“

حضرت والا کی والدۂ محترمہ رحمہا اللہ تعالیٰ کا جب انتقال ہوا اس وقت آپ

دارالعلوم کراچی میں شیخ الحدیث تھے حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت کا ولولہ ایسا اٹھا کہ دارالعلوم جیسے مشہورِ عالَم ادارہ میں دین کی اتنی بڑی خدماتِ جلیلہ پر حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت کو ترجیح دینا ضروری سمجھا حالانکہ دوسرے بھائی اور بہنیں سب حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہی رہتے تھے وہ جس سے چاہتے خدمت لے سکتے تھے، مگر حضرت والا اور پیرانی صاحبہ دونوں کی تمنا بلکہ تڑپ یہ تھی کہ یہ سعادت ہمیں ہی حاصل ہو۔ اس ولولہ نے آپ کو حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں یہ درخواست پیش کرنے پر مجبور کر دیا:

> ”میں دارالعلوم میں خدماتِ دینیہ چھوڑ کر آپ کی خدمت میں رہنا ضروری سمجھتا ہوں، اس لئے للہ! مجھے اس کی اجازت مرحمت فرمائیں۔“

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

> ”مجھے اپنی خدمت سے زیادہ دین کی خدمت مرغوب ہے، میری اولاد میں سے جو دین کی زیادہ خدمت کرتا ہے وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔“

حضرت والا نے ارشاد فرمایا:

> ”یہاں صرف یہ مسئلہ نہ تھا کہ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت کی سعادت ساری اولاد میں سے صرف ہمیں ہی نصیب ہو بلکہ اس کے علاوہ ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ والدین رحمہما اللہ تعالیٰ کو ہم دونوں کے ساتھ خصوصی محبت اور دلی لگاؤ تھا اس لئے ہماری خدمت ان کے لئے زیادہ سے زیادہ جسمانی راحت اور سکونِ قلب کا باعث تھی۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر میرے نزدیک خدماتِ دینیہ کی بنسبت حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت زیادہ ضروری تھی۔ اس کے بعد

اس کی تائید میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مل گیا۔ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی والدۂ محترمہ کی خدمت میں مشغول تھے اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی خدمت میں حاضری سے منع فرما دیا۔"

شادی:

حدیث میں آیا ہے کہ وہ شادی بڑی بابرکت ہوتی ہے جس میں مہر کم رکھا گیا ہو اور فضول خرچی نہ کی گئی ہو۔ حضرت نے اپنی شادی کا واقعہ اس طرح بیان فرمایا:

"میرے سسرال والوں نے عام دستور کے مطابق اپنی دو صاجزادیوں کا نکاح بیک وقت کرنے کا خیال ظاہر کیا۔ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو لکھا:

"دو بچوں یا بچیوں کی شادی ایک ساتھ کرنا خلافِ مصلحت ہے، اس لئے کہ دو طرف سے زیور، کپڑے اور دوسرا سامان وغیرہ جب ایک ساتھ دیکھنے میں آتا ہے تو اس میں کسی ایک کی ترجیح اور دوسرے کی تنقیص ظاہر ہوتی ہے، اس لئے بڑی بچی کا نکاح پہلے کر دیا جائے، ہم چند روز بعد آئیں گے۔"

چنانچہ بڑی صاجزادی کا نکاح پہلے کر دیا گیا، ہم ہفتہ عشرہ بعد دوسرے قمری مہینے کی ابتداء میں پہنچے۔ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفاؤلاً فرمایا:

"ہمارا نکاح چڑھتے چاند میں ہوا ہے اِن شاء اللہ تعالیٰ اس میں برکت ہوگی۔"

بارات میں ڈھائی آدمی

بارات میں صرف حضرت والد صاحب، میں اور ایک مجھ سے چھوٹے بھائی تھے جن کی عمر اس وقت تقریباً دس سال تھی، گویا بارات میں بشمول دولہا ڈھائی آدمی تھے۔ جیسی سادگی بارات میں تھی ویسی ہی سسرال والوں کی طرف بھی، بالکل سادگی کے ساتھ نکاح ہو گیا۔"

یہ واقعہ پڑھ کر دنیا دار لوگوں کو دو قسم کے خیالات آسکتے ہیں:

① حضرت والا کا خاندان ہی اتنا چھوٹا سا ہوگا کہ جس کے قریبی رشتہ دار بس یہی ایک دو فرد ہوں گے۔

② یہ خاندان دنیوی لحاظ سے ترقی یافتہ نہیں ہوگا، کسمپرسی اور معاشی تنگی کے حالات میں ایسی سادگی کوئی عجیب بات نہیں۔

یہ دونوں خیالات محض ہوسِ دنیا پر مبنی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ آپ کا خاندان بہت وسیع ہے اور دین کے علاوہ دنیوی لحاظ سے بھی بہت بلند۔

وسعتِ خاندان

یہاں خاندان کے صرف بہت قریب تر رشتہ داروں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

آپ پندرہ بھائی بہن ہیں، دو چچا، تین پھوپھیاں، ایک ماموں، تین خالائیں، ایک چچا کے سوا باقی سب اصحابِ اولاد بلکہ اکثر کثیر الاولاد ہیں۔

حضرتِ والا کی شادی کے وقت آپ سے تین بڑے بھائی مختلف جامعاتِ اسلامیہ میں اونچے درجہ کے استاذ تھے، ان میں سے ایک بھائی حضرتِ والا کے بھی استاذ تھے۔ ان میں سے کسی کو بھی شادی پر نہیں بلایا گیا، حالانکہ ان کے جامعات کوئی زیادہ دور نہ تھے۔

آپ سے دو بڑی بہنوں کی شادی ہو چکی تھی وہ اپنے گھروں میں تھیں جو دوسرے شہروں میں تھے مگر زیادہ دور نہ تھے، اس کے باوجود انہیں شادی میں نہیں بلایا گیا۔

جب کسی بھائی بہن تک کو بھی شادی میں نہیں بلایا تو کسی چچا، پھوپھی، ماموں یا خالہ کو بلانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، پھر چچازاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد، خالہ زاد، اور پھوپھا یا خالو وغیرہ کا تو ذکر ہی کیا؟

خاندان کا دُنیوی مقام:

حضرتِ والا اور آپ کے سسرال، ماشاء اللہ! دونوں خاندان دین میں اعلیٰ امتیازی شان کے علاوہ دنیوی لحاظ سے بھی بہت بلند مقام رکھتے ہیں۔ بڑے زمیندار ہیں۔

آپ کے والد ماجد رحمہ اللہ تعالیٰ پورے پاکستان کے زمینداروں کی انجمنِ اعلیٰ کے ڈائرکٹر تھے، زراعت کے لئے آپ کی مِلک میں تین ٹریکٹر تھے۔

اُمورِ دُنیویہ میں بھی خدا داد اعلیٰ صلاحیتوں کے ساتھ تعلق مع اللہ اور تقویٰ و استغناء کی بدولت حکومت پر بھی آپ کا بہت اثر تھا۔

ریاست خیرپور کے نواب صاحب اور وزیرِ اعلیٰ آپ کے بہت معتقد تھے۔ وزیرِ اعظم خواجہ ناظم الدین اور وزیرِ صنعت و قائم مقام وزیرِ اعظم سردار عبد الرب نشتر نے انتخابات وغیرہ میں تعاون کی طمع جیسی کسی حاجتِ دُنیویہ کے بغیر آپ کے درِ دولت پر نیاز مندانہ حاضری دی۔

اس موقع پر آپ کی شانِ استغناء کو دیکھنے اور سننے والے حیرت زدہ رہ گئے۔

اتنے بڑے خاندان اور دُنیا میں اتنی بڑی عزت کے باوجود شادی میں

اس قدر سادگی وہی اختیار کر سکتا ہے جس کے قلب میں دنیا کی کوئی وقعت نہ ہو۔

گرچہ بدنامی ست نزدِ عاقلان
ما نمی خواہیم ننگ و نام را

"اگرچہ دنیوی عقل والوں کے خیال میں یہ بدنامی ہے مگر ہم ایسی عزتِ دنیویہ کے طالب نہیں۔"

پیرانی صاحبہ کے نصیحت آموز حالات:

حضرت والا نے پیرانی صاحبہ کی جو خصوصیات ذکر فرمائیں وہ ایک جنتی بی بی کی علامتیں ہیں، چنانچہ فرمایا:

"فنائیت اس قدر غالب ہے کہ کسی معاملہ میں دریافت کرنے پر بھی رائے نہیں دیتیں، ہمیشہ یہی جواب ملتا ہے:

"جیسی آپ کی رائے ہو۔"

سُنا ہے کہ لوگوں نے اولاد کے رشتے طے کرنے کا معاملہ شرع و عقل دونوں کے سراسر خلاف خالصۃً عورتوں کے سپرد کر رکھا ہے، مگر یہاں اس معاملہ میں بھی ان کا وہی جواب:

"جیسی آپ کی رائے ہو۔"

گھر کا کام خود کرتی ہیں۔ ایک بار ان کی بیماری کی وجہ سے کام کے لئے میں نے اپنے مزارعین میں سے ایک عورت کو بلوایا، مگر میں نے جب یہ دیکھا کہ انھوں نے اس عورت کو تو مہمان کی طرح بٹھا رکھا ہے اور بیماری کی حالت میں بھی کام خود ہی کر رہی ہیں تو میں نے اس

عورت کو واپس کر دیا۔ نہایت کم گو اور خلوت پسند ہیں۔

کہیں آنے جانے سے طبعی انقباض، حتیٰ کہ بھائی بہنوں کے ہاں بھی بہت کم جاتی ہیں۔

گفتار، رفتار، خوراک، پوشاک ہر چیز میں سادگی اور متانت۔

بلا ضرورت کوئی چیز نہیں منگواتیں۔

لباس بہت مختصر، سردیوں گرمیوں کے لباس کا مجموعہ زیادہ سے زیادہ چھ جوڑے، ہر عید کے لئے نیا جوڑا بنانے کا دستور نہیں۔ لباس میں وقار اور شائستگی کے ساتھ سادگی، کسی قسم کے فیشن اور مصنوعی سنگار سے نفرت۔

زیور بھی بہت ہی مختصر سا ہے، اور جو ایک بار بن گیا وہی چل رہا ہے، نہ زیادہ کی خواہش اور نہ ڈیزائن بدلنے کی۔

خداداد وقار کی وجہ سے خاندان کے لوگ "ملکہ" کہتے ہیں۔

کھانے پینے کے معاملہ میں بھی بے حد سادگی، مختلف اقسام کے لذیذ کھانوں کی ہوس نہیں، خود زیادہ کھانے کی بجائے دوسروں کو کھلا دینے کی عادت ہے۔

مرض میں دواء کی بجائے دُعاء کی طرف توجہ، دواء لیتی بھی ہیں تو بہت ہلکی پھلکی، اونچے علاج سے پرہیز۔

اس قدر سادگی کے ساتھ نظافت و صفائی کا ایسا اہتمام کہ زیب و زینت کی دلدادہ خواتین کو اُس کی ہَوا بھی نہیں لگی۔

زیادتی کرنے والوں سے ہمیشہ درگزر کرنے کی عادت ہے، کسی کی زبان درازی پر بھی بالکل خاموش رہتی ہیں۔ ہمارے پڑوس میں ایک

مولوی صاحب رہتے تھے۔ ایک بار بچوں کی آپس میں کسی بات پر مولوی صاحب کی بیوی بے لگام ہوگئیں۔ چلّا چلّا کر بدزبانی کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ ہم اپنے گھر میں بیٹھے سب کچھ سُن رہے تھے، بلکہ وہ چیخ چیخ کر سُنا رہی تھیں۔ میں نے خیال ظاہر کیا کہ مولوی صاحب سے کہتا ہوں کہ انھیں سمجھائیں، مگر اہلیہ بہت لجاجت سے بولیں:

”نہیں! آپ ان سے بالکل نہ کہیں ہمیں صبر ہی کرنا چاہیئے۔“

یہ قصہ سُن لینا تو بہت آسان ہے مگر اس پر عمل کرنا دل گردے کی بات ہے، کسی کے سر پر گزرے تو پتا چلے۔

فکرِ آخرت اس قدر کہ ایک بار بہت شدید و مدید مرض میں ابتلاء ہوا، مسلسل ایک سال سے بھی زیادہ عرصہ بہت سخت تکلیف میں گزرا، انھوں نے کبھی ایسے امراض میں بھی روزہ نہیں چھوڑا تھا جن میں بڑے بڑے دیندار لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کی ہمت نہیں ہوتی، مگر یہ معدہ کا ایسا شدید مرض تھا کہ اس میں تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد معدہ میں غذا پہنچائے بغیر کوئی چارۂ کار نہ تھا، اس لئے کچھ روزے نہ رکھ سکیں، ایک بار مرض کے شدید دورہ کی حالت میں بولیں:

”یا اللہ! مجھے بس اتنی زندگی دے دے کہ چھوٹے ہوئے روزے قضاء رکھ لوں۔“

اُس وقت بچے سب چھوٹے تھے۔ خطرۂ موت کے وقت بچوں کی فکر کی بجائے روزوں کی فکر ربِّ کریم کی عطاء ہے۔

میرے ساتھ تعلقِ محبت و اطاعت بدرجۂ فنائیت، صرف اپنے ہی گھر سے اُنس و دلبستگی اور اسی میں راحت و سکون، قریب تر اعزہ و

اقارب کے ہاں بھی آمد و رفت سے وحشت۔ یہ حالات دیکھ کر خاندان میں مشہور ہو گیا کہ میں نے ان پر عملِ تسخیر کیا ہے۔"

پھر حضرت والا نے کم آمیزی کے دو واقعات بیان فرمائے،

① ——— جب ہم دارالعلوم کراچی میں تھے، اس وقت ایک بار حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی والدۂ محترمہ نے سب اساتذہ کی بیویوں کی دعوت کی۔ میں نے ان سے بھی جانے کو کہا، تو سنتے ہی ان پر انقباض سا ظاہر ہوا۔ میں نے یوں ترغیب دی:

"حضرت مفتی صاحب میرے استاذ ہیں، اس رشتہ سے اُن کی والدۂ محترمہ ہماری دادی ہیں، اس لئے اُن کی دعوت قبول کرنا چاہئے۔"

مگر اس پر بھی تیار نہ ہوئیں، تو میں نے اصرار مناسب نہ سمجھا۔ کچھ دیر بعد حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ خود میرے مکان پر تشریف لائے اور ان کے نہ آنے کی وجہ دریافت فرمائی۔ جب میں نے ساری بات عرض کر دی تو مطمئن ہو کر فرمایا:

"اچھا کوئی بات نہیں، ہم نے سمجھا کہیں کوئی ناراضی تو نہیں۔"

② ——— ایک بار دارالعلوم ہی میں حضرت پھولپوری قدس سرہ نے مع محترمہ پیرانی صاحبہ کئی روز قیام فرمایا، مگر یہ پیرانی صاحبہ سے ملنے نہیں گئیں۔ میں نے سوچا کہ کہیں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کو اس بات کا خیال آئے، اس لئے خدمت میں حاضر ہو کر حقیقت حال عرض کر دی تو حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"یہ سلامتِ طبع کی دلیل ہے۔"

اولاد

اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو جہاں علم، تقویٰ، زہد اور ظاہری و باطنی سب خوبیوں سے نوازا، وہاں اولاد کی نعمت سے بھی مالا مال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو چار صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں عطاء فرمائیں، جن میں سے ایک صاحبزادہ اور دو صاحبزادیوں نے بچپن ہی میں داعیِ اجل کو لبیک کہا، اور ریاضِ جنّت کے پھولوں میں جگہ پائی۔ حضرت والا نے فرمایا:

> ”حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین نابالغ بچوں کی وفات پر والدین کو جنّت کی بشارت دی ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمارے حق میں اس کا سامان پیدا فرما دیا۔“

تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں بفضلہ تعالیٰ بقیدِ حیات ہیں جن کی تفصیل مع تاریخِ ولادت مندرجِ ذیل ہے:

① صفورہ: ——— جمعرات ۵؍ذی القعدہ سنہ ۱۳۶۷ھ ۹؍ستمبر سنہ ۱۹۴۸ء
تاریخی نام حمیدہ (۶۷)

② محمد: ——— بدھ ۱۲؍جمادی الآخرہ سنہ ۱۳۷۰ھ ۲۰؍مارچ سنہ ۱۹۵۱ء
تاریخی نام محفوظ القادر (۱۳۷۰)۔ مظفرِ خالق (۱۹۵۱)

③ احمد: ——— جمعہ ۲۱؍شوال سنہ ۱۳۷۲ھ ۲؍جولائی سنہ ۱۹۵۳ء
تاریخی نام ایاز احمد (۷۲)۔ احمد (۵۳)

④ حامد: ——— پیر ۳؍محرم سنہ ۱۳۷۵ھ ۲۲؍اگست سنہ ۱۹۵۵ء
تاریخی نام حبیب احمد (۷۵)۔ مجیب (۵۵)

⑤ اسماء: ——— بدھ ۱۵؍رجب سنہ ۱۳۷۷ھ ۵؍فروری سنہ ۱۹۵۸ء
تاریخی نام آسیہ (۷۷)

ماشاء اللہ! ساری ہی اولاد ایک سے بڑھ کر ایک قابل، والد کی طرح حُسنِ قامت، رُخ و زبان میں بشاشت و طلاقت، دل و دماغ میں فطانت و زکانت، مزاج و طبیعت میں ظرافت، نظافت، لطافت، ہر وصف میں ممتاز۔

بچوں کی تعلیم:

تینوں صاحبزادے ماشاء اللہ! دارالعلوم کراچی سے فارغ التحصیل ہیں کراچی میں تعلیم پوری کرنے کے بعد کچھ عرصہ بڑے اور منجھلے صاحبزادے مولوی محمد اور مولوی احمد نے دارالعلوم کراچی ہی میں تدریس اور دارالافتاء میں کام کا سلسلہ اختیار کیا، اور چھوٹے صاحبزادے مولوی حامد دارالعلوم ٹنڈو اللہیار میں استاذ ہے۔ بعد ازاں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دارالعلوم کے مفاد کے لئے سعودی سفیر سے معاہدہ کے تحت صرف ایک سال کے لئے تینوں صاحبزادوں کو مدینہ منورہ کے جامعہ میں بھیج دیا، مگر حکومتِ سعودیہ نے انہیں دارالعلوم کراچی واپس بھیجنے کا وعدہ پورا نہ کیا۔ بلکہ تینوں کو مختلف ممالک میں دینی اداروں میں علومِ اسلامیہ کی تدریس اور غیر مذاہب میں اسلام کی تبلیغ کے لئے بطورِ مبعوث متعین کر دیا۔ حضرت والا نے فرمایا:

> ”مجھے یہ پسند تھا کہ یہ ان مناصب اور بڑی تنخواہوں کی بجائے اکابر کے طریقہ پر سادگی کے ساتھ پاکستان ہی میں غیر سرکاری دینی اداروں میں تدریسِ علمِ دین و افتاء کی خدمت کرتے۔“

بچیوں کی تعلیم

بڑی صاحبزادی صفورہ سلمہا اللہ تعالیٰ:۔ تجوید القرآن، اُردو دینیات، تمرینِ قواعدِ صرف و نحو عربی، ترجمۃ القرآن۔

چھوٹی صاحبزادی اسماء سلمہا اللہ تعالیٰ، حفظِ قرآن مع تجوید، اُردو دینیات، عربی صرف ونحو میں غیر معمولی مہارت، ریاض الصالحین، ترجمۃ القرآن۔

حضرت والا کے تینوں صاحبزادے اور چھوٹی صاحبزادی حافظ اور قاری ہیں، بڑی صاحبزادی صفورہ سلمہا اللہ تعالیٰ عالمہ تو ہیں مگر حافظہ نہیں ہیں، لیکن یہ کمی یوں پوری ہوگئی کہ بڑے داماد مولوی عبدالستار صاحب ماشاء اللہ حافظِ قرآن ہیں، زمیندار گھرانے سے تعلق ہے، اور اسلام آباد میں ایک تجارتی ادارہ میں حصہ دار ہیں، حضرت والا کے خاندان ہی کے ہیں، پورا کنبہ ہی عالم، حافظ اور قاری۔

مَاشَآءَ اللّٰهُ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

"ماشاء اللہ! جو کچھ بھی ہے محض اللہ تعالیٰ کی دستگیری سے ہے۔"

این خانہ ہمہ آفتاب ست

"یہ پورا گھرانا ہی آفتاب ہے۔"

حضرت والا کے دوسرے داماد میاں محمد سلیم سلمہ اللہ تعالیٰ ماشاء اللہ بڑے صالح نوجوان ہیں۔ بی، ایس، سی، ہیں اور کراچی کے ایک مقامی تجارتی ادارہ سے منسلک ہیں، انہیں نیکی کی بدولت اللہ تعالیٰ نے کیسے بلند وبرگزیدہ خاندان سے جوڑا، اور عالمہ، حافظہ، قاریہ رفیقۂ حیات کی دولت سے نوازا۔

اولاد کی شادی میں سبق آموز سادگی:

حضرت والا نے صاحبزادیوں کی شادی کس طرح کی؟

اس بارہ میں ایک مخلص کی درخواست پر ارشاد فرمایا:

پہلے نکاح کے بارہ میں سیدِ دو عالم محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سُنئے:

① عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تُنْکَحُ الْمَرْأَةُ لِاَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِیْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّیْنِ تَرِبَتْ یَدَاكَ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَمُسْلِم۔

"کسی عورت سے نکاح کرنے میں اس کی چار چیزیں دیکھی جاتی ہیں، اس کا مال، حسب، جمال، دین۔ تم دیندار عورت کو منتخب کرو۔"

مرد کے انتخاب کا بھی یہی حکم ہے کہ رشتہ کے لئے دیندار مرد کو منتخب کیا جائے۔

② عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الدُّنْیَا مَتَاعٌ وَّ خَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ۔ رَوَاهُ مُسْلِم۔

"دنیوی سامان میں نیک بیوی سب سے بہتر ہے۔"

③ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَعْظَمَ النِّسَاءِ بَرَکَةً اَیْسَرُهٗ مَئُوْنَةً۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

"سب سے زیادہ بابرکت نکاح وہ ہے جس میں تکلفات سب سے کم ہوں۔"

④ وَعَنْهَا رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَعْظَمِ النِّسَاءِ بَرَکَةً اَیْسَرُهُنَّ صَدَاقًا۔

رواہ البیہقی فی السنن الکبری۔

"سب سے زیادہ بابرکت وہ عورت ہے جس کا مہر سب سے کم ہو۔"

اب سنیے! میں نے اپنی بچیوں کے نکاح کیسے کئے،

"بڑی بچی صفورہ کی کم سنی ہی میں والدۂ مرحومہ نے مجھ سے بڑی ہمشیرہ کے صاحبزادہ سے نسبت طے فرمادی تھی۔ بہن اور بہنوئی ماشاء اللہ بہت نیک اور صالح ہونے کے ساتھ ساتھ بہن حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ سے بیعت اور بہنوئی عالمِ دین، اس لئے ظنِ غالب تھا کہ اولاد بھی والدین کی طرح صالح ہوگی۔ کچھ عرصہ بعد میری والدۂ محترمہ انتقال فرماگئیں۔ ادھر بھانجے کو ان کے والد نے اسکول میں داخل کرا دیا۔ جب صاحبزادہ بڑے ہو کر کالج میں پہنچے تو ہمشیرہ صاحبہ نے نہایت افسوس کے ساتھ خط لکھا:

"لڑکے نے کالج میں جا کر رنگ بدل لیا ہے۔ اور ڈاڑھی منڈانا شروع کر دی ہے۔"

میں نے ہمشیرہ کو لکھا:

"بچہ کو سمجھائیں اور میری طرف سے بھی تبلیغ کریں۔"

ہمشیرہ صاحبہ کا جواب آیا:

"ہم نے یہ سب کچھ کرنے کے بعد مایوس ہو کر آپ کو اطلاع دی ہے۔"

میں نے اس کے جواب میں ہمشیرہ صاحبہ کو لکھا:

"میرے نزدیک اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ سب رشتوں سے مقدم ہے، اس لئے میں اس نسبت کو ختم کرتا ہوں۔"

ہمشیرہ صاحبہ کی دینداری اور عالی حوصلگی دیکھئے کہ انھوں نے اس بات پر اظہارِ مسرت کیا، اور لکھا:

"دینداری کا یہی مقتضی ہے۔"

اس قسم کا رشتہ منقطع کرنے میں بظاہر لوگوں کی نظر میں بہت مشکلات

سمجھی جاتی ہیں، مثلاً بہن اور بھانجے کا معاملہ ہے، ممکن ہے کہ رشتہ منقطع کرنے سے تمام تعلقات منقطع ہوجائیں، ہمشیرہ صاحبہ کی دل شکنی نہ ہوجائے، بالخصوص جبکہ بڑی ہمشیرہ ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ نسبت محترمہ والدہ صاحبہ نے اپنی زندگی ہی میں خود طے فرمادی تھی، اس لئے ایسی نسبت کو والدہ کے انتقال کے بعد منقطع کرنا بہت معیوب سمجھا جاتا ہے، مگر بحمداللہ تعالیٰ یہاں اس قسم کی باتوں کا یا کسی رسم و رواج کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

بچیوں کی شادی کے سلسلہ میں صالح شخص پر خود رشتہ پیش کرنے کی سعادت کے بارہ میں تدریسِ صحیح بخاری کے زمانہ میں

بَابُ عَرْضِ الْاِنْسَانِ ابْنَتَهٗ اَوْ اُخْتَهٗ عَلٰی اَهْلِ الْخَیْرِ.

"اپنی بیٹی یا بہن کا رشتہ نیک لوگوں پر خود پیش کرنے کا باب"

اور اس کے تحت حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل بار بار نظر سے گزرتا رہا، اور اس کا خیال آتا رہا کہ یہ فضیلت ضرور حاصل کی جائے۔ چنانچہ بڑی بچی کے رشتہ سے متعلق کچھ باتیں سننے میں آئیں اور اندازہ ہوا کہ فلاں جگہ سے بچی کے لئے رشتہ کا پیغام آئے گا، تو میں نے عمل بالحدیث کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے از خود پیش کش کردی، اور لڑکے کے دادا اور نانا سے رشتہ کے بارہ میں بالمشافہہ کہہ دیا، ورنہ عام طور پر واسطوں کے ذریعہ بات چلتی ہے، اور معاملہ طول پکڑتا ہے۔

چھوٹی بچی کی شادی کے سلسلہ میں بھی دوسری ہمشیرہ صاحبہ نے اپنے صاحبزادہ کے لئے رشتہ مانگا حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

نے بھی اس پر پسندیدگی کا اظہار فرمایا، لیکن مجھے بھانجے میں صلاحیت کے آثار نظر نہ آئے تو میں نے ایک دوسرے لڑکے کا انتخاب کرلیا، جسے اس رشتہ کا وہم وگمان بھی نہیں تھا۔ چونکہ اس لڑکے کا کوئی ولی نہیں تھا، اس لئے میں نے خود لڑکے کو بلا کر اس سے کہہ دیا۔"

صاحبزادوں کی شادی بھی حضرت والا نے اسی طرح سادگی اور شریعتِ مطہرہ ومقدسہ کے عین مطابق کی۔ منجھلے صاحبزادہ مولوی احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کے رشتہ کی بات پیرانی صاحبہ کے بھانجے اور بھانجی کی صاحبزادی سے طے پاچکی تھی، بھانجے اور بھانجی کی لڑکی گویا نواسی سے رشتہ طے پایا۔ حضرت والا کو بہو کی دینی تعلیم کے سلسلہ میں فکر لاحق ہوئی، اور لڑکی کی تعلیم کو ناکافی خیال کرکے اُن کے والدین کو اس طرف توجہ دلائی، تو انہوں نے کہا:

"حضرت والا بچی اپنے پاس لے جائیں اور اپنی ذاتی نگرانی میں تعلیم مکمّل کروالیں۔"

حضرت والا نے فرمایا:

"میں غیر محرم لڑکی کو اپنے پاس کس طرح رکھ سکتا ہوں؟"

لڑکی کے والدین نے کہا:

"حضرت ہم تو خود آپ کی اولاد کی طرح ہیں (یعنی پیرانی صاحبہ کی طرف سے بھانجا اور بھانجی ہیں) اور یہ بچی تو آپ کی نواسی کی طرح ہے۔"

حضرت والا نے ارشاد فرمایا:

"شریعت میں طرح ورح کچھ نہیں، لڑکی میرے لئے غیر محرم ہے، ہاں ایک طریقہ ہوسکتا ہے کہ آپ مجھے اس صاحبزادی کے نکاح کا وکیل

بنادیں، تاکہ میں اس کا اپنے لڑکے سے نکاح کر دوں، پھر وہ میرے پاس رہ سکتی ہے۔"

انہوں نے بخوشی اجازت دے دی۔ ایک روز حسبِ معمول جمعہ کی مجلسِ ارشاد میں بغیر کسی سابق اعلان اور اہتمام کے حضرت والا نے صاحبزادہ کا نکاح اُس لڑکی سے کر دیا، اور بعد میں خط کے ذریعہ اپنے صاحبزادہ میاں احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کو اطلاع کر دی جو اس وقت مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مقیم تھے، تب حضرت والا نے اس بچی کو اپنے پاس بلوا کر اس کی تعلیم حسبِ خواہش اپنی ذاتی نگرانی میں پوری کروائی۔

لڑکی اور اس کے والدین کے علاوہ لڑکا اور اس کی والدہ بھی اُس وقت کراچی میں نہیں تھے۔

دوسری اولاد کی شادی بھی بہت سادگی سے ہوئی۔ دعوتِ ولیمہ میں تین نمبر قائم فرمائے:

① اکابر علماء و مشایخ: حضرت مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت ڈاکٹر عبد الحیٔ صاحب، مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا احتشام الحق تھانوی۔
② دار العلوم کورنگی کے درجۂ علیا کے اساتذہ وطلبہ۔
③ اپنی مسجد کے ڈاڑھی والے نمازی۔ مسکرا کر فرمایا کہ دوسرے نابالغ ہیں۔

حضرتِ والا کا یہ ارشاد نظرِ ظاہر بین میں تو صرف ایک لطیفہ ہی دکھائی دیتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ کا یہ عمل بھی اتباعِ شریعت پر مبنی ہے، آپ اپنی مجالس وعظ و ارشاد میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد:

لَا یَأْکُلْ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِیٌّ.

"تیرا کھانا سوائے متقی آدمی کے کوئی نہ کھائے۔"

بکثرت بیان فرماتے رہتے ہیں، پھر اس کی وضاحت یوں فرماتے ہیں:

"اس میں طعامِ دعوت مراد ہے، طعامِ حاجت مراد نہیں، حاجتمند مسکین کو کھلانا بہرحال ثواب ہے اگرچہ وہ متقی نہ ہو مگر متقی مسکین کو کھلانا زیادہ ثواب ہے، علاوہ ازیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد میں اس بات کی بھی تعلیم دی ہے کہ رشتہ داریاں اور دنیوی تعلقات قائم کرنے میں انسان پر لازم ہے کہ متقی لوگوں کو تلاش کرے، چونکہ آمد ورفت اور کھانے پینے کے مواقع عموماً اہلِ تعلق ہی سے پیش آتے ہیں، اس لئے اس صورت میں آپ کا کھانا متقی لوگ ہی کھائیں گے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے جس طرح غیر متقی کو کھانا کھلانے سے منع فرمایا ہے اسی طرح فاسق کی دعوت قبول کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔"

اس کی تفصیل عنوان "اکابر کے ساتھ موافقت" میں گزر چکی ہے۔

کراچی میں حضرت والا کا کوئی قریبی رشتہ دار نہیں، نکاح یا ولیمہ میں شرکت کے لئے باہر سے کسی رشتہ دار کو نہیں بُلایا۔

بڑی صاحبزادی کے نکاح پر دولہا سمیت صرف تین آدمیوں کو آنے کی اجازت عنایت فرمائی۔ یہاں پہلے سے کسی کو علم نہیں تھا، بعد نمازِ عصر اعلان فرمایا:

"سنّت کے مطابق نکاح ہوگا، جو حضرات شریک ہونا چاہیں تشریف رکھیں۔"

چھوٹی صاحبزادی کے نکاح کا قصہ اس سے بھی زیادہ عجیب ہے۔

ایک مولوی صاحب کی صاحبزادی کی مجلسِ نکاح میں حضرت والا کے بننے والے داماد بھی شریک تھے، جن سے صاحبزادی کی نسبت تو طے پا گئی تھی مگر تاحال

شادی کی کوئی تاریخ متعین نہیں ہوئی تھی، حضرت والا نے بارات والے دولہا کا نکاح پڑھانے کے بعد "دولہا بے بارات" کو بلا کر فرمایا:

"بیٹھ جائیے، آپ کے نکاح کا معاملہ بھی ساتھ ہی نمٹا دوں۔"

ان سے اپنی صاحبزادی کا نکاح پڑھا دیا۔ نکاح سے پہلے نہ گھر کے اندر کسی کو اس کا علم تھا نہ باہر۔ بعد میں فرمایا:

> "میں نے یہ طریقہ اس لئے اختیار کیا کہ مولوی صاحب اپنی صاحبزادی کے نکاح کے سلسلہ میں کئی روز سے پریشان نظر آرہے تھے، بار بار مجھ سے مشورے کرتے تھے، میں نے عمل سے ثابت کر دیا کہ نکاح کرنا بہت آسان کام ہے، جسے لوگوں نے فضول رسموں اور خرافات میں پڑ کر بہت مشکل بنا رکھا ہے۔"

'کیا اس طرح کی مثال آج کے علماء اور بزرگوں میں دیکھنے کو ملتی ہے؟ اُن کے یہاں بھی وہی دنیاداروں کی طرح رسوم کی پابندی اور خرافات کا سامان اب ایک عام بات ہوگئی ہے۔

حضرت والا کا حفظِ قرآن:

حضرت والا نے اپنے حفظِ قرآن کے بارہ میں ارشاد فرمایا:

> "جب تینوں لڑکوں کے حفظِ قرآن کے بعد ۱۳۸۷ھ میں چھوٹی بچی اسماء سلمہا اللہ تعالیٰ نے بھی حفظِ قرآن کی تکمیل کرلی تو خیال ہوا کہ میں نے اپنے بچوں کو حافظ بنا کر اپنے لئے اور اپنی اہلیہ کے لئے جنت میں تاج کی فضیلت کا سامان تو کرلیا، لیکن اپنے والدین کے لئے میں نے کچھ نہیں کیا، اس پر حفظِ قرآن کا داعیہ پیدا ہوا،

چنانچہ گوناگوں مصروفیات کے باوجود تقریباً تین ماہ کی مُدّت میں قرآن کریم حفظ کرلیا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔"

حضرت والا نے فرمایا:

"تجربہ سے ثابت ہوا کہ میں ایک گھنٹے میں ایک پارہ بسہولت حفظ کرسکتا تھا، چنانچہ پہلی بار پورا رکوع دیکھ کر توجہ سے ذہن نشین کرکے پڑھتا، دوسری بار زبانی پڑھتا تو چند الفاظ میں اٹکتا، تیسری بار میں پورا رکوع بالکل صاف ہوجاتا۔"

حضرتِ والا کو بچپن سے ہی کلام اللہ کے ساتھ خاص شغف اور حفظِ قرآن کا بہت شوق تھا مگر اسباب میسّر نہ ہونے کی وجہ سے اس وقت یہ تمنا پوری نہ ہوسکی، اس حسرت سے قلب بے قرار رہتا تھا، بالآخر چھیالیس برس کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے یہ سعادت بھی عطاء فرمادی۔

حضرتِ والا کو قرآنِ کریم کے ساتھ خصوصی تعلق کی دولت باپ دادا سے وراثت میں ملی ہے، آپ کے والدِ ماجد رحمہ اللہ تعالیٰ قرآن سے والہانہ تعلق رکھتے تھے۔

آپ اپنے خصوصی حالات اور باطنی کیفیات حضرتِ والا کی طرف لکھتے رہتے تھے، پوری اولاد میں سے صرف حضرتِ والا کے ساتھ ایسا خصوصی تعلق حضرتِ والا کے باطنی مقام کی وجہ سے تھا، اولاد میں سے کسی دوسرے کے ساتھ یہ خصوصی معاملہ نہ تھا، ایک بار خط میں لکھا:

"مسجد سے بجلی چلی گئی تھی، میں نے تراویح کے بعد چراغ کی لَو پر قرآنِ کریم پڑھنا شروع کیا اور نمازِ فجر تک پورا قرآن ختم کرلیا۔"

اس واقعہ میں امورِ ذیل قابلِ توجہ ہیں:

① اس وقت آپ کی عمر تقریباً ترانوے سال تھی۔

۲ آپ حافظ نہ تھے اور چراغ کی لَو جیسی بہت دھیمی روشنی پر دیکھ کر تلاوت فرما رہے تھے۔

۳ موسم گرما کی وجہ سے راتیں بہت چھوٹی تھیں۔

۴ اس وقت مسجد بہت چھوٹی سی تھی، جس میں بجلی نہ ہونے کی وجہ سے بہت حبس، گرمی اور مچھروں کی یلغار۔

ان مشکلات کے ساتھ اتنی چھوٹی رات میں تراویح سے فارغ ہونے کے بعد نمازِ فجر تک پورا قرآن ختم۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

”یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔“

آپ بوقتِ وصال بہت بلند آواز سے اور بڑے مزے لے لے کر یہ شعر پڑھ رہے تھے،

روزِ محشر ہر کسی در دست آرد نامہ
من نیز حاضر می شوم تفسیرِ قرآن در بغل

”بروزِ محشر ہر شخص اپنے ہاتھ میں نامۂ اعمال لائے گا، میں بھی بغل میں تفسیرِ قرآن لے کر حاضر ہوں گا۔“

یہ شعر ایسے جذب اور وجد سے پڑھ رہے تھے کہ دیکھنے سننے والوں کے قلوب موم ہو رہے تھے، اس کے ساتھ یہ شعر بھی ؎

اے مرے محبوب میرے دلربا
مجھ کو آغوشِ محبت میں بٹھا

اس سے ثابت ہوا کہ آپ کو کلامِ محبوب میں جلوۂ محبوب نظر آ رہا تھا، آپ کے اور حضرت والا کے وارداتِ قلبیہ کا چشمہ بھی قرآن ہی ہے جس کی تفصیل تیسری جلد میں ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۝
فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۝ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ۝

ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کر دینا اور اس کا پڑھوا دینا۔ تو جب ہم اس کو پڑھنے لگا کریں تو آپ اس کے تابع
ہو جایا کریں۔ پھر ان کا بیان کرا دینا ہمارے ذمہ ہے (۷۵—۱۷ تا ۱۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُہُمْ (۲۲-۳۴،۳۵)

ہستی کا جامہ پھینک لباسِ فنا پہن
کپڑے نئے بدل کے تو جا بزمِ یار میں

تواضع اور سادگی

باریابی کی ہیں شرطوں کا خلاصہ سمجھا
وہی پہنچے گا جو خُود کو مٹا ہی دے گا

تواضع بہترِ و برتر کی روشن مثالیں اور دِلوں کی کایا پلٹ دینے والے حالات
سادگی کے سبق آموز حالات وحیرت انگیز واقعات
تواضع اور سادگی کے حقیقی معنیٰ و مفہوم اور اس سے متعلق گھریلو زندگی اور باہر عام مجامع میں
تابناک اور راہنما اَحوال، جو اصلاحِ باطن کے لئے آبِ حیات اور تریاق سے کہیں اہم۔

تواضع وسادگی

عنوان	صفحہ
جریر —— اور ابو جریر	۲۴۳
گھریلو زندگی کی سبق آموز خصوصیات	۲۴۴
معاشرت میں اسوۂ حسنہ	۲۴۵
سلام میں سبقت کا عجیب واقعہ	۲۴۶
اَنّٰی بِاَرْضِكَ السَّلَامُ	۲۴۷
پیدائشی تواضع اور اس کا اثر	۲۴۷
کبھی ”اولڈز موبیل ریجنسی“ اور کبھی بائیسکل	۲۴۸
صبح کی تفریح میں تواضع، افادہ و استفادہ	۲۴۹
اَعْطُوْا ذَا حَقٍّ حَقَّهٗ	۲۵۰
قیمتی لباس میں سادگی	۲۵۱
قصہ ایک لاکھ تومان کا	۲۵۱

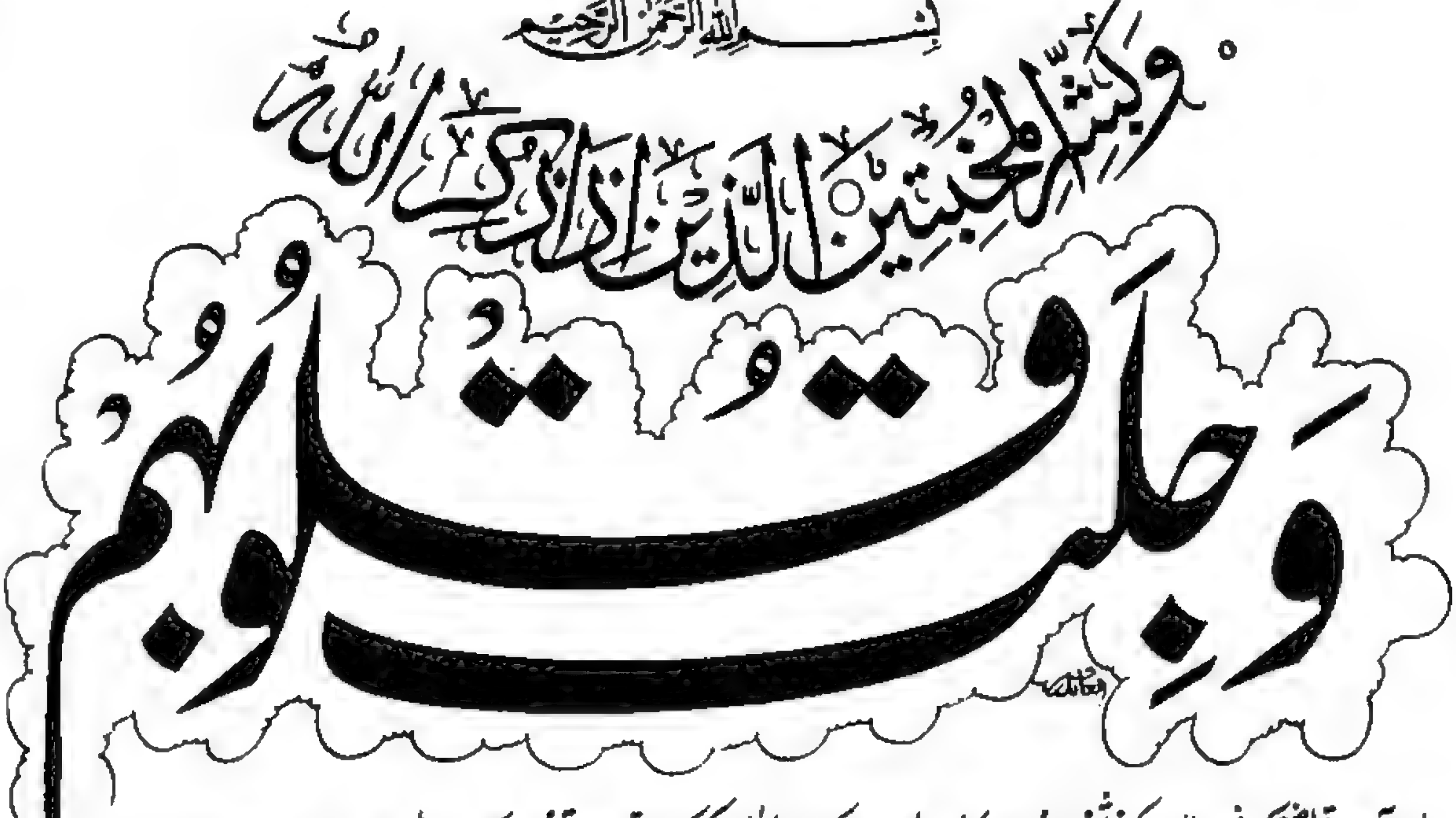
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ
وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ

اور آپ تواضع کرنے والوں کو خوشخبری سُنا دیجئے جو ایسے ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دِل ڈر جاتے ہیں ۔ (الحج: ۳۴-۳۵)

يحبهم ويحبونه أذلة على المؤمنين أعزة على الكفرين يجاهدون في سبيل الله ولا يخافون لومة لائم ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله واسع عليم ۝ (۵-۵۴)

تواضع وسادگی

اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس دامت برکاتہم کو جس طرح دنیوی مال و دولت کی فراوانی، عوام و خواص کی نظروں میں عزت و وجاہت، جسمانی قوت و حسنِ قامت، علومِ ظاہرہ و باطنہ میں فضل و کمال، اپنی معرفت و محبت میں اعلیٰ مقام اور منصبِ ارشاد و اصلاح میں امتیازی شان سے نوازا ہے اسی طرح ان عظیم الشان کمالات کے ساتھ ساتھ تواضع و انکسار کی دولتِ عظمیٰ سے بھی خوب مالا مال فرمایا ہے۔

جریر ـــــ اور ابو جریر:

حضرت والا کے ایک خلیفۂ مجاز نے خط میں آپ کی طرف کچھ زیادہ القاب لکھ دیئے۔ حضرت والا نے جواب میں تحریر فرمایا:

"میرے مداح جریر ہیں اور میں ابو جریر۔"

عرب میں جریر بہت مشہور شاعر گزرا ہے، اس سے کسی نے پوچھا:

"پورے عرب میں سب سے بڑا شاعر کون ہے؟"

اس نے کہا :

" میرے ساتھ میرے گھر چلو، وہاں جا کر بتاؤں گا۔ "

جریر اسے اپنے گھر لے گیا۔ دروازہ پر کھڑا کر کے خود اندر چلا گیا، اندر سے ایک بوڑھے کو اپنے ساتھ باہر دروازہ پر لایا۔ یہ بوڑھا بہت بدصورت تھا مزید بریں بوسیدہ لباس اور پراگندہ بالوں کی وجہ سے انتہائی وحشیانہ منظر سونے پر سہاگا، ڈاڑھی سے دودھ ٹپک رہا تھا۔

جریر نے بتایا :

" یہ بوڑھا میرا باپ ہے، اس کی شکل وصورت تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں اس کے ساتھ یہ بخیل بھی اس قدر ہے کہ بکری کا دودھ کسی برتن میں اس لئے نہیں دوہتا کہ مبادا کسی کے کان میں اس کی آواز پڑ جائے اور وہ دودھ لینے آجائے، اس لئے یہ بکری کا تھن اپنے منہ میں لے کر چوستا ہے، پھر تمیز اتنی کہ دودھ منہ سے باہر گر کر ڈاڑھی پر پھیل رہا ہے اور زمین پر ٹپک رہا ہے۔

میں نے مقابلہ کے مشاعروں میں ایسے باپ کی تعریف میں ایسے اشعار کہے ہیں کہ ان کی بدولت میں نے پورے عرب کے شاعروں پر غلبہ حاصل کر لیا ہے، اب آپ خود ہی فیصلہ کر لیں کہ پورے عرب میں سب سے بڑا شاعر کون ہے۔ "

اس زمانہ میں عرب کے شاعروں میں یہ دستور تھا کہ مقابلہ کے مشاعروں میں اپنے اپنے آباء واجداد کی تعریف میں شعر کہا کرتے تھے۔

گھریلو زندگی کی سبق آموز خصوصیات :

ہمارے حضرت کسی سے پاؤں یا جسم دبوانے سے بہت احتراز فرماتے ہیں،

تواضع کے ساتھ ایسی سادگی کہ اپنے گھر کے چھوٹے موٹے کام خود اپنے ہاتھ سے کر لیتے ہیں، مثلاً کبھی اپنے کمرے کی جھاڑ پونچھ کر لی، جھاڑو دے لی، کبھی پانی کی ٹونٹیوں کی مرمت کر لی، اور کبھی بجلی وغیرہ کا معمولی کام ہو تو وہ خود اپنے ہاتھ سے کر لیتے ہیں، گھر میں کسی سے پانی پلانے کی فرمائش نہیں کرتے بلکہ انتہائی مصروفیت اور ہوش رُبا مشاغل کے باوجود خود اٹھ کر کولر سے پانی لے کر پیتے ہیں۔ کھانے کے لئے کبھی کسی چیز کی فرمائش نہیں کی، جو کچھ بھی گھر میں تیار ہوا کھا لیا، کھانا کھانے کے لئے چٹائی خود بچھاتے ہیں۔ کھانے کے برتن، پانی وغیرہ متعلقات خود جمع فرماتے ہیں۔ کھانے سے فراغت کے بعد ان اشیاء کو خود اٹھا کر سلیقہ سے رکھتے ہیں اور چٹائی خود لپیٹ کر ایک طرف کھڑی کرتے ہیں۔

معاشرت میں اسوۂ حسنہ:

آپ کا سب چھوٹوں بڑوں سے یکساں برتاؤ ہوتا ہے، چھوٹوں کے ساتھ بھی مزاح، دل لگی اور بے تکلفی کی باتیں فرماتے ہیں، سب کے ساتھ کشادہ رُو اور ہشاش وبشاش، دوسرے عُلماء ومشائخ کی طرح آپ کے چہرۂ مبارک پر غیر ضروری انقباض کبھی دیکھنے میں نہیں آیا، امتیازی شان آپ کو بالکل ناپسند ہے، اس لئے ناواقف شخص دیکھ کر یہ بھی نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کوئی معمولی عالم ہیں، چہ جائے کہ اتنے بڑے علامہ اور شیخِ وقت۔

آپ اپنے شاگردوں اور مُریدوں کی مجلس میں تشریف لاتے ہیں تو کسی کو احتراماً کھڑے ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔

ہر شخص کو سلام میں ابتداء فرماتے ہیں، سب چھوٹوں بڑوں حتیٰ کہ اپنے شاگردوں اور مریدوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے، سب کو سلام میں ابتداء فرماتے ہیں، البتہ

جس کی ڈاڑھی شریعت کے مطابق پوری نہ ہو اسے سلام نہیں کہتے، اس لئے کہ فاسق کو سلام کہنا جائز نہیں، مع ھٰذا ایسا کوئی شخص کسی مسجد کے دروازہ پر مل جائے یا اس سے تعارف ہو تو اسے سلام کہتے ہیں، ایسے عوارض کی حالت میں فاسق کو سلام کہنا بلا کراہت جائز بلکہ مستحسن ہے، کیونکہ اسے سلام نہ کہنے سے اس کے دل میں دیندار لوگوں سے نفرت پیدا ہوگی جو دین سے نفرت کا باعث ہوگی۔

سلام میں سبقت کا عجیب واقعہ:

دار العلوم دیوبند میں حضرتِ والا کے استاذِ محترم حضرت شیخ الادب مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارہ میں عام شہرت تھی کہ آپ کو سلام کہنے میں کوئی پہل نہیں کر سکتا۔ یہ حقیقت بہت مشہور اور عام زبان زد تھی کہ خواہ کوئی سلام میں پہل کرنے کی کتنی ہی کوشش کرے وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکتا، اس ناکامی کی وجہ یہ تھی:

> "مولانا سامنے آنے والے شخص کو اتنی دُور سے سلام کہہ دیتے تھے کہ سامنے والا شخص اتنی دُور سے چلا کر سلام کہنے کو خلافِ ادب سمجھتا، اس لئے ذرا قریب پہنچنے کے انتظار میں رہتا، یہ ابھی اسی سوچ ہی میں ہوتا اتنے میں اُدھر سے سلام آپہنچتا۔"

حضرتِ والا نے فرمایا:

> "اللہ تعالیٰ نے میرے قلب میں مولانا کے سامنے سلام میں پہل کرنے کی یہ تدبیر ڈالی کہ میں جب حضرت مولانا کو سامنے سے تشریف لاتے دیکھتا تو نظریں جھکا لیتا، اسی حال میں مولانا کی طرف بڑھتا چلتا، جب پانچ چھ قدم کا فاصلہ رہ جاتا تو یک دم نظریں مولانا کی طرف

اٹھاتے ہی فوراً ساتھ ہی سلام کہہ دیتا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس تدبیر میں کامیاب فرما دیا۔

مولانا اس سے قبل سلام میں ابتداء اس لئے نہیں کر پاتے تھے کہ جب کوئی زیادہ دور ہو اور متوجہ بھی نہ ہو تو اس کو سلام کہنا مشکل ہے، سب سننے والے پریشان ہو جائیں گے کہ معلوم نہیں کس کو سلام کہا ہے۔"

انّٰی بارضك السّلام:

حضرتِ والا کے استاذِ محترم حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرتِ والا کی کثرتِ سلام اور اس میں ہمیشہ ابتداء کرنے اور سب سے سبقت لے جانے کی عادت دیکھ کر فرمایا:

انّٰی بارضك السلام۔

"آپ کے علاقہ میں سلام کہاں سے آگیا؟"

یہ حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کے قصہ کی طرف اشارہ ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حضرت خضر علیہ السلام کے پاس تشریف لے گئے تو آپ نے سلام کہا۔ چونکہ اس علاقہ میں اسلام نہ تھا اس لئے حضرت خضر علیہ السلام کو تعجب ہوا کہ یہ سلام کہنے والا شخص کہاں سے آگیا۔

پیدائشی تواضع اور اس کا اثر:

حضرتِ والا کے والدِ ماجد دین و دنیا ہر لحاظ سے بہت شہرت رکھتے تھے، بہت ممتاز اور عوام و خواص میں بہت معزز اور مقبول۔ ایسے خاندان کی اولاد کا

عوام سے اختلاط اور میل جول بہت معیوب سمجھا جاتا ہے بالخصوص مساکین کے بچوں کے ساتھ کھیل کود۔ مگر حضرتِ والا میں پیدائشی تواضع وسادگی کا یہ اثر تھا کہ مساکین اور اپنے ملازمین ومزارعین اور ان کے بچوں سے گھلے ملے رہتے تھے۔

حضرتِ والا کے والد ماجد نے مواشی کے لئے چارہ لانے اور دوسری زمیندار ضرورات کے لئے ایک گدھا نوکر کو لے دیا تھا، حضرتِ والا کبھی اس گدھے پر بہت شوق سے سواری کرتے اور عوام کے سامنے اس کو بڑے مزے سے چلاتے جبکہ آپ کے پاس بہت اعلیٰ نسل کا بہترین گھوڑا رہتا تھا۔

کبھی گاڑی بان کو ہٹا کر بیل گاڑی خود چلانے لگتے۔

جس زمانہ میں آپ جامعہ دارالہدیٰ ٹھیڑھی میں شیخ الحدیث وصدر مفتی تھے جب گھر تشریف لاتے تو کبھی ملازم یا مزارع سے ہل پکڑ کر خود چلانا شروع کر دیتے، کبھی درانتی لے کر کٹائی کر رہے ہیں، کبھی دیکھا کہ ڈرائیور زمین میں ٹریکٹر سے کام کر رہا ہے تو ٹریکٹر ڈرائیور سے لے کر زمین میں خود چلانا شروع کر دیا۔

اپنی زمین کے کارندوں، ٹریکٹر ڈرائیوروں اور دوسرے ملازمین ومزارعین میں اس طرح نشست وبرخاست کہ کوئی ناواقف امتیاز نہ کر سکتا۔

تواضع میں آپ کا ایسا بلند مقام دیکھ کر لوگ انتہائی حیرت سے کہتے:

> ”علماء میں ایسا بلند مقام، شیخ الحدیث اور صدر مفتی جیسا بڑا منصب، پھر اتنے بڑے زمیندار، اس کے باوجود اپنے نوکروں اور مزارعوں کے ساتھ گفتار، رفتار، نشست، برخاست میں کوئی امتیاز نہ رکھنا، ایسی سادگی اور تواضع کی مثال کہیں دیکھی نہ سنی۔“

کبھی ”اولڈز مبیل ریجنسی“ اور کبھی بائیسکل:

اِس وقت حضرتِ والا کا دینی مقام تو پوری دنیا میں معروف ہے، اس کے

ساتھ دنیوی مقام کی ایک مثال یہ کہ آپ کے پاس ”اولڈز مبیل ریجنسی“، نائنٹی ایٹ، ۳۵۰۰ سی سی، ۸ سلنڈر، گاڑی ہے بلحاظِ تعیّش دنیا میں ممتاز۔ اس گاڑی کو خود چلاتے ہیں، لوگ شوکتِ شاہانہ دیکھ کر آپ کو ”ملک فیصل“ کہتے ہیں۔ اس کے باوجود جب آپ تفریح اور بنوٹ کے مظاہرہ کی غرض سے میدان میں تشریف لے جاتے ہیں تو لوگوں کے سامنے کھلے میدان میں ٹوٹی پھوٹی سائیکل کی سواری سے بھی لطف اندوز ہوتے ہیں، بنوٹ کے علاوہ شاگردوں کے ساتھ عام کھیل کود اور ہنسی مذاق کا شغل بھی رہتا ہے، جبکہ اتنے بڑے مناصب اور دنیا بھر میں شہرت کے علاوہ عمر مبارک بھی ستّر سے متجاوز ہے، اس منظر سے کسی کو تعجب ہوا تو عجیب انداز سے یہ شعر پڑھتے ہیں:

شدم بدنام در عشقش بیا اے پارسا اکنون
نمی ترسم ز رسوائی سرِ بازار می رقصم

”اے پارسا! دیکھ میں اس کے عشق میں بدنام ہو چکا ہوں،
میں رسوائی سے نہیں ڈرتا، سرِ بازار رقص کر رہا ہوں۔“

کہیں آنے جانے میں کسی کو ساتھ لے جانا پسند نہیں فرماتے۔

صبح کی تفریح میں تواضع، افادہ واستفادہ:

بعد نمازِ فجر روزانہ تفریح کے لئے اپنی گاڑی پر باغ میں تشریف لے جاتے ہیں، دو تین طلبہ کو بھی ان کے فائدہ کے مدِّنظر ساتھ لے لیتے ہیں، گاڑی تو جا ہی رہی ہے خالی جانے کی بنسبت کسی کا فائدہ ہو جائے تو بہتر ہے، اس میں طلبہ کو دماغی اور جسمانی تفریح کے علاوہ اس سے کہیں زیادہ آپ کی صحبتِ مبارکہ سے علومِ ظاہرہ وباطنہ اور صلاحیتِ قلب کا فائدہ پہنچتا ہے، آمد و رفت میں بس انوار کی بارش، کبھی تلاوت، مناجاۃ اور ذکر میں مشغول، کبھی محبوبِ حقیقی کی یاد میں کھو کر مکمّل

سکوت۔ آپ خود اپنی اس حالت کی ترجمانی یوں فرماتے ہیں ؎

جو میں دن رات یوں گردن جھکائے بیٹھا رہتا ہوں
تری تصویر سی دل میں کھنچی معلوم ہوتی ہے

رہتا ہے جو سر خم ترا مخمور ہمیشہ
دل میں ترے بیٹھا کوئی دلبر تو نہیں ہے؟

ہر تھوڑی دیر کے بعد بلند آواز سے لفظ "اللہ" سے ملی ہوئی دردناک "آہ" پھر اسی حال میں اچانک ایک دم آپ کا چہرۂ مبارک کھل جاتا ہے، گاڑی میں ساتھ بیٹھے ہوئے اپنے شاگردوں سے ہنسی، مذاق، اس حال کا نقشہ آپ یوں کھینچتے ہیں ؎

روتے ہوئے ہنس دیتا ہوں اک بار ہی بس میں
آجاتا ہے وہ شوخ جو ہنستا مرے دل میں

مزاح، خوش طبعی، دل لگی اور ہنسی مذاق میں بھی اسباقِ معرفت۔

اعطوا ذا حق حقه :

مگر باغ میں پہنچ کر آپ سب کو الگ کر دیتے ہیں، بالکل تنہا رہتے ہیں، اس تنہائی سے دو مقصد ہوتے ہیں :

۱۔ عجائبِ قدرت کے مراقبہ سے دل و دماغ کی تفریح و ترویح، انشراح و تازگی۔

۲۔ اسبابِ شہرت سے اجتناب۔ عام علماء و مشایخ کی طرح اپنے ساتھ شاگردوں اور مریدوں کا مجمع رکھنا آپ کو سخت ناگوار ہے۔

باغ میں دوسرے لوگ جو تفریح کے لئے آتے ہیں وہ جتھوں کی صورت میں

جمع ہوکر دنیوی باتوں میں منہمک رہتے ہیں، حضرت والا ان کے بارہ میں فرماتے ہیں:

> ”یہ لوگ اس وقت کی اور باغ میں آنے کی نعمت کی قدر نہیں کرتے، مقصدِ تفریح کے طریقِ تحصیل سے نابلد ہیں، اس لئے تفریح کے فائدہ سے بے بہرہ رہتے ہیں“

قیمتی لباس میں سادگی :

حضرت والا زندگی کے ہر شعبہ کی طرح لباس و پوشاک میں بھی سادگی پسند فرماتے ہیں، لباس میں انتہائی سادگی لیکن نظافت کا بے حد اہتمام۔ حضرت والا کا لباس بہت قیمتی اور نہایت صاف ستھرا ہوتا ہے، اس کے باوجود سادگی کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا لباس اس زمانہ کے بیشتر علماء و مشایخ کی طرح نقش و نگار سے مزین نہیں ہوتا، جیسے چکن یا گلے اور بازوؤں وغیرہ پر کڑھائی کا کام۔ اسی طرح لباس میں علماء و مشایخ کی وضعداری اور بیجا تکلفات مثلاً صدری، شیروانی، عباء، قباء، جبہ، چوغہ وغیرہ سے مستغنی ہیں۔ علماء و مشایخ کی وضعداری کا ایک جزوِ لاینفک یہ بھی ہے کہ بلاضرورت کمر کے پیچھے کوئی شاندار تکیہ رہنا چاہئے، مگر حضرت والا حالتِ مرض میں بھی اپنی نشست پر تکیہ رکھنے کی اجازت نہیں دیتے۔

قصہ ایک لاکھ تومان کا :

ایک بار ایران کے سفر میں وہاں کے ایک مشہور عالم کو آپ کے لباس میں علماء و مشایخ جیسی وضعداری نظر نہ آئی تو کہنے لگے:

> ”مجھے تو کوئی ایک لاکھ تومان (ایرانی سکہ) بھی دے تو بھی میں ایسے سادہ لباس میں گھر سے باہر نہیں نکل سکتا۔“

اس کے برعکس ہمارے حضرت اقدس دامت برکاتہم نشست و برخاست، بول چال، لباس و پوشاک وغیرہ ہر معاملہ میں ہر قسم کے تکلفات اور وضعداری کی قیود سے بالکل آزاد ع

اے خوشا سرو کہ از بندِ غم آزاد آمد

اس اختلافِ نظر کی ترجمانی ہمارے حضرت یوں فرماتے ہیں ؎

تجھے اے شیخ فکرِ جبّہ و دستار ہو جانا
ہمیں ہستی کا جامہ اور سر بھی بار ہو جانا

کبھی علماء و مشایخ کی وضعداری اور جبّہ و دستار کے بارہ میں بطورِ لطیفہ فرماتے ہیں:

"یہ لوگ علائق کے دس تار اٹھائے پھرتے ہیں اور ہماری آزادیٔ طبع پر ایک تار بھی اٹھانا بہت بار۔

لوگ وضعداری کے چکر میں پریشان اور ہمیں "پرے شان" کرنے میں سکون و اطمینان۔

کوئی مصنوعی شرافت کی فکر سے "شر و آفت" میں گرفتار اور ہم نظرِ اغیار سے بے فکر ہو کر راحت سے سرشار۔"

باطنی مقام اس قدر بلند کہ وہاں تک کسی کی رسائی مشکل ہے اور ظاہری حالت اتنی سادہ کہ عوام سے کوئی امتیاز ہی نہیں۔

آپ کی اس حالت کے مطابق بسا اوقات آپ کی زبانِ مبارک سے یہ اشعار سنائی دیتے ہیں ؎

برخلافِ سالکاں مجذوب کا مسلک ہے یہ
طبع تو ہو زاہدانہ وضع رندانہ رہے

ہے خلافِ وضعِ زاہد برملا رندی اگر
دخترِ رز سے چھپے چوری ہی یارانہ رہے

اپنا دل بھی دیکھ زاہد! میری نظریں دیکھ کر
دل خدا خانہ رہے گو آنکھ بُت خانہ رہے

دن گزارے ساز میں، راتیں گزاریں سوز میں
عمر بھر ہم دن میں بلبل، شب میں پروانہ رہے

مجذوبِ مست سے تجھے نسبت ہی شیخ کیا
تو پارسائے وضع ہے وہ پارسائے دل

نہ میخانہ میں مجھ کو دیکھ کر بدظن ہو اے واعظ
وہاں اے بے خبر کب ہوں جہاں معلوم ہوتا ہوں

ہمارے زہد میں بھی زاہدو! اک شانِ رندی ہے
بیادِ بادہ اکثر نوش، ہم انگور کرتے ہیں

اڑا دیتا ہوں اب بھی تارِ تارِ ہست و بود اک دم
لباسِ زہد و تقویٰ میں بھی عریانی نہیں جاتی

چہ خوش ست با تو بزمے بنہفتہ ساز کردن
درِ خانہ بند کردن سرِ شیشہ باز کردن

"اے محبوب! تیرے ساتھ چھپ کر مجلس بازی کیا ہی اچھی ہے
گھر کا دروازہ بند کرنا اور شرابِ محبت کی بوتل کا منہ کھولنا۔"

چھوٹوں تک سے بھی استفادۂ علم و طلبِ اصلاح

حضرتِ اقدس دامت برکاتہم کو علم و عمل میں ترقی اور اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کی فکر اس قدر دامن گیر رہتی ہے کہ یہ مقصد جہاں سے بھی اور جس سے بھی حاصل ہونے کا امکان ہو اس کی تحصیل کی کوشش میں منہمک رہتے ہیں، اپنے سے بہت چھوٹوں حتی کہ شاگردوں کے شاگردوں تک سے بھی بہت تاکید سے فرماتے رہتے ہیں:

> ”میرے اندر کوئی علمی غلطی یا کوئی عملی کوتاہی نظر آئے تو بتایا کریں، یہاں تک کہ عام بول چال اور گفتگو میں بھی تلفظ کی کوئی غلطی سنیں یا تحریر میں رسم الخط کی کوئی غلطی دیکھیں تو وہ بھی لازماً بتایا کریں۔
>
> اسی طرح میرے اقوال، اعمال اور احوال کی طرف بھی خاص توجہ رکھا کریں، کوئی بات ذرا سی بھی کھٹکے تو بتانے میں غفلت ہرگز نہ کریں۔
>
> اگر زبانی بتانے میں جھجک محسوس کریں تو لکھ کر دے دیا کریں۔“

ایک بار طلبہ کو بھی اپنے اندر اصلاحِ علم و عمل کی ایسی طلب پیدا کرنے کی تلقین فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

> ”قرآن، حدیث اور عقل و تجربہ سے یہ حقیقت ثابت ہے کہ اصلاح کے لئے باہم گفت و شنید اور کہنے سننے کا سلسلہ رکھنا بہت ضروری ہے۔
>
> سورۂ عصر میں یہی ہدایت ہے:

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

"زمانہ شاہد ہے کہ انسان یقیناً بڑے خسارہ میں ہے، مگر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو حق کی فہمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے کو پابندی کی فہمائش کرتے رہے۔"

یعنی باہم عقائدِ صحیحہ واعمالِ صالحہ کی تبلیغ وتلقین کرتے رہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰۃُ الْمُؤْمِنِ۔ رواہ البخاری فی الادب المفرد وابوداؤد والترمذی۔

"ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے آئینہ ہے۔"

اس حدیث کے تین مطلب ہوسکتے ہیں:

۱۔ مؤمنِ کامل کے احوال دیکھ کر اپنی حالت سنوارنے اور اس کے مطابق بنانے کی کوشش کیجئے۔

۲۔ کسی کا عیب دیکھ کر اسے حقیر سمجھنے کی بجائے اپنے عیوب کے تجسس اور ان کی اصلاح کی فکر کیجئے۔

۳۔ جس طرح آئینہ دیکھنے والے کو آئینہ اس کے عیوب دکھاتا ہے اسی طرح مؤمن اپنے مؤمن بھائی کی اصلاح کے لئے اس کے عیوب اسے بتاتا ہے، یہی تفسیر زیادہ بہتر ہے۔

آئینہ سے تشبیہ دینے میں پانچ ہدایات ہیں:

۱۔ عیب بتانے والے کو ہدایت ہے کہ ایسے خلوص، محبت اور

نرمی سے کہے کہ سننے والے کو ناگوار نہ ہو، جس طرح آئینہ ایسے دوستانہ انداز سے عیب ظاہر کرتا ہے کہ دیکھنے والے کو ناگواری نہیں ہوتی۔

۲۔۔۔ سننے والے کو ہدایت دی گئی ہے کہ جس طرح آئینہ میں اپنا عیب دیکھنے والے کو آئینہ پر غصہ نہیں آتا بلکہ اسے نعمت سمجھ کر فوراً اپنے عیب کی اصلاح کرلیتا ہے، اسی طرح عیب بتانے والے پر ناراض ہونے کی بجائے اسے اپنا دوست و محسن سمجھ کر اس کا شکریہ ادا، کرنا چاہئے اور فوراً ازالۂ عیب کر کے اپنی اصلاح اور اس کی ہمت افزائی کرنا چاہئے۔

۳۔۔۔ جس طرح آئینہ صرف دیکھنے والے کو اس کے عیوب دکھاتا ہے، دوسروں کو نہیں، اسی طرح کسی بھائی میں کوئی عیب نظر آئے تو صرف اسی کو خفیۃً بتانا چاہئے، کسی کے سامنے بتانا یا کسی دوسرے کو بتانا جائز نہیں، اس لئے کہ اوّل میں اس کی توہین و فضیحت ہے اور دوسرے میں توہین کے علاوہ غیبت کا عذاب بھی۔

۴۔۔۔ جس طرح آئینہ میں دیکھے بغیر اپنے ظاہری عیوب نظر نہیں آتے، اسی طرح اپنے باطنی عیوب خود کو نظر نہیں آتے، اس لئے ایک دوسرے سے گفت وشنید کے ذریعہ اصلاح کا سلسلہ رکھنا ضروری ہے۔

۵۔۔۔ جس طرح آئینہ کے ذریعہ اپنے عیوب کی اصلاح کے لئے خود آئینہ کی طرف متوجہ ہونا پڑتا ہے، یہ نہیں سوچا جاتا کہ آئینہ از خود

بتائے گا، اسی طرح اس انتظار میں رہنا صحیح نہیں کہ کوئی ازخود میرے عیب مجھے بتائے گا، بلکہ دوسروں سے اپنے عیوب خود معلوم کرنے کی کوشش میں لگے رہنا چاہیے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

رَحِمَ اللّٰہُ امْرَأً اَھْدَیٰ اِلَیَّ بِعُیُوْبِ نَفْسِیْ. (مرقاۃ)

”اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جو میرے عیوب مجھے بتائے۔“

وَقَالَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فِیْ مَجْلِسٍ فِیْہِ الْمُھَاجِرُوْنَ وَالْاَنْصَارُ اَرَاَیْتُمْ لَوْ تَرَخَّصْتُ فِیْ بَعْضِ الْاُمُوْرِ مَاذَا کُنْتُمْ فَاعِلِیْنَ مَرَّتَیْنِ اَوْ ثَلَاثًا فَلَمْ یُجِیْبُوْا. قَالَ بَشِیْرُ بْنُ سَعْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ لَوْ فَعَلْتَ ذٰلِکَ قَوَّمْنَاکَ تَقْوِیْمَ الْقِدْحِ. قَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنْتُمْ اِذًا اَنْتُمْ. کذا فی کتاب العوارف (مرقاۃ).

”حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے مہاجرین وانصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک مجلس میں فرمایا کہ اگر میں بعض کاموں میں کچھ سہل انگاری سے کام لوں تو تم کیا کروگے؟ آپ نے دو تین بار یہی سوال دُہرایا مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ بالآخر حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے کہ اگر آپ نے ایسا کیا تو ہم آپ کو ایسا سیدھا کریں گے جیسے تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

”تم اس وقت ”تم“ ہوگے“۔

حضرت رویم رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا یَزَالُ الصُّوفِیَّۃُ بِخَیْرٍ مَّا تَنَافَرُوْا فَاِذَا اصْطَلَحُوْا هَلَکُوْا۔ (مرقاۃ)

”صوفیہ جب تک ایک دوسرے سے کہنے سننے اور جس میں کوئی عیب ہو اس سے بیزاری ونفرت ظاہر کرنے کا معمول رکھیں گے اس وقت تک خیریت سے رہیں گے، اور جب آپس میں مصالحت اور ایک دوسرے کے عیوب سے چشم پوشی وتسامح سے کام لینے لگیں گے تباہ ہو جائیں گے۔“

ہر چھوٹے بڑے سے اصلاحِ علم وعمل طلب کرتے رہنے میں یہ فوائد ہیں:

۱۔ باہم گفت وشنید جانبین کے علم وعمل میں غیر معمولی ترقی کا ذریعہ ہے۔

۲۔ انسان کو دوسروں کے عیوب تو نظر آتے ہیں مگر خود اپنے عیوب کا پتا نہیں چلتا، لہٰذا دوسروں سے طلبِ اصلاح کی ضرورت ہے۔

۳۔ دوسروں سے اپنے عیوب معلوم کرنے سے ان کی تشجیع و ہمت افزائی ہوتی ہے، پھر وہ بلا تکلف آپ کے عیوب آپ کو بتاتے رہیں گے اور اس طرح آپ کی اصلاح کا سلسلہ جاری رہے گا۔

۴۔ دوسروں سے بالخصوص چھوٹوں سے علم وعمل کی اصلاح طلب کرنے سے عُجب وکبر جیسے مہلک مرض کا علاج ہوتا ہے اور تواضع وانکسار کا کمال حاصل ہوتا ہے۔

قَالَ مُجَاهِدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَا يَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ مُسْتَحْيٍ وَّلَا مُسْتَكْبِرٌ. رواه البخاری۔

”حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شرمیلا اور متکبر شخص علم حاصل نہیں کرسکتا۔“

بس فکر کی بات ہے، جس کے قلب میں فکرِ آخرت اور اصلاحِ علم و عمل کی طلب و تڑپ ہو وہ سکون و چین سے نہیں بیٹھ سکتا، ہر وقت اسی دھن میں رہے گا کہ کہیں سے بھی کچھ مل جائے۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ علم و عمل کے بارہ میں ہر کس و ناکس کی ہر بات قبول بھی کرلیا کرے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ بات سن کر غور کرے، صحیح ہو تو قبول کرے ورنہ نہیں۔ اپنے اندر صحیح و غلط میں فیصلہ کرنے کی صلاحیت و استعداد نہ ہو تو عام تحقیقات میں کسی ماہر عالم اور مسائلِ فقہیہ میں مسلّم مفتی کی طرف رجوع کرے اور اصلاحِ باطن کے لئے کسی ایک متعیّن شیخِ کامل کے ساتھ باضابطہ اصلاحی تعلق قائم کرے، اس میں تعدّد بہت سخت مضر ہے، اس کا قاعدہ یہ ہے:

یکے گیر و محکم گیر ——— ”کسی ایک کو پکڑو اور مضبوط پکڑو۔“

البتہ اگر شیخ میں کوئی دینی نقص ظاہر ہو یا اس سے کسی وجہ سے استفادہ مشکل ہو جائے تو کسی دوسرے شیخِ کامل سے اصلاحی تعلق قائم کرنا لازم ہے، مگر شیخِ اوّل کی شان میں کسی قسم کی گستاخی ہرگز نہ کرے بلکہ اس کو دوسرے کی طرف رجوع کی خبر بھی نہ ہونے دے،

چپکے سے کھسک جائے۔

علم و عمل میں ترقی کے لئے ہر چھوٹے بڑے سے استفادہ کی کوشش میں لگے رہنا لازم ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عالَم سے زیادہ علوم سے نوازنے کے باوجود آپ کو علم میں ترقی کی دُعاء کا حکم فرمایا ہے:

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (۲۰-۱۱۴)

"اور آپ یہ دُعاء کیجئے کہ اے میرے رب میرا علم بڑھا دے۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے:

تَفَقَّهُوْا قَبْلَ اَنْ تُسَوَّدُوْا.

"صاحبِ منصب بننے سے قبل عِلم حاصل کرو۔"

اس سے کسی کو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ صاحبِ منصب بننے کے بعد تحصیلِ علم کی ضرورت نہیں، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل فرمانے کے بعد فرماتے ہیں:

وَبَعْدَ اَنْ تُسَوَّدُوْا.

یعنی صاحبِ منصب بن جانے کے بعد بھی علم حاصل کرتے رہو۔

اندریں رہ می تراش و می خراش
تا دمِ آخر دمی فارغ مباش

"اس راہ میں کوشش میں لگے رہو، آخر دم تک ایک دم بھی فارغ مت رہو۔"

الغرض! چھوٹوں سے بھی استفادۂ عِلم و طلبِ اصلاح کی کوشش میں لگے رہنا چاہئے۔"

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

أُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنفِقُونَ (۲۸-۵۴)

لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِيْ إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا. (صحیح بخاری)

اَحْسِنْ

اِلٰی مَنْ

اَسَاءَ اِلَیْکَ.

(رواہ السیوطی رحمہ اللہ تعالی)

مکارم اخلاق

حضرتِ والا کے مُبارک حالات پر مشتمل یہ باب جہاں اصلاحِ باطن میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے وہاں اصلاحِ معاشرہ، باہم توادد و توافق، قطع نزاعات، صلۂ رحمی، اقرباء واحباب اور پڑوسیوں کے حقوق، عُلماء ومشایخ کے لئے راہِ عمل، عام مسلمانوں کی دنیا و آخرت کی تعمیر و ترقی جیسے اہم موضوعات پر مُحیط ہے، ہر طبقہ کے لئے یکساں مفید ہے اور ہر عام و خاص کے لئے لائحۂ عمل۔

مکارمِ اخلاق

عنوان	صفحہ
بُرائی کا بدلہ بھلائی سے دینا	۲۶۵
مضاربت میں خیانت کرنے پر معافی	۲۶۹
میڈیکل اسٹور والے کے فریب کی پردہ پوشی	۲۷۰
نقصان کر دینے کے باوجود اُجرت	۲۷۰
مضارب کے بیٹے کا جھوٹا بہانہ	۲۷۰
شرکاء پر احسان و ایثار کی عجیب مثال	۲۷۱
چوری کے بہتانِ عظیم پر معافی	۲۷۱
زرعی اراضی پر حکومت کا قبضہ	۲۷۲
گاڑی کو ٹکر مارنے والے ٹرک ڈرائیور کے ساتھ حُسنِ سلوک	۲۷۲
ایک طالب علم کی غلط ڈرائیوری پر	۲۷۲
ایک طالب علم اور کرۂ ارضیہ کا قیمتی کیس	۲۷۳
عرصہ تک غیبت کرنے والے مولوی صاحب کے ساتھ	۲۷۳
بذریعہ جادو قتل کی دھمکی دینے والے مولوی صاحب کے ساتھ	۲۷۳
بوقتِ قیلولہ شور کرنے والے بعض طلبہ کے ساتھ	۲۷۴
کوڑا پھینکنے والے پڑوسی کے ساتھ	۲۷۴
محلے کے گستاخ اندھے کے ساتھ	۲۷۵
مسجدِ حرام میں جوتا چور کے لئے دُعائیں	۲۷۶
شاگرد و خلیفۂ مجاز کی ایذاؤں پر حُسنِ سلوک	۲۷۷
رسالہ ”القول الاظہر“ پر ایک معترض کے ساتھ	۲۷۹
”احسن الفتاویٰ“ سے بغض رکھنے والے ایک مولوی صاحب	۲۸۰
دوسرے کو اپنے قول و فعل کی ایذاء سے بچانے کا اہتمام رکھنا	۲۸۱
بازار سے چیز لانے والے کو فوراً قیمت دینا	۲۸۲
جوتے کے تلے کی صفائی	۲۸۲

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
کسی کے سامنے مسواک کرنے سے احتراز	۲۸۲	خادم کو رقم یاد رکھنے کی زحمت سے بچانا	۲۸۶
کسی کے سامنے چلمچی میں ہاتھ دھونے سے احتراز	۲۸۲	دوسروں کی راحت کے لئے خود اذیت برداشت کرنا	۲۸۶
کسی کے سامنے خلال کرنے سے احتراز	۲۸۳	دوسروں کو نفع پہنچانے کی غرض سے اپنا نقصان برداشت کرلینا	۲۸۷
آم وغیرہ کے چھلکے رکھنے کا سلیقہ	۲۸۳	مساکین وطالبین کے ساتھ خندہ پیشانی وکشادہ روئی سے پیش آنا	۲۸۷
دو شخص کتنے فاصلے سے بیٹھیں؟	۲۸۳	نواب سے بے التفاتی اور مسکین سے دل لگی	۲۸۸
پیروں کے تلووں کا قصہ	۲۸۴	دو مسکین طلبہ پر نوازش	۲۸۸
دوسروں کو کسی تکلیف سے بچانے کی خاطر وہی تکلیف خود برداشت کرنا	۲۸۴	چندے کی خاطر تصویر کھنچوانے والے مہتمم اور حضرت والا	۲۸۹
گھڑی کے سودے میں مستعمل ہونے کا شبہ	۲۸۵	ایک مسکین سے مصافحہ کی خاطر تکلیف برداشت کرنا	۲۸۹
جھگڑا ختم کرنے کے لئے جیب سے دس ہزار	۲۸۵	مولوی احمد صاحب کے ولیمہ پر	۲۹۰
خادم کو زحمتِ انتظار سے بچانا	۲۸۵	ایک شاگرد کی عیادت کے لئے	۲۹۱

مکارم اخلاق

اخلاقِ حمیدہ اخلاص، صبر، شکر، توکل، محبتِ الٰہیہ، تعلق مع اللہ اور غیر اللہ سے استغناء وغیرہ میں حضرتِ اقدس دامت برکاتہم کے اعلیٰ مقام کا بیان اور متعلقہ حالات و واقعات کی تفصیل دوسرے مختلف عنوانات کے تحت درج ہے۔

یہاں حضرتِ والا کے صرف ایسے چند مکارمِ اخلاق کا بیان مقصود ہے جو مخلوق سے تعلق رکھتے ہیں، مثلاً:

☆۱ برائی کا بدلہ بھلائی سے دینا:

اولیاء اللہ کے مکارمِ اخلاق میں سے ایک خلقِ عظیم یہ بھی ہے کہ وہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیتے ہیں، قرآنِ کریم و احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کئی جگہ اس خلق کے فضائل مذکور ہیں اور اس کی بہت تاکید فرمائی گئی ہے، ارشاد ہے:

◇۱ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۝

(۳—۱۳۴)

ایسے لوگ جو خرچ کرتے ہیں فراغت میں اور تنگی میں اور غصہ کے ضبط کرنے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے، اور اللہ تعالیٰ ایسے نکوکاروں کو محبوب رکھتا ہے۔"

◇۲ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِیْنَ۝

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ
اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ (۷ــ ۱۹۹، ۲۰۰)

"سرسری برتاؤ کو قبول کر لیا کیجئے اور نیک کام کی تعلیم کر دیا کیجئے اور جاہلوں سے ایک کنارہ ہو جایا کیجئے۔ اور اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے، بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔"

مطلب یہ کہ غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، اس لئے اس کا علاج یہ ہے کہ غصہ کا خیال آتے ہی اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھ لیا کریں۔

۳ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ○ (۱۳ــ ۲۲)

"اور وہ لوگ جو اپنے رب کی رضا جوئی کے لئے مضبوط رہتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے چھپ کر بھی اور ظاہر کر کے بھی خرچ کرتے ہیں اور نیکی سے بدی کو ٹال دیتے ہیں، آخرت میں اچھا انجام انہی کے لئے ہے۔"

۴ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ○ (۲۳ــ ۹۶)

"آپ ان کی بدی کا دفعیہ بہت اچھے برتاؤ سے کر دیا کریں

ہم خوب جانتے ہیں جو جو کچھ یہ کہا کرتے ہیں۔"

٥ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ○ (٢٥ — ٦٣)

"اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب ان سے جہالت والے لوگ بات کرتے ہیں تو وہ رفعِ شر کی بات کرتے ہیں۔"

٦ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ○ (٢٥ — ٧٢)

"اور وہ بیہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے اور اگر بیہودہ مشغلوں کے پاس کو ہو کر گزریں تو سنجیدگی کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔"

٧ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ (٢٨ — ٥٤)

"ان کو استقامت کی وجہ سے دوہرا اجر ملے گا اور وہ نیکی سے بدی کو ٹال دیتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں۔"

٨ وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ○ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ○ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ (٤١ — ٣٤ تا ٣٦)

"اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، آپ نیک برتاؤ سے ٹال دیا کریں تو یکایک جس شخص کی آپ سے عداوت تھی وہ گہرے دوست جیسا ہو جائے گا۔ اور یہ بات انہیں لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے مستقل ہیں، اور یہ بات اسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحبِ نصیب ہے۔ اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کچھ وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے، بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔"

حسنِ خلق کا حکم فرمانے کے بعد اس کی تحصیل کے تین نسخے بھی ارشاد فرما دیئے؛

۱۔ ہمت اور صبر و استقلال۔

۲۔ دنیا و آخرت کے اجر و ثواب پر نظر۔

۳۔ غصہ کا خیال اور وسوسہ آنے پر اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھنا۔

۹ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ یَغْفِرُوْنَ ○ (۴۲ — ۳۷)

"اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔"

۱۰ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ ط (۴۲ — ۴۰)

"جو شخص معاف کر دے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔"

۱۱ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○ (۴۲-۴۳)

"اور جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے یہ بے شک بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔"

⑫ صِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَاَعْطِ مَنْ حَرَمَكَ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ. رواه احمد رحمه الله تعالیٰ.

"تو اس سے جوڑ جو تجھ سے کاٹے، اور اسے دے جو تجھے محروم کرے، اور اسے معاف کر جو تجھ پر ظلم کرے۔"

⑬ لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِيْ اِذَا قَطَعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا. رواه البخاری رحمه الله تعالیٰ.

"جوڑنے والا وہ نہیں جو بھلائی کے بدلہ میں بھلائی کرے بلکہ جوڑنے والا وہ ہے جو قطعِ رحمی کرنے والے سے جوڑے۔"

⑭ صِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَاَحْسِنْ اِلٰى مَنْ اَسَاءَ اِلَيْكَ. رواه السیوطی رحمه الله تعالیٰ.

"تو اس سے جوڑ جو تجھ سے کاٹے، اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کر جو تجھ سے بدسلوکی کرے۔"

ہمارے حضرتِ اقدس دامت برکاتہم وعمت فیوضہم کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے کمالات کی طرح اس خلق میں بھی کمال عطاء فرمایا ہے، بطورِ نمونہ چند مثالیں تحریر کی جاتی ہیں:

مضاربت میں خیانت کرنے پر معافی:

① ایک شخص نے حضرتِ والا سے تجارت میں لگانے کے لئے بطورِ مضاربت رقم لی، مگر اس نے خیانت کی، رقم تجارت میں لگانے کی بجائے ذاتی مصارف میں خرچ کر ڈالی اور واپس کرنے سے گریز کی پوری کوشش کی۔ ایسا خائن شخص شرعی اور سرکاری قانون کی رو سے بہت سخت مجرم

قرار دیا جاتا ہے، ایسا سخت نقصان پہنچانے کے باوجود حضرتِ والا نے اسے پوری رقم معاف فرمادی، جبکہ وصول کرنے پر مکمل قدرت بھی تھی۔

تفصیل جلد ثانی میں عنوان "غیر اللہ سے استغناء" کے تحت نمبر۱ میں ہے۔

میڈیکل اسٹور والے کے فریب کی پردہ پوشی:

② میڈیکل اسٹور والے نے جھوٹ بول کر اور بزعمِ خود حضرتِ والا کو فریب دے کر دوا کی قیمت کئی گنا زیادہ وصول کرلی۔

اس حرکت سے اس نے حضرتِ والا کو دو نقصان پہنچائے:

۱۔۔۔ دوا کی قیمت کئی گنا زیادہ وصول کرکے مالی نقصان پہنچایا۔

۲۔۔۔ اپنے زعم میں معاذ اللہ! "بیوقوف" بنا کر عزت کو نقصان پہنچایا۔

حضرتِ اقدس دامت برکاتہم نے محض اس کی عزت رکھنے کے لئے دونوں نقصان بطیبِ خاطر برداشت فرمالئے۔

اس کی تفصیل عنوانِ مذکور کے تحت نمبر۲ میں ہے۔

نقصان کر دینے کے باوجود اُجرت:

③ بڑھئی سے کوئی چیز بنوائی، اس نے بہت قیمتی لکڑی بالکل ضائع کردی، اس کے باوجود حضرتِ والا نے بڑھئی کو پوری اجرت عنایت فرمادی، مزید یہ کہ اس کو اتنا بڑا نقصان جتلایا تک بھی نہیں کہ مطلوب چیز بنانے کی بجائے اتنی قیمتی لکڑی ہی ضائع کردی۔

اس کی تفصیل عنوانِ مذکور کے تحت نمبر۴ میں ہے۔

مضارب کے بیٹے کا جھوٹا بہانہ:

④ حضرتِ والا نے ایک شخص کو بطورِ مضاربت بہت بھاری رقم دی تھی،

اس کا انتقال ہوگیا، اس کے لڑکے نے لاعلمی کا جھوٹا بہانہ تراش کر رقم دینے سے انکار کر دیا۔

حضرتِ والا نے قانونی چارہ جوئی کی قدرتِ کاملہ کے باوجود کل رقم معاف فرما دی۔

اس کی تفصیل عنوانِ مذکور کے تحت نمبر ۶ میں ہے۔

شرکاء پر احسان وایثار کی عجیب مثال :

(۵) قصۂ مذکورہ میں دوسرے شرکاء پر احسان وایثار کی عجیب مثال۔

اس کی تفصیل عنوان مذکور کے تحت نمبر ۷ میں ہے۔

چوری کے بہتانِ عظیم پر معافی :

(۶) ایک مولوی صاحب نے حضرتِ والا پر چوری کا بہتانِ عظیم لگایا۔ فیصلہ کی مجلس میں اس کا جھوٹ اور حضرتِ والا کی براءت واضح طور پر ثابت ہوگئی تو مجلس نے اس کو حضرتِ والا سے معافی مانگنے اور آپ کی خدمت میں مالی جرمانہ پیش کرنے کا حکم دیا۔ حضرتِ والا نے اس کے خلاف ان دونوں فیصلوں کو قبول فرمانے کی بجائے اتنی سخت اذیّت پہنچانے والے پر تین احسان فرمائے :

۱۔۔۔ معافی مانگے بغیر اسے معاف فرما دیا۔

۲۔۔۔ اس کے لئے دُعاءِ خیر فرمائی۔

۳۔۔۔ مزید بریں ایصالِ ثواب سے بھی نوازا۔

اس قصہ کی تفصیل عنوانِ مذکور کے تحت نمبر ۱۰ میں ہے۔

زرعی اراضی پر حکومت کا قبضہ :

⑦ حضرتِ والا اور آپ کے دوسرے بعض برادران کی زرعی اراضی حکومت نے لے لی، دوسرے حضرات نے بذریعۂ عدالت زمین کی واپسی کا مطالبہ کیا اور حضرتِ والا کو بھی اس پر برانگیختہ کرنے کی بہت کوشش کی مگر حضرتِ والا نے معاف فرمادیا۔

اس کی تفصیل عنوان مذکور کے تحت نمبر ۱۵ میں ہے۔

گاڑی کو ٹکر مارنے والے ٹرک ڈرائیور کے ساتھ حسن سلوک :

⑧ ایک ٹرک ڈرائیور نے حضرتِ والا کی گاڑی کو ٹکر لگا کر کافی نقصان پہنچایا، اس نے حضرتِ والا کی خدمت میں حاضر ہو کر بہت ندامت کے ساتھ معذرت کی اور عرض کیا :

"آپ اس نقصان کے عوض جتنی بھی رقم کا فیصلہ فرمادیں میں دل وجان سے پیش کرنے کو تیار ہوں۔"

حضرتِ والا نے اسے معاف فرمادیا، ساتھ دُعائیں بھی دیں۔

اس کی تفصیل عنوانِ مذکور کے تحت نمبر ۲۲ میں ہے۔

ایک طالب علم کی غلط ڈرائیوری پر :

⑨ ایک طالبِ علم ڈرائیوری نہیں جانتا تھا، محض شوقیہ حضرتِ والا کی گاڑی اسٹارٹ کی اور دروازہ میں لگا کر گاڑی کو بہت نقصان پہنچایا۔

حضرتِ والا نے اس پر ذرا سا بھی ناراضی کا اظہار نہیں فرمایا، بلکہ الٹا

اس کی خفت زائل کرنے کے لئے ایک مزاحیہ جملہ چسپت فرماکر اسے خوش کر دیا۔

اس کی تفصیل عنوانِ مذکور کے تحت نمبر ۲۳ میں ہے۔

ایک طالب علم اور کرۂ ارضیّہ کا قیمتی کیس:

⑩ ایک طالبِ علم نے کرۂ ارضیّہ (گلوب) کا قیمتی کیس توڑ دیا۔

حضرتِ والا نے اسے تنبیہ کرنے کی بجائے ازالۂ خفت کی تدبیر فرمائی۔

اس کی تفصیل عنوانِ مذکور کے تحت نمبر ۲۴ میں ہے۔

عرصہ تک غیبت کرنے والے مولوی صاحب کے ساتھ:

⑪ ایک مولوی عرصہ تک حضرتِ والا کی غیبت کرنے اور بدنام کرنے میں مصروف رہا، حضرتِ والا کو علم ہوا تو معاف فرمادیا اور دعاؤں سے بھی نوازا۔

اس کی تفصیل جلد دوم میں "باب العبر" کے تحت نمبر ۲۷ میں ہے۔

بذریعہ جادو قتل کی دھمکی دینے والے مولوی صاحب کے ساتھ:

⑫ ایک مولوی صاحب نے حضرتِ والا کو بذریعۂ سحر جان سے مار دینے کی دھمکی دی۔

حضرتِ والا نے ان کو دعاؤں سے خوب خوب نوازا، ان کے لئے دین و دنیا میں ترقی کی دعاء کا مستقل معمول بنالیا۔

اس کی تفصیل جلد سوم میں "جواہر الرشید" کے نمبر ۲۲ میں ہے۔

بوقت قیلولہ شور کرنے والے بعض طلبہ کے ساتھ:

⑬ ظہر کے بعد حضرتِ والا کے قیلولہ کے وقت طلبہ نے آپ کے کمرے کے قریب کھیلنے کا سلسلہ شروع کر دیا، جس کی وجہ سے آپ سو نہیں سکتے تھے، معہٰذا چند روز صبر و ضبط سے گزار دیئے، ایک روز طلبہ نے کھیل میں بہت زیادہ اودھم مچایا تو حضرتِ اقدس دامت برکاتہم نے سب کو بلا کر آم کا جوس پلایا۔

کوڑا پھینکنے والے پڑوسی کے ساتھ:

⑭ "دار الافتاء والارشاد" کے عقب میں اوپر کی منزل والے "دار الافتاء والارشاد" میں روزانہ کوڑا پھینک دیتے تھے، انہیں کئی بار سمجھایا گیا مگر کوئی اثر نہ ہوا۔ کئی لوگوں نے سختی سے نپٹنے کے مشورے دیئے، حتیٰ کہ بعض نے یہ تجویز پیش کی:

"پتھروں کا ٹرک منگوالیا جائے، ان کے مکان پر برسائے جائیں۔"

حضرتِ والا لوگوں کو صبر و تحمّل کی تلقین فرماتے رہے، ایک روز حضرتِ والا نے اس مکان کے سربراہ کی طرف پیغام بھیجا:

"میں آپ سے ضروری بات کرنا چاہتا ہوں مگر اوّلاً تو یہی معلوم نہیں کہ آپ مکان پر کس وقت ہوتے ہیں، پھر مکان پر ہوتے ہوئے بھی فارغ کس وقت ہوتے ہیں، اس لئے آپ کوئی وقت بتادیں میں آپ کے مکان پر آجاؤں گا۔"

وہ یہ پیغام سن کر خود ہی حاضرِ خدمت ہو گیا، حضرتِ والا نے فرمایا:

"میں آپ کو پھلوں وغیرہ کے ہدایا بھیجنے کا معمول بنانا چاہتا ہوں مگر کسی قسم کے تعارف کے بغیر اچانک یہ عمل آپ کے لئے باعثِ تعجب ہوتا، اس لئے خیال ہوا کہ پہلے آپ سے ملاقات کرکے کچھ تعارف پیدا کرلیا جائے۔"

اس نے کہا:

"یہ تو ہمارا فرض ہے کہ آپ کی خدمت کریں، ہماری بد قسمتی ہے کہ اب تک محروم رہے۔"

حضرتِ والا نے کوڑے کے ڈھیر کی طرف اشارہ کرکے فرمایا:

"آپ کی طرف سے روزانہ بلا ناغہ بہت وافر مقدار میں ہدایا آتے رہتے ہیں، ٹوکروں کے ٹوکرے۔ آپ جب اس قدر احسان فرماتے ہیں تو آخر ہمیں بھی تو آپ کے احسانات کا بدلہ دینا چاہئے۔"

وہ بہت نادم ہوئے، اس کے بعد ان کے گھر سے کوڑا آنا بند ہوگیا۔

محلہ کے ایک گستاخ اندھے کے ساتھ:

⑮ محلہ میں ایک اندھا حضرتِ والا کے خلاف بہت بکواس کرتا رہتا تھا، طرح طرح کے الزام لگا کر بدنام کرنے کی کوشش میں سرگرم رہتا تھا۔ حضرتِ والا کے خدّام و طلبہ اس کی سرکوبی کے لئے بہت بے چین رہتے مگر حضرتِ والا سے اس کی اجازت نہ پاکر صبر کے گھونٹ پی رہے تھے۔

حضرتِ والا ہمیشہ اسے معاف فرماتے رہے اور اس کے لئے دُعاءِ خیر کا معمول رکھا، بالآخر وہ خود ہی ایسا ذلیل ہوا کہ محلہ چھوڑ کر کہیں بھاگ گیا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ قَالَ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ.

رواہ البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ۔

"اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص میرے کسی ولی سے عداوت رکھے گا میں نے اس کے لئے اعلانِ جنگ کر رکھا ہے۔"

چون خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکان برد

"جب اللہ تعالیٰ کسی کا پردہ چاک کرنا چاہتے ہیں تو اسے اپنے مقبول بندوں پر اعتراض میں مبتلا کر دیتے ہیں۔"

مسجدِ حرام میں جوتا چور کے لئے دعائیں:

⑯ ایک بار مسجدِ حرام سے حضرتِ والا کا جوتا کسی نے اٹھا لیا، حضرتِ والا نے چور کے لئے خوب خوب دعائیں فرمائیں اور ایصالِ ثواب بھی خوب کیا۔ اپنے میزبان سے چور کے لئے دعاؤں اور ایصالِ ثواب کا تذکرہ فرمایا تو وہ بولے:

"کاش کہ وہ چور میں ہی ہوتا۔"

اللہ تعالیٰ نے بہت جلد ہی میزبان کی یہ تمنّا ایک عجیب لطیفہ کی صورت میں پوری فرما دی، لطیفہ یوں ہوا:

"حضرتِ والا اور آپ کے میزبان کا فجر کے بعد یہ معمول تھا کہ طواف سے فارغ ہو کر ایک متعین جگہ آپس میں ملتے اور وہاں سے دونوں ایک ساتھ مسجد سے باہر گاڑی کی طرف جاتے جو دروازہ کے سامنے ہی کھڑی ہوتی

تھی، ایک بار حضرتِ والا کے وہاں پہنچنے سے قبل ہی میزبان صاحب آپ کا جوتا اٹھا کر گاڑی میں جا بیٹھے، اس خیال سے کہ حضرتِ والا جب دروازہ پر تشریف لائیں گے تو وہ جوتا پیش کر دیں گے۔ حضرتِ والا نے مقامِ معہود پر میزبان کو نہ پایا تو ان کے انتظار میں وہیں بیٹھ گئے، کافی انتظار کے بعد بھی وہ نہ آئے تو سوچا کہ باہر جا کر گاڑی کے پاس دیکھیں۔ باہر تشریف لے جانے کے لئے جوتا دیکھا تو وہ بھی غائب، یقین ہو گیا کہ کوئی چور لے گیا ہے، پھر وہیں بیٹھ گئے، چور کے لئے خوب دُعائیں اور ایصالِ ثواب کرتے رہے، میزبان کے انتظار میں ایک گھنٹے سے بھی زیادہ دیر تک بیٹھے رہے، چور کے لئے دُعا و ایصالِ ثواب کا سلسلہ جاری رہا۔ میزبان سمجھتے رہے کہ آج حضرتِ والا لذّتِ حضور میں بے خود ہیں اور حضرتِ والا یوں سمجھتے رہے کہ شاید میزبان کو اچانک کوئی ہنگامی کام پیش آ گیا ہے، عنقریب آ ہی جائیں گے۔ میزبان کا یوں بلا اطلاع غائب ہو جانا بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا مع ھٰذا وہیں انتظار کرنے کے سوا کوئی دوسرا چارۂ کار بھی نہ تھا۔ بہت دیر کے بعد میزبان نے آ کر بتایا کہ وہ تو اسی وقت سے گاڑی میں بیٹھے انتظار کرتے رہے۔ اس لطیفہ پر جانبین کو بہت تعجب ہوا، حضرتِ والا نے میزبان سے فرمایا:

> "آپ کو جوتا چور بن کر میری طرف سے دعاؤں اور ایصالِ ثواب کی تمنا تھی، اللہ تعالیٰ نے بالکل خلافِ معمول یہ عجیب لطیفہ پیدا فرما کر آپ کی تمنا پوری فرما دی۔"

شاگرد و خلیفۂ مجاز کی ایذاؤں پر حسنِ سلوک:

⑰ حضرتِ والا کے ایک شاگرد آپ کے خلیفۂ مجاز بھی تھے، انہوں نے

حضرتِ والا کی بدولت مال وجاہ دونوں میں بہت ترقی کی، حضرتِ والا کی وجہ سے لوگوں میں تعارف، عزت، جاہ اور شہرت حاصل ہوئی، جامعات میں تدریس کے مواقع بھی حضرتِ والا ہی کی وساطت سے میسر ہوئے، غرضیکہ ان پر حضرتِ والا کے احسانات کی ایسی بارشیں ہوئیں کہ ذرۂ خاک کو لوگوں کی نظروں میں خورشیدِ تاباں بنا دیا، مال و دولت اور عزت و شہرت ہر لحاظ سے بلند پروازی۔

مگر اسے یہ نعمتیں راس نہ آئیں، ہیضہ ہوگیا، حضرتِ والا کی اجازت کے بغیر اپنا مستقل مدرسہ کھول لیا، جو بظاہر دین تھا مگر درحقیقت بدترین دنیا۔ حضرتِ والا نے منع فرمایا تو اس نے تعمیلِ حکم سے صاف انکار کر دیا اور کھلی مخالفت پر اتر آیا، حضرتِ والا کی خوب ڈٹ کر علانیہ بغاوت کی حتیٰ کہ لوگوں میں بدنام کرنے کی بے ہودہ کوشش سے بھی دریغ نہ کیا۔

چونکہ ایسے نالائق کی خلافت کو برقرار رکھنا جائز نہ تھا، اس لئے حضرتِ والا نے خلافت تو سلب فرمالی مگر اس کی بغاوت اور ناقابلِ برداشت اذیتوں کو معاف فرما دیا، مزید بریں اس کے ساتھ حسنِ سلوک اور اس کے لئے دُعاء کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔

بالآخر وہ خود ہی اپنے مقصد میں خائب و خاسر رہا ؎

ہیچ قومے را خُدا رسوا نہ کرد
تا دلِ صاحب دلے نامد بدرد

"اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو رسوا نہیں کیا جب تک کہ اس نے کسی صاحبِ دل کا دل نہیں دکھایا۔"

بس تجربہ کردیم درین دیرِ مکافات
با دُرد کشان ہر کہ در افتاد بر افتاد

"زمانہ کے تجربے بتا رہے ہیں کہ جو شخص بھی کسی اللہ والے سے الجھا وہی گرا۔"

رسالہ القول الاظہر پر ایک معترض کے ساتھ:

⑱ حضرتِ والا کے رسالہ "القول الاظہر فی مسافۃ السفر" میں مسافتِ سفر کی تحقیقِ انیق پر تنقید کی غرض سے ایک رسالہ بنام "شرعی مسافت" لکھا گیا ہے۔ ایک مولوی صاحب نے اس رسالہ پر تقریظ کے ضمن میں حضرتِ والا پر ایک بہت بڑا بہتان لگایا ہے، لکھتے ہیں:

> "جدت طراز حلقہ کی تجدد پسندیاں میرے خیال میں اس سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں کہ:
>
> "کسی بڑے سے اختلاف کر کے خود کو بڑا بنالو۔"
>
> اور اس طرح کی مذموم کوششیں خام کار معتقدین یا راہِ راست سے منحرف حلقہ میں ہی کچھ پسندیدگی حاصل کر سکتی ہیں۔"
>
> (رسالہ شرعی مسافت ص۵۲)

اس کے جواب میں حضرتِ اقدس دامت برکاتہم کے مکارمِ اخلاق کا نمونہ آپ کی تحریرِ ذیل میں دیکھ کر سبق حاصل کریں، حضرتِ والا تحریر فرماتے ہیں:

> "ص۵۲ پر ایک مصدق صاحب نے بندہ کی طرف "فسادِ نیت" منسوب کر کے احسانِ عظیم فرمایا ہے، جَزَاہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اَحْسَنَ الْجَزَاءِ۔
>
> ان کا یہ احسان صرف مجھ پر ہی نہیں بلکہ خود ان پر بھی ہے،

اس لئے کہ ان کی یہ تحریر پڑھنے کے بعد میں نے ان کے لئے روزانہ ایصالِ ثواب اور دُعاءِ خیر کا معمول بنا لیا ہے۔"

(القول الاظہر صـ ۱۲)

ایک مشہور عالم نے "القول الاظہر" میں حضرتِ والا کی یہ تحریر پڑھ کر فرمایا:

"آپ اپنے ناقدین کے لئے ایصالِ ثواب اور دُعاؤں کا معمول بنا لیتے ہیں، آپ سے ثواب اور دُعائیں لینے کا یہ بہت آسان نسخہ ہے، جو شخص بھی آپ سے اپنے لئے ایصالِ ثواب کروانا چاہے اور دُعائیں لینا چاہے وہ آپ پر بلاوجہ ہی کوئی تنقید کر دیا کرے۔"

احسن الفتاوی سے بغض رکھنے والے ایک مولوی صاحب:

⑲ ایک مولوی صاحب عام مجالس میں حضرتِ والا کے خلاف بہت باتیں کرتے ہیں، افتراء بازی و بہتان تراشی کا بازار گرم رکھتے ہیں، ان کو "احسن الفتاوی" سے بھی بہت بغض ہے، اس پر بھی طرح طرح کے اعتراضات کرتے رہتے ہیں۔

ایک لطیفہ بہت پرانے زمانہ سے مشہور چلا آتا ہے:

"ایک شخص نے برتنوں پر نام کندہ کرنے والے سے نام لکھنے کی اُجرت دریافت کی، اس نے ایک حرف کا ایک آنہ بتایا، اس نے کہا "خسن" لکھ دو، وہ جب پورا لفظ لکھ کر "خ" پر نقطہ لگانے لگا تو یہ بولا کہ یہ نقطہ "سن" کے دائرہ میں لگا دو، اس ہوشیاری سے "حسن" لکھوا لیا، تین آنے کا کام دو آنے میں کروا لیا۔"

مولوی صاحب اس لطیفہ کو "احسن الفتاوی" پر یوں چسپاں کرتے ہیں:

"احسن الفتاوی" دراصل "اخسن الفتاوی" ہے، "خ"

کا نقطہ پھسل کر "ســـس" کے دائرہ میں آگیا ہے۔"

اس قدیم ترین لطیفہ کو عام مجالس میں اس طرح بیان کرتے ہیں جیسے یہ ان کی ظرافتِ طبع کا کارنامہ ہو، مگر غالباً ان میں اتنی تمیز نہیں ہوگی کہ یہ لطیفہ دندانہ دار "س" میں نہیں چل سکتا۔

حضرت دامت برکاتہم کو ان کی ان حرکات کی خبر ملی تو فرمایا:

"میں نے ان کے لئے ایصالِ ثواب اور دین و دنیا میں ترقی کی دُعا کا معمول بنالیا ہے، وہ مجھ پر اتنا بڑا احسان کر رہے ہیں میں کیوں نہ کروں؟ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ" (۵۶-۶۰)

☆۹ دوسروں کو اپنے قول و فعل کی ایذاء سے بچانے کا اہتمام رکھنا:

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ۔

رواہ البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ۔

"مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں۔"

حضرتِ والا اس خلقِ عظیم میں بھی بہت ممتاز مقام رکھتے ہیں، اپنے متعلقین کو بھی اس کی خاص ہدایت اور بہت تاکید فرماتے رہتے ہیں، اس سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

"عدمِ قصدِ ایذاء کافی نہیں، قصدِ عدمِ ایذاء ضروری ہے، یعنی اتنا کافی نہیں کہ آپ کسی کو قصداً ایذاء نہیں پہنچاتے بلکہ اس امر کا قصد و اہتمام رکھنا ضروری ہے کہ بلاقصد غیر شعوری طور پر بھی

آپ سے کسی کو ایذاء نہ پہنچے"۔

اس سے متعلق حضرتِ والا کے معاملات کی چند مثالیں:

بازار سے چیز لانے والے کو فوراً قیمت دینا:

① حضرتِ والا کسی کی معرفت کوئی چیز منگواتے ہیں تو اس کی قیمت فوراً ادا کرنے کا بہت اہتمام فرماتے ہیں اور اس کی متعدد وجوہ بیان فرماتے ہیں کہ قیمت ادا کرنے میں ذرا سی غفلت و تاخیر کئی لوگوں کی ایذاء و تکلیف کا باعث بنتی ہے۔

اس کی تفصیل عنوان "آدابِ معاشرہ" کے تحت نمبر ۳ میں ہے۔

جوتے کے تلے کی صفائی:

② حضرتِ والا جوتے کے تلے میں لگی ہوئی کیچڑ کسی ایسی جگہ صاف نہیں کرتے جہاں دیکھنے والوں کو ذرا سی بھی طبعی ناگواری کا کوئی احتمال ہو۔

اس کی تفصیل عنوانِ مذکور کے تحت نمبر ۴ میں ہے۔

کسی کے سامنے مسواک کرنے سے احتراز:

③ حضرتِ والا کسی کے سامنے مسواک کرنے، تھوکنے اور ناک صاف کرنے سے احتراز فرماتے ہیں۔

اس کی تفصیل عنوانِ مذکور کے تحت نمبر ۵ میں ہے۔

کسی کے سامنے چلمچی میں ہاتھ دھونے سے احتراز:

④ چلمچی میں ہاتھ دھونے سے احتراز فرماتے ہیں، کُلّی تو ہرگز نہیں کرتے، فرماتے

ہیں کہ اس سے طبعِ سلیم کو گھن آتی ہے۔

اس کی تفصیل عنوانِ مذکور کے تحت نمبر ۶ میں ہے۔

کسی کے سامنے خلال کرنے سے احتراز:

⑤ حضرتِ والا ارشاد فرماتے ہیں:

"صاحبِ طبعِ سلیم کو اس سے ناگواری ہوتی ہے کہ کوئی اس کے سامنے خلال کرے، اس لئے اس سے احتراز لازم ہے"۔

حضرتِ والا اپنے اس ارشاد کے مطابق ہر کھانے کے بعد خلال کے لئے خلوت اختیار فرماتے ہیں۔

اس کی تفصیل عنوانِ مذکور کے تحت نمبر ۷ میں ہے۔

آم وغیرہ کے چھلکے رکھنے کا سلیقہ:

⑥ آم وغیرہ کے چھلکے سیدھے رکھے ہوں تو سلیم الطبع انسان کو گھن آتی ہے، اس لئے حضرتِ والا چھلکے الٹے رکھنے اور رکھانے کا اہتمام فرماتے ہیں۔

اس کی تفصیل عنوانِ مذکور کے تحت نمبر ۸ میں ہے۔

دو شخص کتنے فاصلہ سے بیٹھیں:

⑦ حضرتِ والا فرماتے ہیں:

"دو شخص آمنے سامنے بیٹھیں تو درمیان میں کم از کم ایک میٹر فاصلہ چھوڑیں، زیادہ قریب بیٹھنے سے دوسرے کے جسم اور سانس کی بو سے تکلیف ہوتی ہے"۔

اس کی تفصیل عنوانِ مذکور کے تحت نمبر ۹ میں ہے۔

پیروں کے تلووں کا قصہ:

⑧ حضرتِ والا کے پاؤں کے تلوے بہت صاف رہتے ہیں، مع ھٰذا اگر ایڑیوں میں کہیں ذرا سی بھی پھٹن محسوس ہوتی ہے تو محض اس لئے موزے پہن لیتے ہیں کہ شاید کسی ایسے نازک طبع کی نظر پڑ جائے جس پر اتنی سی خراش کو دیکھنا بھی گراں ہو۔

اس کی تفصیل عنوانِ مذکور کے تحت نمبر ۱۱ میں ہے۔

☆۵ دوسروں کو کسی تکلیف سے بچانے کی خاطر وہی تکلیف خود برداشت کرنا:

اولیاء اللہ کے اخلاقِ حمیدہ میں سے ایک خلق عظیم ایثار بھی ہے، وہ دوسروں کی راحت کو اپنی راحت پر ترجیح دیتے ہیں، دوسروں کو کسی تکلیف سے بچانے کی خاطر وہی تکلیف خود برداشت کر لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ
وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (۵۹-۹)

”اور وہ دوسروں کو اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو، وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں جو بخل سے محفوظ رہے۔“

ہمارے حضرت اقدس دامت برکاتہم کے ایثار کی چند مثالیں تحریر کی جاتی ہیں:

گھڑی کے سودے میں مستعمل ہونے کا شبہہ :

① حضرتِ والا سے ایک شخص نے بہت قیمتی گھڑی خریدی، بعد میں حضرتِ والا کو خیال ہوا کہ شاید یہ گھڑی آپ کے پاس آنے سے قبل کچھ استعمال ہو چکی ہو، اس لئے خریدار کو بتا دیا کہ گھڑی کچھ مستعمل ہونے کا شبہہ ہے لہٰذا واپس کر دیں، مگر وہ واپس کرنے پر راضی نہ ہوا، بطیبِ خاطر و شرحِ صدر گھڑی رکھنے پر ہی مُصِر رہا۔ مع ھٰذا حضرتِ والا نے اسے اسی جیسی مزید نئی گھڑی خرید کر ہدیہ کر دی۔

اس قصہ کی تفصیل جلد دوم میں عنوان ”غیر اللہ سے استغناء“ کے تحت نمبر ۱۴ میں ہے۔

جھگڑا ختم کرنے کے لئے جیب سے دس ہزار :

② حضرتِ والا کی خدمت میں فیصلہ کے لئے ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں دس ہزار روپے کا دعوی تھا، حضرتِ والا نے اپنی طرف سے دس ہزار روپے پیش فرما دیئے جس سے نزاع ختم ہو گیا۔

اس کی تفصیل عنوانِ مذکور کے تحت نمبر ۱۷ میں ہے۔

خادم کو زحمتِ انتظار سے بچانا :

③ حضرتِ والا نے اپنے ایک خادم کو زحمتِ انتظار سے بچانے کی خاطر ایک بہت اہم معمول کو چھوڑنے کا نقصان برداشت کر لیا۔

اس کی تفصیل عنوان ”آدابِ معاشرۃ“ کے نمبر ۱ میں ہے۔

خادم کو رقم یاد رکھنے کی زحمت سے بچانا:

④ حضرتِ والا بل وغیرہ جمع کروانے کے لئے رقم قبل از وقت کسی خادم کے سپرد نہیں فرماتے، تاکہ اسے یہ کام یاد رکھنے اور رقم محفوظ رکھنے کی زحمت نہ ہو، خادم کو زحمت سے بچانے کی خاطر یہ زحمت خود برداشت کرتے ہیں۔

اس کی تفصیل عنوان مذکور کے تحت نمبر ۲ میں ہے۔

دوسروں کی راحت کے لئے خود اذیت برداشت کرنا:

⑤ حضرتِ والا کم سنی ہی میں اپنے ساتھیوں کو راحت پہنچانے کے لئے خود مشقت و تکلیف برداشت فرماتے تھے۔

زمانۂ طلبِ علم میں ایک جامعہ میں چند رفقاء کے ساتھ گرمیوں میں رات کو باہر کھلی فضاء میں سویا کرتے تھے، ساتھیوں کو فرحت بخش صاف ہوا کی طرف سلاتے اور خود دوسری جانب مکدر ہوا اور حبس میں۔

حضرتِ والا کو یہ اذیت برداشت کرنے میں کس قدر مجاہدہ کرنا پڑتا ہوگا اس کا اندازہ وہی کرسکتا ہے جسے حضرتِ والا کی نزاکتِ طبع کا علم ہو، آپ بہت ہی نازک طبع اور انتہائی حساس ہیں، چنانچہ؛

آپ کے سامنے کوئی ایک میٹر سے کم فاصلہ پر بیٹھ جائے تو آپ کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔

آپ کسی کا مستعمل تولیا یا کوئی دوسرا کپڑا استعمال نہیں فرماتے بلکہ اسے چھونے سے بھی گریز۔

سخت سردی میں بھی مسجد، دفتر اور کمرے کی کچھ کھڑکیاں کھلی رکھواتے ہیں۔

نظافت ونزاکت کے بارہ میں آپ کے حالات کی تفصیل عنوان "نظافت ونزاکتِ ظاہرہ و باطنہ" کے تحت ہے۔

☆۴ دوسروں کو نفع پہنچانے کی غرض سے اپنا نقصان برداشت کرلینا:

یہ بھی ایثار ہے جس کی فضیلت اوپر قرآن کریم سے نقل کی جاچکی ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضرت کو اس کمال سے بھی خوب نوازا ہے دوسروں کی نفع رسانی کے لئے اپنا نقصان برداشت کرلینا آپ کا شیوہ ہے۔

چنانچہ آپ کی عاداتِ مبارکہ میں سے ایک عادت یہ بھی ہے کہ جب کسی کو اجرت پر کام کرنے کے لئے متعین فرمالیتے ہیں، اس کے بعد کوئی اس سے زیادہ بہتر کام کم اجرت پر کرنے والا مل جائے تو حضرتِ والا آئندہ بھی نیا کام اسی پہلے شخص کو دیتے ہیں جب تک کہ وہ خود کام لینے سے معذرت نہ کردے۔

اس کی ایک مثال عنوان "توکل اور اس کی برکات" کے تحت نمبر ۲۵ میں ہے۔

☆۵ مساکین و طالبینِ دین کے ساتھ خندہ پیشانی وکشادہ روئی سے پیش آنا:

ہر حال میں دین پر استقامت و مضبوطی، دوسروں کو بھی اس کی تبلیغ و تلقین، غیر اللہ بالخصوص اصحابِ اقتدار و اہلِ ثروت سے انہی کے فائدہ کی خاطر استغناء اور نظم و ضبطِ اوقات کے اہتمام کی وجہ سے حضرتِ والا کو ناواقف لوگ سخت سمجھتے ہیں مگر جو قریب سے دیکھتے ہیں ان پر یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ آپ تو سراپا شفقت اور رحمت ہی رحمت ہیں۔ اس پیکرِ شفقت و رحمت کے اس خلقِ عظیم کو احاطۂ قلم و زبان میں نہیں لایا جاسکتا ع

شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ
"سنی ہوئی باتیں چشم دید حالات کی طرح نہیں ہوسکتیں۔"

مع ھٰذا بطورِ مثال چند واقعات پیش کئے جاتے ہیں:

نواب سے بے التفاتی اور مسکین سے دل لگی:

① نواب سے بے التفاتی اور چرواہے کی صورت جیسے مسکین سے خوب انشراح کا قصہ جلد دوم میں عنوان "غیر اللہ سے استغناء" کے تحت نمبر ۱۱ میں ہے۔

دو مسکین طلبہ پر نوازش:

② حضرتِ والا جس زمانہ میں دارالعلوم کراچی میں شیخ الحدیث تھے آپ نے اپنے مکان کے برآمدہ میں باہر دفتر کی طرف کو روشن دان لگوالیا تھا، جس سے دفتر کی نگرانی کے علاوہ حفاظتِ وقت بھی مقصود تھی، ملاقات کے لئے آنے والا روشن دان پر دستک دیتا، آپ روشن دان کھول کر باہر دیکھتے، کہیں شاذونادر کسی خاص اہم ضرورت کے تحت کسی کو بیٹھک کھول کر تھوڑی دیر کے لئے بٹھا لیتے ورنہ عام طور پر روشندان ہی سے مختصر بات کرکے روانہ کردیتے۔

ایک بار دستک کی آواز آئی، روشندان کھولا تو دو مسکین طالبِ علم نظر آئے، ان کی خاطر آپ فوراً مکان سے باہر تشریف لے آئے، صحن کا بیرونی دروازہ روشن دان سے کافی دور تھا، طویل چکر کاٹ کر ان طلبہ سے بہت بشاشت سے ملے۔ آپ کی یہ شفقت دیکھ کر ان میں سے ایک بے ساختہ بولا:

"حضرت! آپ کی ان ہی نوازشوں کی وجہ سے تو دنیا آپ
پر قربان ہو رہی ہے۔"

چندہ کی خاطر تصاویر کھنچوانے والے مہتمم اور حضرتِ والا:

③ ایک جامعہ میں حضرتِ والا نے اپنے دو شاگرد تدریس کے لئے دیئے، ان میں سے ایک کا مشاہرہ بھی حضرتِ والا نے اپنے ذمہ لے رکھا تھا۔ مہتمم نے عرب ممالک سے چندہ وصول کرنے کے لئے سفید جھوٹ اور انتہائی مکروفریب کا ایک کارنامہ انجام دیا۔ حضرتِ والا کے دونوں شاگردوں نے اس پر بہت سخت احتجاج کیا اور تدریس سے استعفاء کا اعلان کر دیا۔ بالآخر مہتمم نے اس انتہائی گھناؤنے اور سخت سنگین جرم کا اقرار کر کے اس سے توبہ کا اعلان کیا۔

اس سے حضرتِ والا کو اس قدر مسرت ہوئی کہ مہتمم صاحب سے ملاقات کے لئے خود بنفسِ نفیس ان کے جامعہ میں تشریف لے گئے، ان کو اعلانِ توبہ کی مبارک باد دی اور دعائیں دیں۔

ایک مسکین سے مصافحہ کی خاطر تکلیف برداشت کرنا:

④ حضرتِ والا بیمار تھے، عشاء کے بعد آرام فرما رہے تھے، پنجاب سے ایک بہت مسکین اور بہت ہی سادہ شخص چند روز خانقاہ میں حاضری دینے کے بعد واپس جانے لگا تو اس نے انٹرکام کے ذریعہ عرض کیا:

"میں صبح رخصت ہونے والا ہوں، حضرت کے کمرے کی
زیارت کرنا چاہتا ہوں۔"

حضرتِ والا نے چند منٹ بعد اوپر بلا لیا، بعد میں فرمایا:

۱۔ جب انہوں نے گھنٹی بجائی اس وقت میں سونے کے لئے کپڑے تبدیل کر چکا تھا۔

۲۔ پلنگ پر لیٹ چکا تھا۔

۳۔ ضعف اس قدر تھا کہ پاس رکھے ہوئے ٹائم پیس میں الارم نہیں لگا سکا۔

ان سب عوارض کے باوجود ان کے خلوص نے ایسی ہمت پیدا کر دی کہ جلدی سے کپڑے تبدیل کر کے انہیں بلا لیا۔

"یہ ان کی خصوصیت ہے ورنہ میں کسی صدرِ مملکت کے لئے بھی ایسا نہیں کرتا۔"

حضرتِ والا کے قلبِ مبارک میں دینی نفع حاصل کرنے والوں کی ایسی قدر ہے اور ان سے ایسی محبت ہے کہ دنیا میں اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ آپ ایسے مسکین صورت و سیرت طالبین کی بہت دلجوئی فرماتے ہیں، مگر اہلِ ثروت کی اصلاح بہر حال بصورتِ استغناء ہی فرماتے ہیں۔

مولوی احمد صاحب کے ولیمہ پر:

⑤ حضرتِ والا کے منجھلے صاحبزادہ مولوی احمد کے ولیمہ کے موقع پر آپ نے حاضرین سے دریافت فرمایا:

"اپنے لوگوں سے کوئی رہ تو نہیں گیا؟"

عرض کیا گیا:

"ایک بچہ یہاں فارسی پڑھنے آتا ہے وہ موجود نہیں۔"

حضرتِ والا نے فرمایا:

"کوئی اس کو گھر سے لے آئے۔"

یہ بچہ بہت مسکین تھا، تقریباً دو کلومیٹر دور جھگیوں میں رہتا تھا۔

ایک شاگرد کی عیادت کے لئے:

⑥ حضرتِ والا دیندار مساکین کے معمولی امراض میں بھی عیادت کے لئے انتہائی نظافت و نزاکت کے باوجود کچی آبادیوں میں تنگ اور متعفن گلیوں سے گزر کر کچے مکانوں بلکہ جھگیوں میں بھی تشریف لے جاتے ہیں۔

ایک بار اپنے ایک شاگرد کے معمولی سے مرض میں عیادت کے لئے بہت دور تشریف لے گئے، دیکھنے والے آپ کے اس خلقِ عظیم اور چھوٹوں سے محبت و شفقت کا اس قدر بلند مقام دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے۔

اللہ نور السمٰوٰت والارض

أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم
مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا

وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ○

(۲۸-۵۴)

وہ لوگ پائیں گے اپنا ثواب دُہرا اس بات پر کہ قائم رہے اور بھلائی کرتے ہیں بُرائی کے جواب میں اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَكْثَرَ مِزَاحًا مِّنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مرقاۃ)

لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا (صحیح مسلم)

مزاح وظرافت

مزاح وظرافت کا قرآن وسُنّت سے ثبوت بلکہ حدود کے اندر استحباب، حدود وقیود کی تفصیل، مزاح کے دینی و دُنیوی فوائد۔

حدود وقیود کے بغیر مزاح کے دینی و دُنیوی نقصانات اور ایسے مزاح کا عدم جواز، مروّج مزاح میں شرعی و عقلی اور معاشرتی خرابیاں، خوش مزاجی اور خشک مزاجی، مزاح اور مشائخ کی سنجیدگی و دیگر کئی پہلوؤں پر مفصّل کلام، بصیرت افروز ارشادات، مزاح کے موضوع پر نادر بلکہ نایاب اور الہامی جواہر پارے، ہر طبقہ کے لئے بیحد معلومات افزا و انفع۔

مزاح وظرافت

عنوان	صفحہ
حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مزاح	۲۹۸
حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح کی چند مثالیں	۳۰۰
مزاح کے فوائد	۳۲۸
مزاح کی حُدود وقیود	۳۳۰
مزاح میں اعتدال کا معیار	۳۳۱
اشکال	۳۳۱
جواب	۳۳۱
حضرتِ والا کے مزاح کی چند مثالیں	۳۳۲

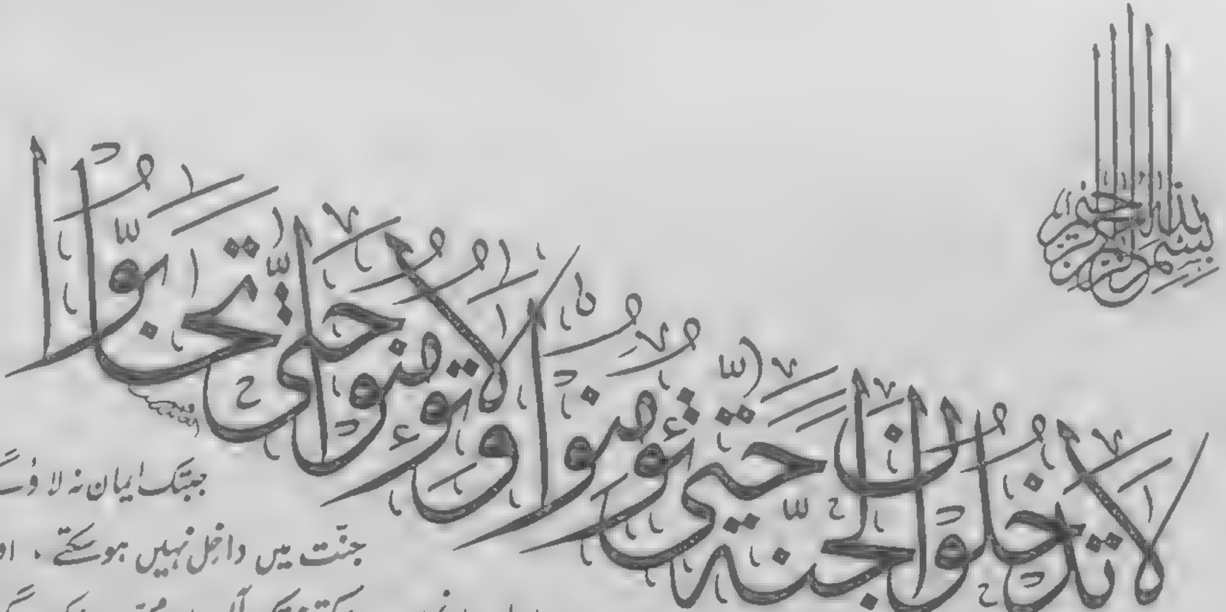
بسم الله الرحمن الرحيم
لا تدخلوا الجنة حتى تؤمنوا ولا تؤمنوا حتى تحابوا

جبتک ایمان نہ لاؤ گے
جنّت میں داخل نہیں ہوسکتے ، اور
ایمان دار نہیں بن سکتے جبتک آپس میں محبت نہ کروگے۔
(صحیح مسلم)

مزاح وظرافت

حضرتِ والا دامت برکاتہم ہر وقت ہشّاش وبشّاش رہتے ہیں۔ ہنسی، دل لگی، مزاح وظرافت میں امتیازی شان رکھتے ہیں، اس حال کے مطابق طلبہ و خدام کو بھی اس کی تلقین فرماتے رہتے ہیں۔ مزاح وظرافت کی حقیقت، حدود وقیود اور افادیت کے بارہ میں آپ جو تفصیل بیان فرماتے ہیں' اس کا خلاصہ یہ ہے:

"جس کے قلب میں حق تعالیٰ شانہ کی محبت وعظمت جس درجہ کی ہوتی ہے اس کے مطابق اس کی طبیعت میں مزاح وظرافت بھی ہوتی ہے، قلب میں انشراح وسرور، چہرہ پر طلاقت وبشاشت اور زبان میں حلاوت وظرافت۔ اس کی متعدد وجوہ ہیں:

۱— محبتِ الٰہیہ سے قلب ایسا مسرور رہتا ہے کہ اس کا اثر چہرہ میں بشاشت اور زبان میں ظرافت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

۲— قلب پر عظمتِ الٰہیہ کا ایسا غلبہ ہوتا ہے جو مقامِ فنائیت تک پہنچا دیتا ہے اور امتیازی شان بالکل ختم کر دیتا ہے، اس لئے ایسا انسان خود کو کچھ سمجھتا ہی نہیں، خواص وعوام، بچوں بڑوں سب کے ساتھ گھلا ملا رہتا ہے۔

۳— محبتِ الٰہیہ کے اثر سے اللہ تعالیٰ کے ہر بندہ بلکہ ہر مخلوق سے محبت رکھتا ہے۔

۴— اس کے قلب میں اللہ کے بندوں کو اللہ سے ملانے کا درد ہوتا ہے، اس مصلحت سے بھی بشاشت وظرافت اختیار کرتا ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مزاح

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلبِ مبارک اللہ تعالیٰ کی محبت وعظمت میں پورے عالَم سے بہت زیادہ اعلیٰ وارفع مقام پر تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں انشراح وتبسّم، مزاح وظرافت جیسی صفات بھی اکمل واتم درجہ کی تھیں۔ حضرات محدّثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے حدیث کی کتابوں میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ کے مزاح کے بارہ میں مستقل باب قائم کیا ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مزاح وظرافت میں سب سے بڑھ کر تھے، اس سے متعلق چند احادیث پیش کی جاتی ہیں:

① عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ الْحَارِثِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ مَا رَأَیْتُ اَحَدًا اَکْثَرَ مِزَاحًا مِّنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ (مرقاۃ)

”حضرت عبد اللہ بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے مزاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی نہیں دیکھا۔“

② عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جُزْءٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ یَقُوْلُ مَا رَأَیْتُ اَحَدًا اَکْثَرَ تَبَسُّمًا مِّنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ رواہ احمد۔

”حضرت عبد اللہ بن الحارث بن جزء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے تبسّم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی نہیں دیکھا۔“

③ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ اَضْحَکِ النَّاسِ وَاَطْیَبِہِمْ نَفْسًا۔ رَوَاہُ الطَّبْرَانِیُّ فِی الْکَبِیْرِ۔ (کنز العمال)

”حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسنے اور خوش طبعی میں سب لوگوں سے بڑھ کر تھے۔“

④ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال، کان رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم من افکہ الناس۔ رواہ ابن عساکر۔ (سبل الھدیٰ والرشاد)

”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ خوش طبع اور ہنسنے ہنسانے والے تھے۔“

⑤ عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: انی لامزح ولا اقول الا حقا۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر۔

”حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک میں مزاح ضرور کرتا ہوں اور حق بات ہی کہتا ہوں۔“

⑥ عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت، کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مازحا وکان یقول، ان اللہ لا یؤاخذ المزّاح الصادق فی مزاحه۔

رواہ للعافی بن زکریا (سبل الھدیٰ والرشاد)

”حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مزاح کرنے والے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ مزاح کرنے والے کا مؤاخذہ نہیں فرمائیں گے جو اپنے مزاح میں سچا ہو۔“

⑦ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال، قالوا یا رسول اللہ انک تداعبنا؟ قال، انی لا اقول الا حقا.

رواہ البخاری فی الادب والترمذی واحمد

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ ہم سے مزاح فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں سچی بات ہی کہتا ہوں“۔“

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح کی چند مثالیں

یا ابا عمیر ما فعل النغیر؟:

⑧ عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال، کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیخالطنا حتی یقول لاخ لی صغیر یا ابا عمیر ما فعل النغیر؟ رواہ البخاری فی الادب ومسلم والترمذی ۔

قال ابو عیسی وفقہ ھذا الحدیث ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یمازح وفیہ انہ کنی غلاما صغیرا فقال لہ یا ابا عمیر وفیہ ان لا بأس ان یعطی الصبی

الصغير الطير ليلعب به و انما قال له النبي صلى الله عليه وسلم يا ابا عمير ما فعل النغير؟ لانه كان له نغير فيلعب به فمات فحزن الغلام عليه فمازحه النبي صلى الله عليه وسلم فقال يا ابا عمير ما فعل النغير؟

(شمائل الترمذی)

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ مل جل کر رہتے تھے، یہاں تک کہ میرے چھوٹے بھائی سے فرماتے:

"اے ابو عُمیر! بلبل کا بچہ کیا ہوا؟"

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے مندرجہ ذیل اُمور ثابت ہوئے:

① حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مزاح فرمایا کرتے تھے۔

② آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر کی مناسبت سے چھوٹے بچہ کی کنیت ابو عُمیر رکھی۔

③ اس بچہ نے بلبل کا بچہ پال رکھا تھا جس سے وہ کھیلا کرتا تھا وہ مر گیا، بچہ غمگین ہوگیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاح فرما کر بچہ کا غم ہلکا کرنے کا بہترین نمونہ پیش کیا۔

④ بچہ کو کھیلنے کے لئے کوئی پرندہ رکھنے کی اجازت دینا جائز ہے۔"

مزید لطیفہ:

"عُمیر اور نُغیر ہم وزن و ہم قافیہ ہیں۔"

ام حس؛

⑨ عن ابی محمد عبد الله بن قتیبة قال: اخبرنا محمد بن عائشة منقطعا قال: کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یحب بلالا و یمازحه فراه یوما و قد خرج بطنه فقال: ام حس. رواه الحسن بن الضحاک.

(سبل الهدی والرشاد)

"حضرت محمد بن عائشہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت فرماتے تھے اور مزاح فرمایا کرتے تھے، ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس حال میں دیکھا کہ ان کا پیٹ نکلا ہوا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ام حس"۔"

یعنی آپ اس عورت کے مشابہ ہیں جو قریب الولادۃ ہو اور اسے دردِ زہ ہو رہا ہو۔

این لُکَع؟

⑩ عن علی رضی الله تعالیٰ عنه قال: دخل علینا رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال: این لُکع؟ هٰهنا لُکع؟ قال: فخرج الیه الحسن بن علی رضی الله تعالیٰ عنهما وعلیه لحاف قُرُنْفُلی وهو مادیده فمد رسول الله صلی الله علیه وسلم یده والتزمه وقال: بأبی انت و امی من احبنی فلیحب هٰذا. رواه ابوسعید بن الاعرابی وابو الحسن بن الضحاک (سبل الهدی والرشاد)

”حضرتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے تو فرمانے لگے:

”بچو کہاں ہے؟ یہاں بچو ہے؟“

سو حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس حالت میں آئے کہ ان پر مقامِ قرنفل کا بنا ہوا لحاف تھا اور وہ اپنا ہاتھ (حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف) بڑھائے ہوئے تھے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک بڑھایا اور (کھینچ کر) ان کو اپنے ساتھ چپکا لیا اور فرمایا:

”میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں، جو مجھ سے محبت کرتا ہے اسے چاہئے کہ اس سے محبت کرے۔“

ذیلا کذیل الفرس:

⑪ عن عطاء بن ابی رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلا قال لابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما: أكان رسول الله صلی الله علیه وسلم یمزح؟ فقال ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما: نعم فقال الرجل، فما كان مزاحه؟ فقال ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما: انه كسا ذات یوم امرأة من نسائه ثوبا فقال لها: البسیه واحمدی الله وجدی منه ذیلا كذیل الفرس. رواه الزبیر بن بكار فی كتاب الفاكه (سبیل الهدی والرشاد)

”حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

پوچھا:

"کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مزاح فرمایا کرتے تھے؟"

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: — "ہاں"۔

اس نے کہا:

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاح کیا ہوتا تھا؟"

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا:

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں سے ایک زوجہ مطہرہ کو ایک کپڑا پہننے کے لئے دیا تو فرمایا:

"اس کو پہنو اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرو اور اس سے گھوڑے کی دم کی مانند اوڑھنی بنالو۔"

افقد رضیت:

⑫ عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال له فی غزوة ذات الرقاع: أتبیعنی جملك؟ قال: قلت یا رسول الله بل اهبه لك. قال: لا ولكن بعنیه. قلت: فسُمنیه. قال: قد اخذته بدرهم. قلت: لا اذن تغبنُنی یا رسول الله. قال: فبدرهمین. قلت: لا فلم یزل یرفع لی رسول الله صلی الله علیه وسلم حتی بلغ الاوقیة فقال: افقد رضیت؟ فقلت رضیت قال: نعم. قلت: هو لك. قال: قد اخذته. رواه ابن اسحاق (سبل الهدیٰ والرشاد).

"حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ ذات الرقاع میں ان سے فرمایا:

"کیا آپ اپنا اونٹ میرے پاس فروخت کریں گے؟"

میں نے کہا:

"یا رسول اللہ! میں اسے آپ کو ہبہ کرتا ہوں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"نہیں، آپ مجھے فروخت کردیں۔"

میں نے کہا:

"پھر آپ اس کی قیمت لگائیے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"میں نے اسے ایک درہم کے عوض لے لیا۔"

میں نے کہا:

"نہیں، آپ تو مجھے خسارہ میں مبتلا کر رہے ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"دو درہم کے عوض۔"

میں نے کہا: ——— "نہیں۔"

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل ثمن میں اضافہ فرماتے رہے، یہاں تک کہ چالیس درہم تک پہنچے، پھر فرمایا:

"کیا آپ راضی ہوگئے؟"

میں نے کہا: ——— "جی! میں راضی ہوگیا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اچھی بات ہے"۔

میں نے کہا: ———— "وہ آپ کا ہو گیا"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تحقیق میں نے لے لیا"۔

انا حاملوك على ولد الناقة:

⑬ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلا اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیستحملہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: انا حاملوك على ولد الناقة فقال: یا رسول اللہ! ما اصنع بولد الناقة؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: وهل تلد الابل الا النوق۔

رواہ البخاری فی الادب المفرد واحمد وابو داؤد والترمذی۔

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سواری طلب کرنے آئے تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہم آپ کو اونٹنی کے بچہ پر سوار کئے دیتے ہیں"۔

انہوں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! میں اونٹنی کے بچہ کو کیا کروں گا؟"

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اونٹوں کو اونٹنیاں ہی تو جنتی ہیں"۔"

یاذا الاذنین:

⑭ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم قال لہ، یاذا الاذنین. رواہ ابوداؤد والترمذی.

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"اے دو کانوں والے"۔"

انک لعریض الوسادۃ:

⑮ عن عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال، قلت: یارسول اللہ! انی اضع تحت رأسی خیطین فلم یتبین لی شیء فقال: انک لعریض الوسادۃ، وفی لفظ: لعریض القفا یا ابن حاتم ھو بیاض النھار من سواد اللیل ورواہ ابونعیم، وادخلہ فی باب مداعبتہ صلی اللہ علیہ وسلم من اخطأ لیزول عن المخطیٔ بذلک الخجل. رواہ البخاری

"حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ! میں اپنے سر کے نیچے دو دھاگے (سفید و سیاہ) رکھتا ہوں، میرے لئے (سفید و سیاہ دھاگے میں سے) کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تحقیق آپ کا تکیہ بہت چوڑا ہے"۔

بعض روایات میں یہ آیا ہے:

"اے ابن حاتم! تحقیق آپ کی گدی بہت چوڑی ہے، الخیط الابیض اور الخیط الاسود سے دن کی سفیدی اور رات کی تاریکی مراد ہے"۔

★ مطلب یہ ہے کہ آیت ؛

”حتّٰی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود“۔

میں خیطین سے مراد لیل و نہار ہیں، ان کو آپ نے تکیہ کے نیچے رکھ دیا تو پھر تو آپ کا تکیہ بہت چوڑا ہوا، اور جس کا تکیہ اتنا چوڑا ہو اس کی گدی بھی اسی قدر چوڑی ہوگی ★

ابو نعیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؛

”جس شخص سے کوئی خطا ہو جائے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے یونہی مزاح فرمایا کرتے تھے تاکہ اسے خطا پر جو شرمندگی ہوئی ہے یا ہونے والی ہے اس کا تدارک ہو جائے“۔

لتأکلین اولا لطخن وجهك ؛

(۱۹) عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت : اتیت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بحریرة قد طبختها فقلت لسودة رضی اللہ تعالیٰ عنها والنبی صلی اللہ علیه وسلم بینی و بینها : کلی فابت ان تأکل. فقلت : لتأکلین اولا لطخن وجهك فابت فوضعت یدی فیها فلطختها وطلیت وجهها فوضع فخذه لها وقال لها : لطخی وجهها فلطخت وجهی فضحك رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فمر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه فقال : یا عبد اللہ! فظن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم انه سیدخل فقال : قوما فاغسلا وجوهكما فمازلت اهاب عمر لهیبة رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم منہ. رواہ ابن عساکر وابو یعلی.

(سبل الھدیٰ والرشاد)

"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حلوا پکا کر لائی، میں نے حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ کھاؤ، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے اور ان (حضرت سودہ) کے درمیان تشریف فرما تھے۔ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کھانے سے انکار کیا. میں نے کہا:

"کھاؤ ورنہ میں تمہارے چہرہ پر مل دوں گی"۔

حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انکار کیا، میں نے اپنا ہاتھ حلوا میں رکھا اور حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چہرہ پر مل دیا اور ان کے چہرہ کو لت پت کر دیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سامنے سے اپنی ران نیچے کر لی اور حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

"تم بھی اس کے چہرہ پر مل دو" -

حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے میرے چہرہ پر مل دیا. حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے۔ اسی دوران حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزرے اور کہا: یا عبد اللہ!

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر میں داخل ہونے والے ہیں تو فرمایا:

"اٹھو، اپنے چہرے دھولو"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"سو میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چوکنا اور ہوشیار ہو جانے کو دیکھ کر ان کے رعب کی وجہ سے ان سے ہمیشہ چوکنا رہنے لگی"۔ "

این اختبئ؟:

⑰ عن رزينة رضی الله تعالیٰ عنها مولاة النبی صلی الله عليه وسلم ان سودة رضی الله تعالیٰ عنها دخلت فی هيئة حسنة زينة علی عائشة وحفصة رضی الله تعالیٰ عنهما فقالت حفصة لعائشة رضی الله تعالیٰ عنهما يدخل علينا رسول الله صلی الله عليه وسلم ونحن قشفتين وهذه بيننا تبرق لافسدن عليها زينتها فقالت حفصة يا سودة خرج الاعور قالت نعم ففزعت فزعا شديدا فجعلت تنتفض قالت اين اختبئ؟ قالت عليك بالخيمة خيمة لهم من سعف يختبئون فيها فذهبت فاختبأت فيها وفيها القذر ونسج العنكبوت فجاء رسول الله صلی الله عليه وسلم وهما تضحكان لا تستطيعان ان تتكلما من الضحك فقال ماذا الضحك؟ ثلاث مرات فأومأتا بايديهما الی الخيمة فذهب فاذا سودة ترعد فقال لها يا سودة ما لك؟ قالت يا رسول الله خرج الاعور قال ما خرج وليخرجن فاخرجها فجعل ينفض عنها الغبار ونسج العنكبوت. رواه الطبرانی. (جمع الفوائد)

”حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آزاد کردہ باندی حضرت رزینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خوب بن ٹھن کر خوب زیب و زینت کر کے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئیں تو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس اس حال میں تشریف لائیں گے کہ ہماری حالت ٹوٹی پھوٹی ہوگی اور یہ ہمارے درمیان چمک رہی ہوں گی، میں ضرور ان کی زینت خراب کرنے کا انتظام کروں گی، چنانچہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا،

”اے سودہ ! کانا (دجال) نکل آیا۔“

حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا : ——— ”اچھا؟“

وہ سخت گھبرا گئیں اور کانپنے لگیں، کہنے لگیں :

”میں کہاں چھپ جاؤں؟“

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا :

”آپ اس خیمہ میں چلی جائیں، اسے لازم پکڑیں۔“

کھجور کی چھڑیوں کا بنا ہوا ایک خیمہ تھا جس میں چھپا کرتے تھے۔ وہ گئیں اور اس میں چھپ گئیں حالانکہ اس میں گرد و غبار، میل کچیل اور مکڑی کے جالے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو یہ دونوں اس قدر ہنس رہی تھیں کہ بات بھی نہیں کر پا رہی تھیں، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"یہ ہنسی کیسی ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین مرتبہ یہ ارشاد فرمانے کے بعد ان دونوں نے (ہنسی نہ رکنے کی بنا پر) اپنے ہاتھوں سے خیمہ کی طرف اشارہ کیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو دیکھا حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خوف سے کانپ رہی تھیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

"اے سودہ تمہیں کیا ہوگیا؟"

انہوں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! کانا (دجال) نکل آیا ہے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"نہیں، نکلا تو نہیں البتہ نکلے گا ضرور۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو باہر نکالا اور ان پر سے گردوغبار اور مکڑی کے جالے جھاڑنے لگے۔"

لا تدخل الجنة عجوز:

⑱ عن انس رضی الله تعالیٰ عنه ان عجوزا دخلت علی رسول الله صلی الله علیه وسلم فسألته عن شیء فقال لها و مازحها: لا تدخل الجنة عجوز. وحضرت الصلاة فخرج رسول الله صلی الله علیه وسلم الی الصلاة وبكت بكاء شديدا حتّی رجع رسول الله صلی الله علیه وسلم فقالت عائشة رضی الله تعالیٰ عنها: یارسول الله! ان هٰذه المرأة تبكی لما قلت لها: لا تدخل الجنة عجوز. فضحك وقال،

اجل لا تدخل الجنة عجوز ولکن اللّٰہ تعالیٰ قال: انّا انشأناھن انشآءً فجعلناھن ابکاراً عُرُباً اترابا(۵۶ـ۳۵تا۳۷) رواہ الترمذی.

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بڑھیا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر کوئی سوال کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہِ مزاح ان سے فرمایا:

"کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی۔"

اتنے میں نماز کا وقت ہوگیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے تشریف لے گئے اور بڑھیا بہت زیادہ آہ وبکا کرنے لگیں، یہاں تک کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! یہ عورت آپ کے اس فرمان "کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی" کی وجہ سے رو رہی ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور فرمایا:

"ہاں! کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی، (جوان ہوکر جائے گی) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"بے شک ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے یعنی ہم نے ان کو ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں، محبوبہ ہیں، ہم عمر ہیں۔""

ما اکثر بیاض عینیک؛

⑲ عن انس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللّٰہ صلی

الله علیه وسلم قال ذات یوم لعائشة رضی الله تعالیٰ عنها، ما اکثر بیاض عینیك. رواه ابوالحسن بن الضحاك (سبل الهدی والرشاد)

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

"تمہاری آنکھوں کی سفیدی کس قدر زیادہ ہے"۔"

قلت کلّی ؟

⑳ عن عوف بن مالك الاشجعی رضی الله تعالیٰ عنه قال، اتیت رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو فی قبة من ادم فسلمت فرد وقال ادخل فقلت: اکلی؟ یا رسول الله! قال: کلك فدخلت. قال عثمان بن ابی العاتکة انما قال ادخل کلی من صغر القبة. رواه ابوداؤد.

"حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ آپ چمڑے کے ایک قبہ میں تشریف فرما تھے، میں نے سلام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا اور فرمایا:

"اندر آجاؤ"۔

میں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! پورے کا پورا"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"پورے کے پورے۔"

یہ مزاحیہ سوال و جواب قبہ چھوٹا ہونے کی وجہ سے ہوئے۔

غدر غدر:

㉑ عن عبد اللہ بن بسر المازنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: بعثتنی امی الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقطف من عنب فأکلتہ فسألت امی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، لا، فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رأنی قال، غُدر غُدر. رواہ ابوالحسن ابن الضحاک. (سبل الھدی والرشاد)

"حضرت عبد اللہ بن بسر مازنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میری والدہ نے مجھے انگور کا ایک خوشہ دے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجا، میں نے وہ خوشہ خود کھا لیا۔ میری والدہ نے (بعد میں کسی وقت اس بارہ میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں (مجھے تو کوئی خوشہ نہیں ملا)، پھر جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھتے تو فرماتے:

"غُدر غُدر۔"

غُدر کے معنی: خائن۔

ھٰذہ بتلک:

㉒ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بعض اسفارہ وانا جاریۃ

لم احمل اللحم ولم ابدن فقال للناس: تقدموا فتقدموا ثم قال، تعالی حتی اسابقك فسابقته فسبقته فسكت عنی حتی حملت اللحم وبدنت ونسیت ثم خرجت معه فی بعض اسفاره فقال للناس: تقدموا ثم قال: تعالی اسابقك فسبقنی فجعل یضحك ویقول، هٰذه بتلك. رواه احمد.

"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر میں تشریف لے گئے اور میں (اس وقت) لڑکی تھی، ابھی زیادہ گوشت والی اور موٹی نہیں ہوئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا:

"آگے بڑھ کر چلو۔"

سو لوگ آگے ہو گئے۔ پھر مجھ سے فرمایا:

"آؤ تاکہ میں تمہارے ساتھ دوڑنے میں مقابلہ کروں۔"

سو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوڑ میں مقابلہ کیا تو میں آگے بڑھ گئی، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس مقابلہ کے بارہ میں مجھ سے کوئی بات نہیں فرمائی بلکہ) سکوت فرمائے رکھا، یہاں تک کہ میں زیادہ گوشت اور بھاری بدن والی ہو گئی اور (اس قصہ کو) بھول گئی۔ پھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں گئی تو آپ نے لوگوں سے فرمایا:

"آگے بڑھ کر چلو۔"

پھر مجھ سے فرمایا:

"آؤ میں دوڑ میں تمہارے ساتھ مقابلہ کروں۔"

سو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر غالب آگئے، پس آپ ہنسنے لگے اور فرمانے لگے:

"یہ (میرا تم پر) غلبہ اُس (تمہارے مجھ پر غلبہ) کے بدلے میں ہے۔"

انت ابو الورد:

۲۳ عن ابی الورد عن ابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راٰہ قال، ثم رأی رجلا احمر فقال، انت ابو الورد. رواہ ابن الجوزی (سبل الہدیٰ والرشاد)

"حضرت ابن ابی الورد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد ابو الورد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (ابو الورد) کو دیکھا، پھر ایک سُرخ رنگ کے آدمی کو دیکھا تو فرمایا:

"ابو الورد تو در حقیقت آپ ہیں۔""

ابو الورد کے معنی: گلاب والا یا گلابی۔

یدلع لسانہ:

۲۴ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال، کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدلع لسانہ للحسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما فیری الصبی لسانہ فیھش الیہ. رواہ ابن ابی شیبۃ.

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سامنے

اپنی زبان مبارک نکالتے تھے بچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان دیکھتا تو خوش ہوتا۔"

انت زاملة:

(۲۵) عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه کنت مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فی سفر فثقل علی القوم متاعهم فجعلوا یطرحونه علیّ فمر بی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال: انت زاملة. (سبل الهدی والرشاد)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھا، لوگوں پران کا سامان بھاری پڑ گیا، سو وہ اسے میرے اوپر پھینکنے لگے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے تو فرمایا:

"تم تو بار برداری کے جانور ہو۔"

انت سفینة:

(۲۶) عن سفینة رضی الله تعالیٰ عنه قال: ثقل علی القوم متاعهم فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ابسط کساءك فجعلوا فیه متاعهم فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم احمل فانت سفینة قال، فلو حملت من یومئذ وقر بعیر او بعیرین او ثلاثة حتی بلغ سبعة. ما ثقل علیّ. رواه احمد.

"حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں پر سامان کا بوجھ زیادہ بڑھ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اپنی چادر پھیلاؤ۔“

چنانچہ لوگوں نے اپنا سامان اس میں رکھ دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اٹھاؤ اس لئے کہ تم کشتی ہو۔“

حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”سو اس دن سے اگر میں ایک اونٹ یا دو اونٹوں یا تین اونٹوں (یہاں تک کہ سات تک پہنچ گئے) کا بوجھ اٹھالوں تو مجھ پر بھاری نہیں ہوتا۔“

یا ام عمرۃ:

(۲۷) عن ابی جعفر الخطمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلا کان یکنی ابا عمرۃ فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یا ام عمرۃ فضرب الرجل بیدہ الی مذاکرہ فقال: واللہ ماظننت الا انی امرأۃ لما قلت لی یا ام عمرۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: انما انا بشر امازحکم. رواہ ابوالحسن بن الضحاک وابن عساکر والحاکم.

(سبل الھدیٰ والرشاد)

”حضرت ابوجعفر خطمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص کی کنیت ابوعمرہ تھی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

”اے ام عمرہ!“

تو وہ شخص اپنے زیرِ ناف پر ہاتھ لگا کر دیکھنے لگا، پھر کہا:

"اللہ کی قسم میں نے یہی سمجھا کہ میں عورت ہی ہوں، اسی لئے تو آپ نے مجھ سے فرمایا:

"اے ام عمرہ!۔"

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تحقیق میں ایک انسان ہوں، تم سے مزاح کرتا رہتا ہوں"۔"

ارق بابیك عین بقة:

㉘ عن حصین والد عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہما، وقف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ بیت فاطمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا فخرج الیہ الحسن او الحسین فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ارق بابیك عین بقة و اخذ باصبعه یرقی علی عاتقه ثم خرج الاٰخر الحسن او الحسین فقال له رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مرحبا ارق بابیك عین بقة واخذ باصبعه فاستوی علی عاتقه الاٰخر واخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باقفیتهما حتی وضع افواههما علی فیه ثم قال: اللّٰھم اجبهما فاحبهما واحب من یحبهما. رواہ الطبرانی.

"حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد حضرت حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ کے سامنے کھڑے تھے کہ حضرت حسن یا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں سے کوئی ایک نکلے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ نے فرمایا:

اپنے ابا پر سوار ہو جاؤ، اے فاطمہ کی آنکھوں کی ٹھنڈک"۔

چنانچہ حضرت حسن یا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی پکڑ کر آپ کے کندھے پر چڑھ گئے۔ پھر دوسرے صاحبزادہ (حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں سے کوئی ایک) نکل آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھی فرمایا:

"مرحبا! اے فاطمہ کی آنکھوں کی ٹھنڈک! اپنے ابا پر سوار ہو جاؤ"۔

چنانچہ انہوں نے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی پکڑی اور سیدھے دوسرے کندھے پر چڑھ گئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں صاحبزادوں کی گدیوں کو پکڑا اور دونوں کے منہ کو اپنے منہ پر رکھ دیا پھر فرمایا:

"اے اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں، آپ بھی ان کو اپنا محبوب بنا لیجئے اور ان تمام لوگوں کو بھی محبوب بنا لیجئے جو ان دونوں کو محبوب رکھیں"۔"

نعم الجمل جملکما:

(29) عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: دخلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والحسن والحسین علی ظہرہ و ھو یقول: نعم الجمل جملکما و نعم العدلان انتما.

(سبل الھدی والرشاد)

"حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو حضرت حسن اور حضرت حسین رضی

اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر چڑھے ہوئے تھے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرما رہے تھے:

"تمہارا اونٹ کیا ہی بہترین اونٹ ہے اور تم دونوں کیا ہی بہترین 'عدلان' ہو۔"

عِدلان: بار بردار جانور کی پشت پر دونوں جانب کا باہم مساوی وزن۔ ایک جانب کو 'عِدل' کہا جاتا ہے۔

من يشتري العبد؟

(۳۰) عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلا من اهل البادية كان اسمه زاهر بن حرام وكان يهدي للنبي صلى الله عليه وسلم من البادية فيجهزه رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اراد ان يخرج فقال النبي صلى الله عليه وسلم: ان زاهرا باديتنا ونحن حاضروه وكان النبي صلى الله عليه وسلم يحبه وكان دميما فاتى النبي صلى الله عليه وسلم يوما وهو يبيع متاعه فاحتضنه من خلفه وهو لا يبصره قال ارسلني من هذا؟ فالتفت فعرف النبي صلى الله عليه وسلم فجعل لا يالو ما الزق ظهره بصدر النبي صلى الله عليه وسلم حين عرفه وجعل النبي صلى الله عليه وسلم يقول: من يشتري العبد فقال يا رسول الله اذا والله تجدني كاسدا فقال النبي صلى الله عليه وسلم لكن عند الله لست بكاسد او قال انت عند الله غال. رواه الترمذي.

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک

دیہاتی صحابی جن کا نام زاہر بن حرام تھا، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دیہات کی چیزیں (سبزیاں وغیرہ) ہدیہ لاتے تھے، پھر جب حضرت زاہر بن حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شہر سے جانے کا ارادہ ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو (شہر کی کچھ چیزوں میں سے) ھدیہ دیتے۔ سو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”زاہر ہمارے دیہاتی ہیں اور ہم ان کے شہری ہیں۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت فرماتے تھے حالانکہ ان کی شکل وصورت اچھی نہ تھی۔

ایک دن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جبکہ حضرت زاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا سامان فروخت کر رہے تھے تو آپ نے ان کو پیچھے سے اس طرح دبوچ لیا کہ وہ آپ کو نہ دیکھ سکیں انہوں نے کہا:

”مجھے چھوڑ دو، یہ کون ہے؟“

پھر پیچھے مڑ کر دیکھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان گئے، سو پہچاننے کے بعد خوب کوشش کر کے اپنی کمر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ مبارک کے ساتھ پیوست کرنے لگے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے:

”کون غلام کو خریدے گا؟“

انہوں نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ! اللہ کی قسم تب تو آپ مجھے کھوٹا (کم قیمت)

پائیں گے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لیکن تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک کھوٹے (کم قیمت) نہیں ہو یا فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت قیمتی ہو۔"

كيف رأيتني انقذتك من الرجل:

(۳۱) عن النعمان بن بشير قال استأذن ابوبكر رضي الله تعالىٰ عنه على النبي صلى الله عليه وسلم فسمع صوت عائشة رضي الله تعالىٰ عنها عاليا فلما دخل تناولها ليلطمها وقال لا اراك ترفعين صوتك على رسول الله صلى الله عليه وسلم فجعل النبي صلى الله عليه وسلم يحجزه وخرج ابوبكر رضي الله تعالىٰ عنه مغضبا وقال النبي صلى الله عليه وسلم حين خرج ابوبكر رضي الله تعالىٰ عنه كيف رأيتني انقذتك من الرجل قال فمكث ابوبكر رضي الله تعالىٰ عنه اياما ثم استأذن فوجدهما قد اصطلحا فقال لهما ادخلاني في سلمكما كما ادخلتماني في حربكما فقال النبي صلى الله عليه وسلم قد فعلنا قد فعلنا.

رواه ابوداؤد.

"حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کی اجازت طلب کی، اسی دوران انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آواز کو بلند سنا، جب وہ اندر داخل

ہوگئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پکڑ لیا تاکہ ان کو تھپڑ ماریں اور فرمایا:

”میں تجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آواز بلند کرتے نہ دیکھوں۔“

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روکتے رہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ غصّہ کی حالت میں تشریف لے گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تم نے مجھے کیسا پایا؟ میں نے تمہیں اس شخص سے بچالیا۔“

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کئی دن کے بعد پھر تشریف لائے تو دیکھا کہ ان دونوں (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے صلح کرلی ہے تو عرض کیا:

”مجھے اپنی صلح میں بھی شامل کرلیں جیسا کہ مجھے اپنی لڑائی میں شریک کیا تھا۔“

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تحقیق ہم نے شریک کرلیا، تحقیق ہم نے شریک کرلیا۔“ “

اتأکل التمر وانت ارمد؟:

(۳۲) عن صهيب بن سنان رضي الله تعالیٰ عنه قال: جئت النبي صلی الله عليه وسلم وهو نازل بقباء وبين يديه رطب وتمر وانا ارمد فأكلت فقال النبي صلی الله عليه وسلم اتأكل التمر وانت ارمد فقلت: انما اكل علی شق عيني الصحيحة فضحك رسول الله صلی الله عليه وسلم

حتی بدت نواجذہ۔ (اسد الغابۃ)

حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ آپ قباء میں تشریف فرما تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سامنے کھجوریں رکھی ہوئی تھیں، میری آنکھ میں آشوب تھا، میں بھی کھانے لگا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم کھجوریں کھا رہے ہو، حالانکہ تمہیں آشوب چشم ہے۔"

میں نے عرض کیا:

"میں اس آنکھ کی طرف سے کھا رہا ہوں جو تندرست ہے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے، یہاں تک کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں۔"

واللہ ما بعینہ بیاض:

(۳۲) قال زید بن اسلم رحمہ اللہ تعالیٰ ان امرأۃ یقال لها ام ایمن جاءت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت: ان زوجی یدعوك قال ومن ھو اھو الذی بعینہ بیاض؟ قالت ما بعینہ بیاض فقال بلی ان بعینہ بیاضا فقالت: لا واللہ فقال صلی اللہ علیہ وسلم ما من احد الا وبعینہ بیاض واراد بہ البیاض المحیط بالحدقۃ. رواہ الغزالی رحمہ اللہ تعالیٰ.

"حضرت زید بن اسلم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "ام ایمن"

نامی ایک صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

"میرے شوہر آپ کو بلا رہے ہیں"۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وہ کون ہیں؟ کیا وہی جن کی آنکھ میں سفیدی ہے؟"

اس نے کہا:

"واللہ! ان کی آنکھ میں تو سفیدی نہیں"۔

حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کیوں نہیں، یقیناً ان کی آنکھ میں سفیدی ہے"۔

تو اس نے کہا:

"نہیں اللہ کی قسم"۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کوئی شخص ایسا نہیں جس کی آنکھ میں سفیدی نہ ہو"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد وہ سفیدی ہے جو پُتلی کو احاطہ کئے ہوئے ہے"۔

استغفرلك :

(۳۴) قال القاسم بن محمد قالت عائشة رضی اللہ عنها وارأساه فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذاك لو كان وانا حیّ فاستغفر لك وادعولك فقالت عائشة واثكلياه واللہ انی لاظنك تحبُّ بموتی ولو كان ذلك لظللت اٰخر یومك معرسا ببعض ازواجك فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بل انا وارأساه لقد هممت او اردت ان

ارسل الی ابی بکر وابنه واعهد ان یقول القائلون او یتمنی المتمنون ثم قلت یأبی الله ویدفع المؤمنون او یدفع الله ویأبی المؤمنون. رواہ البخاری

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: ——— ”میں تو گئی“۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاحاً فرمایا:

”اگر میری حیات میں ایسا ہوا تو میں تیرے لئے استغفار و دُعاء کروں گا“۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: ”شاید آپ میری موت چاہتے ہیں“۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”بلکہ میں پہلے جاؤں گا، میں ابوبکر کے لئے خلافت کی وصیت کرتا مگر اللہ اور مؤمنین غیر کو دفع کریں گے“۔

مزاح کے فوائد

① مزاح وظرافت کی وجہ سے انسان کبر، عجب اور خود پسندی وخود نمائی جیسے مہلک اور دنیا وآخرت دونوں کے لئے تباہ کن اَمراض سے محفوظ رہتا ہے۔

② حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع ہونے کی وجہ سے باعثِ اجر ہے۔

③ اس سے قلب میں اِنشراح وسُرور رہتا ہے جس کی وجہ سے دینی کام آسان ہو جاتے ہیں، خدماتِ دینیّہ کی کمّیت وکیفیت میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے۔

قلب کا انشراح وسُرور اور چہرہ وزبان کی بَشاشت وظرافت دونوں ایک دوسرے کے معاون ہیں، دونوں میں سے ہر ایک

دوسرے کا سبب بھی ہے۔ اور مسبَّب بھی، سُرورِ قلب سے چہرہ وزبان کی بَشاشت وظرافت ہوتی ہے اور بَشاشت وظرافت سے سُرورِ قلب پیدا ہوتا ہے۔ جیسے حرارت سے آگ اور آگ سے حرارت پیدا ہوتی ہے۔

④ علومِ ظاہرہ وفیوضِ باطنہ حاصل کرنے والوں کے قلوب پر رعب غالب ہو تو وہ پورے طور پر استفادہ سے مانع ہوتا ہے۔ استاذ و مرشد کے مزاح وظرافت کی بدولت ضرورت سے زیادہ رعب ختم ہوجاتا ہے، اس کے بعد صحیح ومکمل استفادہ ہوسکتا ہے۔

⑤ دوسروں کو خوش کرنے اور ان کے قلوب میں سُرور پیدا کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

⑥ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو دین کی طرف لانے میں معین ہے۔

⑦ دماغ، اعصاب اور عام جسمانی طاقت کے لئے بہت مفید ہے۔

⑧ مزاح وخوش طبعی سے آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے جو تکمیلِ ایمان ودخولِ جنّت کا ذریعہ ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا. رواہ مسلم.

"تم جنت میں داخل نہ ہوگے جب تک ایمان نہ لاؤ گے، اور تم ایمان والے نہیں ہوسکتے جب تک آپس میں محبت پیدا نہ کرو۔"

⑨ لوگوں کے دلوں میں محبوب بن جانے کی وجہ سے دل ودماغ کے سکون اور جسمانی راحت کا باعث ہوتا ہے اور دینی کاموں کے علاوہ دنیوی کاموں میں بھی سہولت ہوتی ہے۔

مزاح کی حدود و قیود!

① مزاح میں کوئی بات خلافِ واقع اور جھوٹ نہ ہو۔

② کسی کی ناگواری کا باعث نہ ہو۔

③ مشاغل میں حرج نہ ہو۔

④ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ واستحضار میں مخل نہ ہو بلکہ مزید ترقی کا باعث ہو۔

⑤ حدِ اعتدال سے تجاوز نہ ہو۔

مزاح میں اعتدال ہر شخص کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے، اکابر اولیاء اللہ کے حق میں جو مزاح حدِ اعتدال میں ہے وہ عوام کے حق میں افراط ہے اور حدِ اعتدال سے متجاوز ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، اس لئے عوام کو بہت محتاط رہنا چاہئے، کسی بزرگ کا مزاح وظرافت سن کر اس کی نقل اتارنا جائز نہیں۔ بہت ہوشیار رہیں ورنہ ایسی حرکت کرنے والے کا انجام اس بندر جیسا ہوگا جو بڑھئی کی نقل اتارنے لگا تھا!

کوئی بڑھئی لکڑی چیر رہا تھا، اس کے درمیان لکڑی کی میخ ٹھونک رکھی تھی تاکہ آرا چلنے کی جگہ رہے، بڑھئی کسی کام کو چلا گیا، ایک بندر دیکھ رہا تھا، بندر کو نقل اتارنے کا شوق تو ہوتا ہی ہے، لکڑی پر آبیٹھا، میخ ٹھونکنے کی وجہ سے لکڑی کے دونوں پاٹوں کے درمیان جو خلاء تھا، بندر کے فوطے اس میں لٹک گئے، اب جو اس نے زور لگا کر میخ نکالی تو لکڑی کے دونوں پٹ آپس میں مل گئے اور یہ نقلی بڑھئی صاحب تڑپتے رہ گئے۔ اتنے میں اصلی بڑھئی آگیا اس نے خوب خبر لی،

مار مار کر بھرتا بنا دیا۔

مزاح میں اعتدال کا معیار:

مزاح میں اعتدال کا معیار یہ ہے کہ ”مزاح کی حُدود و قیود“ کے تحت جو پہلے چار نمبر بیان کئے گئے ہیں ان کی پابندی کا اہتمام رہے، ان حدود کے اندر رہے تو اعتدال ہے، ان میں سے کسی میں ذرا سی بھی غفلت ہوئی تو اعتدال سے تجاوز کی وجہ سے ناجائز ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مذکورہ پانچ شرائط میں سے پانچویں شرط مستقل نہیں بلکہ یہ پہلی چار شرائط کا خلاصہ ہے۔

اشکال:

مزاح وظرافت کے جواز کی یہ شرط بتائی گئی ہے کہ ”کسی کی ناگواری کا باعث نہ ہو“ مگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح کی جو مثالیں بتائی گئی ہیں ان میں تو دل آزاری نظر آرہی ہے۔

جواب:

جو تکلیف و مصیبت کسی بہت بڑی راحت و مسرت کا پیش خیمہ ہو درحقیقت وہ مصیبت نہیں بلکہ بہت بڑی نعمت ہے۔ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح سے اگر کبھی عارضی کوفت ہوئی تو وہ بہت جلد انتہائی مسرت سے بدل گئی، جب انھیں یہ علم ہوتا ہوگا کہ سیّدِ دو عالَم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم جیسے خدّام کے ساتھ دل لگی کا معاملہ فرمایا ہے تو ان کی خوشی کا

کیا عالم ہوتا ہوگا، وہ تو یہ تمنا کرتے ہوں گے کہ انھیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایسی تکلیف ہمیشہ ہی پہنچتی رہے۔ اس تکلیف پر کروڑوں مسرتیں قربان۔"

حضرت والا کے مزاح کی چند مثالیں

ہمارے حضرت اقدس دامت برکاتہم کا اللہ تعالیٰ کی محبت و معرفت میں جتنا بلند مقام ہے، اسی قدر آپ کے مزاح و ظرافت کا معیار بھی بہت بلند ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرتِ والا کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئی جسمانی و روحانی صفات میں موافقت کی سعادت سے نوازا ہے۔ انہی صفات میں سے مزاح و ظرافت بھی ہے۔

حضرتِ والا کے مزاح و ظرافت میں عموماً بہت لطافت ہوتی ہے، بسا اوقات تو آپ کے لطائف ایسے عمیق ہوتے ہیں کہ انھیں صرف وہی خدام سمجھ سکتے ہیں جو آپ کی صحبت میں بہت طویل عرصہ تک رہ چکے ہوں۔

ایک مولوی صاحب چند ایام حضرتِ والا کی خدمت میں رہے، حضرتِ والا کے لطائف سن کر کہنے لگے:

> "حضرتِ والا کے لطائف صرف وہ عالم سمجھ سکتا ہے جس نے کم از کم دس برس تک حضرتِ والا کی صحبت میں رہ کر فیض حاصل کیا ہو۔"

حضرتِ اقدس دامت برکاتہم کے فکاہات و لطائف نکاتِ علمیہ و عملیہ اور اصلاحِ ظاہر و باطن سے معمور ہوتے ہیں، کوئی مزاح کسی اہم تعلیم سے خالی نہیں ہوتا، چونکہ آپ کے لطائفِ علمیہ نہایت غامضہ ہونے کے علاوہ کتاب

کے اصل موضوع سے بھی خارج ہیں، اس لئے یہاں صرف "اصلاحِ ظاہر وباطن" سے متعلقہ لطائف غالیہ وفکاہاتِ غریبہ کی چند مثالیں قیدِ تحریر میں لانے کی سعیِ ناقص پیش کی جاتی ہے :

① مرضِ عُجب کا نسخہ، عالی مقام :

آپ مرضِ عجب سے حفاظت کے لئے "عالی مقام" کا خطاب دیتے ہیں، جو اس مثلِ مشہور کی طرف اشارہ ہے :

اَنفٌ فِی الْمَآءِ وَاسْتٌ فِی السَّمَآءِ ۔

"ناک پانی میں اور چوتڑ آسمان میں ۔"

② مرضِ عُجب کا دوسرا نسخہ، ججمان :

کبھی مرضِ عجب سے حفاظت کے لئے کسی کو "ججمان" کے لقب سے نوازتے ہیں۔

قصۂ ججمان :

ایک نائن اپنے ججمان کے گھر گئی، اس کی بیوی نے نتھ دھونے کے لئے اُتاری ہوئی تھی۔ نائن سمجھی یہ بیوہ ہوگئی ہے۔ جا کر نائی کو بتایا۔ ججمان کہیں دور دوسرے شہر گیا ہوا تھا، نائی وہاں پہنچا، ججمان کو خبر دی :

"آپ کی بیوی بیوہ ہوگئی ہے ۔"

وہ رونے لگا۔ لوگوں نے وجہ دریافت کی تو کہنے لگا :

"میری بیوی بیوہ ہوگئی ہے ۔"

لوگ آ آکر تعزیت کرنے لگے۔ کسی عقلمند کا ادھر سے گزر ہوا، اس نے کہا :

"آپ زندہ بیٹھے ہیں تو آپ کی بیوی کیسے بیوہ ہوگئی ؟ یہ بات عقل میں تو نہیں آرہی ۔"

ججمان نے جواب دیا؛

"عقل میں تو میری بھی نہیں آرہی، مگر ہمارا نائی بہت معتبر ہے کبھی غلط بات نہیں کہہ سکتا۔"

اس کی تشریح یوں فرماتے ہیں؛

"انسان اپنی حقیقت وحیثیت کو خوب جانتا ہے، اس کے باوجود اگر کوئی اس کی ذرا سی تعریف کر دیتا ہے تو یہ اترانے لگتا ہے، اپنے بارہ میں غیر کے علم کو اپنے علمِ حضوری پر ترجیح دیتا ہے اور اپنی حیثیت و حقیقت کو بھول جاتا ہے۔"

③ مرضِ عجب کا تیسرا نسخہ، قاضیٔ جونپور؛

کسی کو مرضِ عجب سے حفاظت کے لئے "قاضیٔ جونپور" کا منصب عنایت فرماتے ہیں۔

قصۂ قاضیٔ جونپور؛

"جونپور کے نواح میں کوئی گنوار کسی مولوی صاحب کے پاس آیا وہ اپنے کسی شاگرد کو یوں ڈانٹ رہے تھے؛

"تو گدھا تھا میں نے تجھے انسان بنایا۔"

گنوار بولا؛

"مولوی جی! آپ گدھے کو انسان بنا دیتے ہیں؟"

مولوی صاحب نے کہا؛

"ہاں! دیکھو یہ تمہارے سامنے ہے، میں نے اس گدھے کو انسان بنایا ہے۔"

گنوار نے بہت لجاجت سے عرض کیا؛

”مولوی جی! مہربانی کرو، میرے گدھے کو انسان بنا دو، بہت کام آئے گا، میں غریب آدمی ہوں۔“

مولوی صاحب نے فرمایا:

”مصالحہ لگانے میں کچھ دن لگتے ہیں، ایک ہفتہ کے لئے گدھا میرے پاس چھوڑ جاؤ۔“

وہ گدھا چھوڑ گیا، ایک ہفتہ کے بعد آیا تو مولوی صاحب نے فرمایا:

”مصالحہ کچھ زیادہ لگ گیا، اس لئے تمہارا گدھا عام انسان بننے کی بجائے جونپور کا قاضی بن گیا۔“

گنوار نے گدھے کو دانہ دینے کا جھولا اٹھالیا اور عدالت میں پہنچ گیا، قاضی صاحب بڑی شان سے مقدمات کی سماعت فرما رہے تھے، گنوار نے عدالت کے دروازہ پر کھڑے ہو کر قاضی صاحب کی طرف غور سے دیکھا پھر دانے والا جھولا اور اٹھا کر لہرا کر قاضی صاحب کو دکھایا، گدھے کو بلانے کی مخصوص آواز دی، قاضی صاحب ادھر متوجہ ہوئے تو ہاتھ سے بلانے کا اشارہ کر کے کہنے لگا:

”آجا! آجا!!۔“

قاضی صاحب نے اس کو اپنے پاس بلوا کر پوچھا تو قاضی صاحب کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا:

”چلو گھر چلیں، قاضی بن گیا تو کیا ہوا؟ مولوی جی سے مصالحہ کچھ زیادہ لگ گیا، ہے تو میرا ہی گدھا ہی نا! چلو گھر چلیں۔“

④ مرضِ عجب کا چوتھا نسخہ ”خرگوش“:

کسی کو مرضِ عجب سے حفاظت کے لئے ”خرگوش“ بنا دیتے ہیں۔

یہ ترکیب مقلوبی ہے، اصل میں ”گوشِ خر“ ہے، ”گدھے کا کان“ اس کی

تشریح میں یہ شعر پڑھتے ہیں ؎

گر گدھے کے کان میں کہہ دو کہ عاشق تجھ پہ ہوں
ہے یقیں کامل کہ وہ بھی گھاس کھانا چھوڑ دے

کبھی کسی کے سامنے کوئی مدحیہ جملہ فرما دیتے ہیں:

"دیکھنا گھاس کھانا نہ چھوڑ دینا۔"

⑤ بوزینہ:

بدونِ صلاحیت اکابر کی نقل اتارنے کی کوشش کرنے والے کو بغرضِ اصلاح "بوزینہ" کا تمغہ عطاء فرماتے ہیں۔

قِصّۂ بوزینہ:

بندر کو انسان کی نقل اتارنے کا بہت شوق ہے ع

آں چہ مردم می کند بوزینہ ہم

"جو کام انسان کرتا ہے بندر بھی اس کی نقل اتارتا ہے۔"

ایک بندر کو بڑھئی کی نقل اتارنے کا شوق اٹھا تو اس کا کیا حشر ہوا؟

اس کی تفصیل اوپر "مزاج کی حدود و قیود" کے نمبر ۵ میں گزر چکی ہے، کسی نے کیا خوب کہا ہے ع

ز بوزینہ نیاید کارِ نجاری

"بندر سے بڑھئی کا کام نہیں ہو سکتا۔"

⑥ موسیٰ شاہ:

ازالۂ غفلت کے لئے لطیف تنبیہ کے طور پر ایک قدیم خادم کو "موسیٰ شاہ" جیسا عظیم خطابِ محبت دے رکھا ہے۔

یہ بھی ترکیبِ مقلوبی ہے، اصل میں "شاہ موسیٰ" ہے "حضرت موسیٰ علیہ السلام

کی بکری۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بکریاں چرانا قرآن سے ثابت ہے، بکریاں چرواہے کو بہت تنگ کرتی ہیں، چرواہے کو بہت غصّہ آتا ہے مگر وہ جاری نہیں کرسکتا، اس لئے کہ بکری میں اس کا تحمل نہیں، ایک ہی لاٹھی لگ جائے تو قصہ ہی ختم۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بغرضِ اصلاح وبسببِ حمیّتِ دینیہ غیظ وغضب وقوتِ بازو کا بیان بھی قرآن میں ہے، غیظ وغضب یہ کہ حضرت ہارون علیہ السلام کو سر اور ڈاڑھی کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے اور قوتِ بازو یہ کہ ایک طمانچے سے قبطی کا کام تمام کردیا۔

حضرتِ والا کی ان صفات کا بیان اسی جلد میں عنوان "حسنِ ظاہر وقوتِ جسمانیہ" کے تحت اور جلد ثانی میں عنوان "نسبتِ موسویہ" کے تحت ہے۔

اس لقب سے حضرت والا کا مقصد یہ ہے:

"تیری غفلت کا علاج تو یہ ہے کہ تیری زبردست ٹھکائی لگاؤں مگر مشکل یہ ہے کہ تیرے اندر تو میرے ایک طمانچے کا بھی تحمل نہیں۔"

⑦ تیرے دم سے دُنیا قائم:

آپ کسی خادم کی حماقت پر زیرِلب تبسّم اور محبت بھرے لہجے سے یوں تنبیہ فرماتے ہیں:

"شاباش بیٹے! تیرے دم سے دنیا قائم ہے۔"

اس کی تشریح یوں فرماتے ہیں:

تو بہت بڑا احمق ہے، بمطابق مقولۂ مشہورہ:

لَوْلَا الْحَمْقَاءُ لَخَرِبَتِ الدُّنْيَا.

"اگر احمق نہ ہوتے تو دنیا تباہ ہوجاتی۔"

کسی خادم کی شرارت پر بھی محبت بھرے لہجہ سے یہی تنبیہ لطیف فرماتے ہیں:

"شاباش بیٹے! تیرے دم سے دنیا قائم ہے۔"

اس کی تشریح یوں فرماتے ہیں:

تو اعلیٰ درجہ کا شریر ہے، مقولۂ مذکورہ میں ترمیم کے ساتھ:

لَوْلَا الْاَشْرَارُ لَخَرِبَتِ الدِّيَارُ.

"اگر اشرار نہ ہوتے تو دنیا تباہ ہو جاتی۔"

کبھی فرماتے ہیں:

لَوْلَا الْاَشْرَارُ لَخَرِبَتِ الْاَبْرَارُ.

"اگر اشرار نہ ہوتے تو ابرار تباہ ہو جاتے۔"

اس کی حقیقت یوں بیان فرماتے ہیں:

"بقاءِ عالَم خیر و شر دونوں کے وجود پر موقوف ہے، قیامت تک دونوں ہی ساتھ ساتھ چلتے رہیں گے، دونوں میں سے کوئی ایک نہ رہے گا تو قیامت آجائے گی۔"

⑧ ھارون الرشید:

آپ کے منتسبین میں سے ایک مولوی صاحب کا نام "ہارون الرشید" ہے۔ آپ نے ایک بار براہِ محبت و تلطف فرمایا:

"یہ میرا گھوڑا ہے، ہارون کے معنی "سرکش گھوڑا"۔ گھوڑا جتنا زیادہ سرکش ہو مجھے اتنا ہی زیادہ پسند ہے، سواری میں بہت مزا دیتا ہے۔"

وہ اپنے اس لقبِ محبت سے اتنے خوش ہوئے کہ حضرتِ والا کی طرف

پرچہ میں اپنے نام کی بجائے "حضرتِ والا کا گھوڑا" لکھنے لگے، مگر حضرتِ والا نے اس سے منع فرمادیا۔

⑨ حمار الرشید:

حضرتِ والا ایک مولوی صاحب کی اصلاح وتربیت پر بہت محبت وشفقت سے خاص توجہ اور نظرِ عنایت فرماتے رہے، ان سے ایک حرکت ایسی سرزد ہوگئی جو بظاہر شیخ پر اعتمادِ کامل کو مخدوش کر رہی تھی، اس پر حضرتِ والا نے ان کو "حمار الرشید" کے بلند پایہ لقب سے نوازا اور اس سے متعلق اپنے بچپن کا ایک قصہ بیان فرمایا:

قصۂ حمار الرشید:

> "میرے بچپن میں حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے مواشی کے لئے اپنی زمین سے گھاس کاٹ کر لانے کے لئے نوکر کو ایک گدھا لے دیا تھا۔ ایک بار میں نے گدھے کو بہت پژمردہ، کان دبائے دیکھا، میں نے قریب جاکر مزاج پُرسی کی تو معلوم ہوا کہ نوکر نے اس پر بہت ظلم کیا ہے، ظالم نے خاردار لگام سے اس کی باچھیں چیر دی ہیں۔ مجھے اس پر بہت رحم آیا، خیال آیا کہ شاید نوکر نے اس کو پانی بھی نہیں پلایا ہوگا، گھر سے کچھ فاصلہ پر مواشی کو پانی پلانے کا تالاب تھا، میں گدھے پر سوار ہوکر اس کو تالاب کی طرف بہت آرام سے لے جارہا تھا، گدھے پر ترحم اور نوکر پر تأسف کے خیالات میں ہمہ تن مشغول اور گدھے کے عجز وانکسار، اعتماد وانقیاد، اطلاع واتباع پر مکمل اعتماد۔ لیکن اس مکار نے مجھے غافل پاکر گرادیا اور بھاگ گیا۔ اچانک کودا، زبردست جھٹکے کے ساتھ توپ کو آسمان کی طرف اٹھادیا

اور مجھے گرانے میں کامیاب ہو گیا، جبکہ مجھے کوئی مست سے مست گھوڑا بھی کبھی نہیں گرا سکا مگر اس مکار گدھے نے گرا دیا، اس لئے کہ میں نے اس کی شرافت و انقیاد پر اعتماد کر لیا تھا، اس نے ایک لمحہ میں میرے ترحم و احسانات اور اعتماد کو خاک میں ملا دیا۔"

پھر فرمایا:

"اسی طرح اس مکار مولوی نے اس پر میری توجہات و احسانات کو اور اس کے اعتماد و انقیاد پر میرے اعتماد کو گدھے جیسی حرکت کر کے بے اعتمادی سے بدل دیا، اس لئے میں نے اس کا نام "حمار الرشید" رکھ دیا ہے۔"

حضرتِ والا دامت برکاتہم نے یہ فیصلہ و قصہ حسبِ معمول نہایت بشاشت، طلاقت اور تبسم و انشراح کے ساتھ بہت مزے سے بتایا، آپ جب بھی کسی کو تنبیہ فرماتے ہیں تو آپ کے قلب سے محبت و شفقت کے فوارے پھوٹ کر زبان، لب و لہجہ اور چہرۂ انور پر جاری ہوتے ہیں، دیکھنے سننے والوں کو ناگواری کا کہیں دور دور تک بھی احساس نہیں ہوتا، کبھی مصلحۃً لہجہ کچھ تیز کرتے ہیں تو بھی حلاوتِ قلب کے حسین امتزاج کے ساتھ لب و لہجہ کی مسکراہٹ اور چہرہ کی بشاشت کا منظر عجیب دلکش ہوتا ہے، پھر ڈانٹنے کے بعد فوراً فرماتے ہیں ع

ڈانٹ بھی پلاتا ہوں تو میٹھی میرے بیٹے

پھر معتوب سے دریافت فرماتے ہیں:

"ڈانٹ میٹھی ہے نا؟"

وہ جواب میں حلاوت کی تصدیق کرتا ہے۔

حضرتِ اقدس دامت برکاتہم نے ان مولوی صاحب کو بتوفیق اللہ تعالیٰ ایسا

مصالحہ لگایا کہ انہوں نے توبہ کرلی، جب توبہ کے بعد ان میں صلاحیت کے آثار بھی ظاہر ہو گئے تو حضرتِ والا نے ارشاد فرمایا؛

"میں نے بعون اللہ تعالیٰ گدھے کو مصالحہ لگا کر "قاضی جونپور" تو بنا دیا ہے لیکن دیکھنا! کہیں گھاس کھانا نہ چھوڑ دینا۔"

قاضی جونپور کا قصہ اوپر نمبر ۳ میں گزر چکا ہے اور گھاس کھانا نہ چھوڑنے کا بیان نمبر ۴ میں۔

ظہورِ صلاح کے بعد حضرتِ والا نے ان کا لقبِ مذکور بدل کر "خواجہ غلطان" کر دیا، پھر مزید اخفاء و اضمار کے پیشِ نظر "حضرت خواجہ" کر دیا۔

غلطان کے معنی، لڑھکتا ہوا۔ ہرات میں خواجہ غلطان کا مزار ہے، ان کا پورا قصہ دوسری جلد میں عنوان "کشف و کرامات" کے تحت ہے۔

حضرتِ والا بغرضِ اصلاح ایسے القاب سے نوازتے ہیں کہ ان میں غلطی پر تنبیہ کے ساتھ اکرام کا پہلو بھی ظاہر ہوتا ہے، بباطن تنبیہ و بظاہر اکرام، تاکہ تنبیہ بھی ہوتی رہے مگر دوسروں کی نظر میں خفت کی بجائے اکرام جس سے معتوب کی دلجوئی و تشجیع مقصود ہوتی ہے اور بصورتِ تفاؤل دعا بھی۔

سبحان اللہ! تخلیہ کے بعد تحلیہ بھی، تنقیہ کے بعد تغذیہ بھی، نشتر کے بعد مرہم بھی ع

چو فاصد کہ جراح و مرہم نہ است

"فصد کھولنے والے کی طرح جراح بھی ہے اور مرہم رکھنے والا بھی۔"

اصلاح بصورتِ مزاح کا یہ طریقہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

⑩ عاقدِ رشید:

حضرتِ والا نے ایک بار احباب میں از راہِ تلطف فرمایا؛

"حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نکاح "رشید" سے پڑھوایا کرو، کتبِ فقہ میں "عاقد رشید" کے الفاظ ہیں"۔

⑪ ھُدھُد:

حضرتِ والا کے منتسبین میں سے ایک مولوی صاحب کا نام "سلیمان" ہے جو بہت دُبلے پتلے ہیں۔ حضرتِ والا فرماتے ہیں:

"ان کا نام تو سلیمان ہے مگر ہیں ہُدہُد"۔

کبھی ازراہِ محبت ان کو "ہُدہُد" کے نام سے پکارتے ہیں، یہ حضرتِ والا کے اس لقبِ محبت پر بہت خوش ہوتے ہیں اور حضرتِ والا کی طرف پرچہ میں اپنے نام کی بجائے یہی لقبِ محبت لکھتے ہیں۔

⑫ مولانا مثقوب علی:

حضرتِ والا کے خواص میں سے ایک عالم کے کان میں کسی حادثہ کی وجہ سے سوراخ ہے، حضرتِ والا نے ایک بار ان سے ازراہِ تلطف و محبت فرمایا:

"مولانا مثقوب علی"۔

ان کو حضرتِ والا کا عطاء فرمودہ یہ "نشانِ محبت" ایسا پسند آیا کہ حضرتِ والا کی طرف خط میں اپنے نام کی جگہ یہی لکھنے لگے، مگر حضرتِ اقدس نے منع فرمادیا۔

⑬ دھواں:

حضرتِ والا حفظانِ صحت کا اہتمام رکھنے کی تاکید کے لئے فرماتے ہیں:

"مٹھائی زیادہ نہ کھایا کریں، مٹھائی کھانے سے انگیٹھی دھواں دینے لگتی ہے"۔

⑭ جاریۂ مالک:

آپ کے ایک شاگرد نے وزراء سے استغناء کا ثبوت دیا تو آپ نے ان

کو "جاریۂ مالک" کے تمغہ سے نوازا۔

اس کی تفصیل اسی جلد میں عنوان "حکام سے اجتناب" کے تحت ہے۔

⑮ پالش:

نظافت وصفائی کے اہتمام کی تعلیم کے لئے "پالش" کا قصہ اسی جلد میں عنوان "نظافت ونزاکتِ ظاہرہ وباطنہ" کے تحت ذیلی عنوان "لطیفہ" میں ہے۔

⑯ انگیٹھی:

اس کا قصہ بھی صفائی ونظافت کے اہتمام کی تعلیم سے متعلق ہے، جس کی تفصیل لطیفۂ مذکورہ بالا کے بعد متصل دوسرے عنوان "لطیفہ" میں ہے۔

⑰ غبارا:

حضرتِ والا نہی عن المنکرات کی غرض سے مغربی ممالک کے دورہ پر تشریف لے گئے، ٹورنٹو (کینیڈا) میں میزبان نے انگریزی نوعیت کے بیت الخلاء کے اندر چھینٹوں سے حفاظت کے لئے پلاسٹک کا گولا چھوڑ رکھا تھا، حضرتِ والا نے یہ اعجوبہ دیکھا تو اس پر یہ اشعار پڑھے۔

عجوبہ فقط آسماں ہی نہیں
زمیں پر عجائب نظارے بہت
فضا ہی میں پرّاں غبارے نہیں
مراحیض میں بھی غبارے بہت

⑱ قصۂ امام:

حضرتِ اقدس نے ایک بار ایک نوعمر طالب علم کو امامت کے لئے کھڑا کردیا، نماز سے فارغ ہوئے تو حضرتِ والا نے فرمایا:

"آپ کی نماز میں ہوا نکل گئی ہے، سجدۂ سہو کیوں نہیں کیا؟"

انہوں نے خروجِ ریح سے انکار کیا تو حضرتِ والا نے ذرا تیز لہجہ سے فرمایا:

”جھوٹ بولتے ہو؟ یقیناً تمہاری ہوا نکلی ہے۔“

وہ بہت پریشان ہو گئے تو فرمایا:

”آپ کی ناک سے ہوا نکلتی رہی ہے۔“

پھر ایک لطیفہ بیان فرمایا:

” ایک امام صاحب نے سجدۂ سہو کیا، مقتدیوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا:

”ذرا سی ہوا نکل گئی تھی۔“

امام صاحب سمجھتے تھے کہ زیادہ ہوا نکلنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے اور ذرا سی نکلنے سے نماز ٹوٹتی نہیں سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔“

حضرتِ والا نے اس لطیفہ کی صورت میں یہ تنبیہ فرما دی:

”امام کے لئے وضوء اور نماز کے مسائل کا علم عوام کی بنسبت زیادہ مؤکد ہے۔“

حضرتِ اقدس دامت برکاتہم کے فکاہات و لطائف اتنے زیادہ ہیں کہ بعض حضرات نے ان کے ضبط کرنے کا کچھ سلسلہ شروع کیا تو مدتِ قلیلہ میں بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ (متفق علیہ)

هیبتِ حق است این از خلق نیست
هیبتِ این مردِ صاحب دلق نیست

•

هر که ترسد از حق و تقویٰ گزید
ترسد از وے جنّ و انس و هر که دید

رعب و ہیبت و جلال

آپ پیکرِ محبت و شفقت ہیں، اس کے باوجود رعب و ہیبت کا یہ عالم کہ آپ کے سامنے بڑے بڑے اربابِ مناصب و اصحابِ وجاہت ایسے دم بخود ہو جاتے ہیں کہ گویا ان پر سکتہ طاری ہے۔ جس قدر تعلق مع اللہ مضبوط ہوتا ہے مخلوق کے قلوب میں رعب اور عظمت و ہیبت زیادہ ہوتی ہے۔

رعب اور ہیبت وجلال

مضمون	صفحہ
"کتنی رکعات ہوگئیں؟"	۳۴۹
حضرت مولانا فقیر محمد صاحب دامت برکاتہم کی شہادت	۳۵۰
حضرت مولانا ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کی شہادت	۳۵۰
نوعمری ہی میں بدعتیوں پر ہیبت —— فتح مبین	۳۵۰
ایک بدعتی مشرک مولوی کی شرکیہ عقائد کی کتاب	۳۵۳
ہیبتِ حق ست این از خلق نیست	۳۵۴

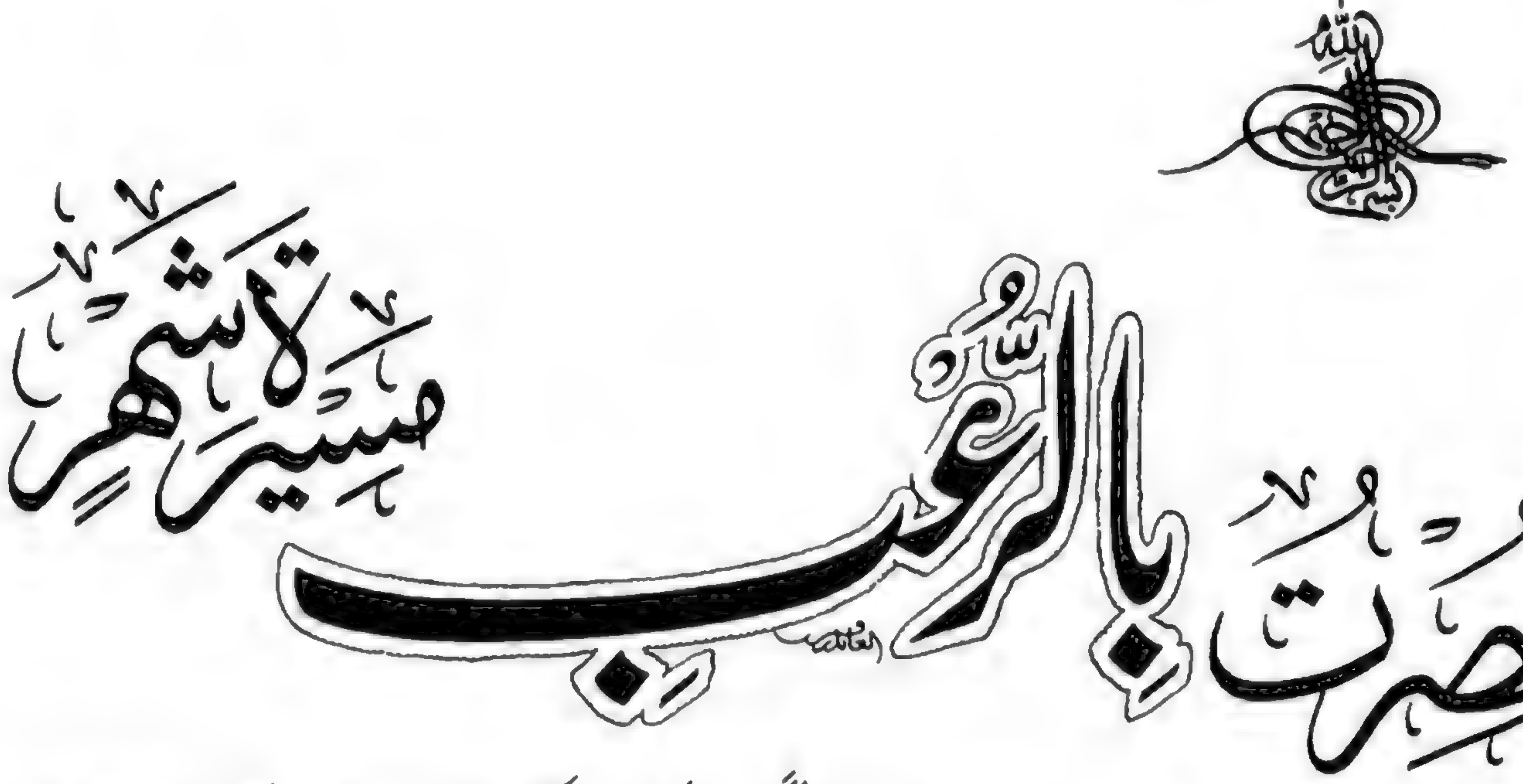
نصرت بالرعب مسیرة شهر

میری مدد فرمائی گئی ہے ایک مہینہ کی مسافت پر رعب کے ساتھ (متفق علیہ)

رعب اور ہیبت وجلال

حضرتِ والا کی سادہ مزاجی، تواضع، مکارمِ اخلاق اور ظرافتِ طبع کا بطورِ نمونہ کچھ بیان اوپر گزر چکا ہے، آپ پیکرِ محبت وشفقت ہیں، اس کے باوجود رعب وہیبت کا یہ عالم کہ آپ کے سامنے بڑے بڑے اربابِ مناصب واصحابِ وجاہت ایسے دم بخود ہو جاتے ہیں کہ گویا ان پر سکتہ طاری ہے۔

یہ تقویٰ اور تعلق مع اللہ کا اثر ہے، جس قدر تعلق مع اللہ قوی و مضبوط ہوتا ہے اسی قدر مخلوق کے قلوب میں رعب اور عظمت وہیبت زیادہ ہوتی ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ. (متفق علیه)

”دشمن پر میرا رعب ایک مہینے کی مسافت سے پڑجاتا ہے۔“

”کتنی رکعات ہوگئیں؟“

ایک قاری صاحب بہت مشہور اور علم القراءات کے مسلم امام ہیں، قراءاتِ عشر کے حافظ ہیں، ان کے شاگرد ہزاروں کی تعداد میں ہیں، عرب کے بھی استاذ ہیں، بعض مخلصین کی درخواست پر حضرتِ والا نے انہیں ”دارالافتاء والارشاد“ میں ایک رات تراویح پڑھانے کی اجازت دے دی۔ ان کے قلب پر حضرتِ والا کی ایسی ہیبت بیٹھی کہ کچھ نہ پوچھئے، تلاوتِ قرآن میں ہر رکعت میں کئی کئی بار بھول رہے ہیں، ہر سلام پر دوسروں سے پوچھ رہے ہیں:

”کتنی رکعات ہوگئیں؟“

حتّٰی کہ اتنا بھی ہوش نہ رہا کہ پہلی رکعت ہے یا دوسری، پہلی پر بیٹھ رہے ہیں دوسری پر کھڑے ہو رہے ہیں، پسینہ پسینہ۔ بڑی مشکل سے جان چھوٹی۔

حضرت مولانا فقیر محمد صاحب دامت برکاتہم کی شہادت :

حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کے خلیفۂ مجاز حضرت مولانا فقیر محمد صاحب دامت برکاتہم حضرتِ والا کا رعب و ہیبت اپنی مجالس میں یوں بیان فرماتے رہتے ہیں :

> ”میں نے آپ کو مسجدِ حرام میں بیت اللہ کی طرف ایسی حالت میں متوجہ دیکھا کہ آپ پر عجیب جلال تھا، اور نسبت مع اللہ کی ایسی ہیبت تھی کہ میں بیان نہیں کر سکتا، یہ حالت دیکھ کر مجھ پر ہیبت چھا گئی۔ میں نے ہیبتِ حق اور محبتِ الٰہیہ کا ایسا غلبہ کبھی کسی پر بھی نہیں دیکھا، مجھے اس وقت سے آپ کے ساتھ بہت زیادہ محبت ہو گئی ہے۔“

حضرت مولانا ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کی شہادت :

حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کے خلیفۂ مجاز حضرت مولانا ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم حضرتِ والا کے بارہ میں فرماتے ہیں :

> ”آپ ماشاء اللہ! ’غالب ہیں‘، جہاں بھی تشریف لے جاتے ہیں سب مرعوب ہو جاتے ہیں، کوئی منصب یا وجاہت آپ پر غالب نہیں آسکتی اور کوئی ماحول آپ کو متأثر نہیں کر سکتا۔“

نوعمری ہی میں بدعتیوں پر ہیبت ——— فتحِ مُبین :

حضرتِ والا ابھی بالکل نوعمر اور نوآموز تھے، عمر صرف بائیس سال، دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد تدریس کا ابھی صرف ایک ہی سال گزرا تھا۔ اس زمانہ میں سندھ میں ایک بدعتی مولوی تھا، مشہور پیر بھی، اپنا مدرسہ

تھا، علم کی پختگی میں بہت مشہور شاگردوں اور مریدوں کی تعداد بے شمار، پورے علاقہ پر واحد حاکم، چارسو ڈنکا بج رہا تھا، بہت معمر ہونے کی وجہ سے بہت شہرت اور وجاہت کے علاوہ شاگردوں اور مریدوں کی افواج۔

حضرتِ والا نے فرمایا:

”میں ان سے دیوبندی اور بریلوی مکاتبِ فکر کے درمیان مسائلِ اختلافیہ میں بات کرنے ان کے مدرسہ میں جانا چاہتا ہوں، مناظرانہ انداز کی بجائے مفاہمانہ اسلوب سے بات کروں گا، شاید اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے دیں، اور ان کے ذریعہ ان کی پوری امت راہِ راست پر آجائے۔“

احباب نے عرض کیا:

”یہ شخص بہت غالی اور سخت متعصب ہے، دیوبندیوں کا سخت دشمن ہے، ان کو برملا کافر کہتا ہے اور اکابر کے حق میں بہت گستاخانہ زبان استعمال کرتا ہے، آپ ہرگز تشریف نہ لے جائیں، یہ بدبخت اپنے شاگردوں اور مریدوں کے ذریعہ قتل کروا دے گا یا زہر دلوا دے گا، اس سے پہلے ایک عالم کو اس سے مناظرہ کے لئے کہا گیا تھا، وہ اسی خطرہ کے پیشِ نظر آمادہ نہ ہوئے۔“

حضرتِ والا نے فرمایا:

”میں ضرور جاؤں گا اور رات بھی وہیں ان کے پاس ہی ٹھہروں گا، میرے ساتھ میرا اللہ ہے۔“

چنانچہ آپ نے کسی کی کوئی بات نہ سنی، صرف ایک طالبِ علم کو ساتھ لے کر پہنچ گئے۔

آغازِ کلام یوں فرمایا:

”دُور سے باتیں سننے میں بسا اوقات غلط فہمی ہو جاتی ہے، اس لئے میں بالمشافہہ اکابرِ دیوبند کے عقائد بالتفصیل بیان کرتا ہوں، آپ کو جہاں اشکال ہو بتائیں تاکہ اس پر باہم گفت و شنید کے ذریعہ کوئی متفقہ فیصلہ کر کے امت کو تفرقہ و انتشار سے بچانے کی کوشش کی جائے۔“

حضرتِ والا ایک ایک عقیدہ کی تقریر دلپذیر فرما کر دریافت فرماتے رہے:

”کوئی اشکال ہو تو فرمائیں۔“

وہ ہر بار یہی کہتے رہے:

”بات بالکل صاف ہے، اس پر کسی قسم کے اشکال کی کوئی گنجائش نہیں۔“

آخر میں کہنے لگے:

”میں علماءِ دیوبند کے بارہ میں صرف دُور سے شنیدہ باتوں کی بناء پر بہت بدگمانی اور غلط فہمی میں مبتلا تھا، جزاکم اللہ تعالیٰ کہ آپ نے میرا ذہن صاف فرما دیا، سب اشکالات مرتفع ہو گئے۔“

پھر تو حضرتِ والا پر فدا ہی ہو گئے، خوب اکرام کیا، بہت پُر تکلف مہمان نوازی کی، دوسرے دن وداع کرنے مدرسہ سے نکل کر دور تک ساتھ گئے، بہت محبت واحترام کے ساتھ وداع کیا اور گرانقدر رقم بطورِ نذرانہ پیش کی۔

حضرتِ والا کی ”فتح مبین“ کی بہت شہرت ہوئی۔

حضرتِ والا کو واپسی پر خیال آیا کہ اس متفقہ فیصلہ کو افادۂ عوام کے لئے جانبین کی طرف سے شائع کرنا چاہئے جس سے ان کے معتقدین کو بھی علم

ہو جائے گا۔

آپ نے اپنی وہی تقریر لکھ کر دستخط کے لئے ان کے پاس بھیجی تو انہوں نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔

اس سے ثابت ہوا کہ بدعتی مولوی حقیقت کو جاننے کے باوجود اغراضِ نفسانیہ کے تحت عوام سے چھپاتے ہیں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ حضرتِ والا سے مرعوب ہو کر خلوت میں آپ کے سامنے تقیۃً سب باتیں تسلیم کر لی ہوں۔

یہ ایک قصہ حضرتِ والا کے چار کمالات کا مظہر ہے :

۱ــــ نوعمری میں تبحرِ علمی۔

حضرتِ والا اس وقت بالکل نو آموز تھے اور عمر صرف بائیس سال۔ مقابلہ میں بہت معمر، پختہ کار اور ماہر و مشہور شخصیت۔

۲ــــ جذبۂ تبلیغ اسلام۔

۳ــــ شجاعتِ قلب و توکل علی اللہ۔

۴ــــ مخالفین پر رعب و ہیبت۔

حضرتِ والا بالکل نوعمر اور ساتھ صرف ایک طالبِ علم۔ دوسری طرف ایک معمر، مشہور اور نہایت باوجاہت شخصیت اور اس کے شاگردوں اور مریدوں کی پوری فوج، پھر علاقہ بھی انہی کا، مدرسہ اور گھر بھی انہی کا، وہاں حضرتِ اقدس نے بہت بے فکری سے رات گزاری۔

ایک بدعتی مشرک مولوی کی شرکیہ عقائد کی کتاب :

حضرتِ والا کی شجاعت اور رعب و ہیبت کا اسی قسم کا ایک اور قصہ

عنوان "نسبتِ[عہ] موسویہ" میں ہے، جس میں مذکور ہے کہ حضرتِ والا نے ایک مشرک مولوی کے گھر جاکر اس کی کتاب اس کے سامنے پھاڑ کر جلادی۔

وہ شخص اپنے علاقہ کا زمیندار تھا۔ اعزہ، اقارب، احباب، معاونین، مزارعین، نوکر چاکر، اثر و رسوخ، ہر قسم کی طاقت و قوت کا مالک۔ ادھر حضرتِ والا تنہا، ان کے گاؤں میں جاکر ان کے گھر کے اندر پہنچ کر اس کے سامنے اس کی بہت مقدس کتاب کو بہت اطمینان سے پھاڑ کر جلایا، اس کے جلنے اور خاکستر کے ہوا میں اڑنے کے منظر کو بڑے مزے سے دیکھتے رہے۔

ہیبت حق است این از خلق نیست:

دنیوی لحاظ سے ایک معزز شخص نے اپنا قصہ یوں بتایا:

"میں جا رہا تھا، سامنے سے حضرتِ والا گاڑی پر تشریف لا رہے تھے، گاڑی خود چلا رہے تھے، آپ کی ہیبت سے میں اس قدر مرعوب ہوا کہ دل دہل گیا، یوں نظر آ رہے تھے جیسے ببر شیر۔"

انتہائی سادگی اور غلبۂ مزاح و ظرافت اور سراسر محبت و شفقت میں بھی اس قدر ہیبت درحقیقت ہیبتِ حق تعالیٰ ہے ؎

ہیبتِ حق ست این از خلق نیست ہیبتِ این مردِ صاحب دلق نیست

"یہ اللہ تعالیٰ کی ہیبت ہے، گدڑی پوش کی نہیں۔"

جنات کے قلوب پر آپ کی ہیبت کے واقعات عنوان "نسبتِ[عہ] موسویہ" میں ہیں ؎

ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید ترسد ازوے جن و انس و ہر کہ دید

"جو اللہ تعالیٰ سے ڈرا اور اس نے تقویٰ اختیار کیا اس سے جن و انس وغیرہ ہر چیز ڈرتی ہے۔"

[عہ] یہ عنوان جلد دوم میں ہے۔

تربیتِ باطن وسلسلۂ بیعت

قال العارف الرومی رحمہ اللہ تعالیٰ ؎

صد ہزاران فضل دارد از علوم
جانِ خود را می نداند این ظلوم
جانِ جملہ علمہا این ست و این
کہ بدانی من کیَم در یومِ دین
اَیُّهَا الْقَوْمُ الَّذِیْ فِی الْمَدْرَسَه
کُلُّ مَا حَصَّلْتُمُوْهُ وَسْوَسَه
عِلم نبود الا عِلمِ عاشقی
ما بقی تلبیسِ ابلیسِ شقی
فکر آن باشد کہ بکشاید رہے
راہ آن باشد کہ پیش آید شہے

”علوم سے لاکھوں فضیلتیں رکھتا ہے، مگر یہ ظالم اپنی جان سے بے خبر ہے۔

تمام علوم کی جان یہ اور صرف یہ ہے کہ تو یہ جان لے کہ بروزِ قیامت میں کیسا ہوں گا؟

اے مدرسہ میں بسنے والی قوم! تم نے جو کچھ بھی حاصل کیا وہ محض وسوسہ ہے۔

عِلم تو محض عِلمِ عاشقی ہے، باقی سب بدبخت ابلیس کی تلبیس ہے۔

فکر محض وہ ہے جو راستہ کھولے، اور راستہ محض وہ ہے جو
بادشاہ تک پہنچادے۔"

رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب قیامت تک نبوت کا سلسلہ تو بند ہوگیا، لیکن لوگوں کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ دنیا کو صالح بندوں سے خالی نہیں رکھے گا، تاکہ وہ صراطِ مستقیم اور کتابِ مبین کی طرف لوگوں کو بلاتے رہیں، اور رشد و ہدایت کے ساتھ ساتھ خود بھی دینِ متین پر عمل پیرا ہوکر ایک عملی نمونہ قائم کردیں، تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے:

"ہمارے زمانہ کے حالات کے لحاظ سے دین پر قائم رہنا مشکل ہے۔"

زمانہ کے تقاضوں اور ضرورات کے مطابق مسائل کی پیچیدگیوں کو سلجھانے کے لئے علماء و اولیاء کا سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا، اور وہ لوگوں کو نفس و شیطان کے چکر سے نکال کر رحمٰن کے بتائے ہوئے راستہ پر لاکھڑا کرتے رہیں گے۔

منصبِ وَلایت جس طرح کسب سے حاصل ہوتا ہے، اسی طرح بسا اوقات محض وہبی بھی ہوتا ہے۔ بعض اولیاء اللہ کے عالمِ لاہوت سے عالمِ ناسوت میں آنے سے بہت پیشتر اللہ جل شانہ کی طرف سے کچھ ایسے آثار و خواص ظاہر ہوتے ہیں جن سے معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ کوئی ایسا مقبول بندہ اس دنیا میں بھیج رہے ہیں جو گم کردہ راہ لوگوں کو دوبارہ منہاجِ نبوت کی طرف بلانے کا اہم فریضہ انجام دے گا۔

ہمارے حضرت اقدس دامت برکاتہم وعمّت فیوضہم کے ساتھ بھی رحمتِ الٰہیہ کا یہی معاملہ ہے، آپ کے دنیا میں رونق افروز ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کے مقامِ وَلایت کی خبر دینے والے آثار پیدا فرما دیئے تھے۔

آپ کی وِلادتِ مبارکہ سے بہت مدّت قبل ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کے دادا کو آپ کے مقامِ وَلایت کی بشارت دے دی تھی۔

بشارت قبل از ولادت:

حضرت والا کے دادا مولانا محمد عظیم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے صاحبِ مقام بزرگ اور کشف وکرامات میں بے حد مشہور تھے، آپ نے ایک خواب کی تعبیر اپنے شیخ سے دریافت کی۔ شیخ نے ارشاد فرمایا:

> "صالح فرزند کی بشارت ہے، جو شاید محمد سلیم (حضرت والا کے والد صاحب) کے کاشانہ کا چراغ ہو"

حضرت والا کو یہ بشارت آپ کے والد صاحب نے کئی بار سنائی۔

نقوشِ اوّلیں:

انسان جب دنیا میں آتا ہے تو ایک لوحِ سادہ کی مانند ہوتا ہے، اس لئے اس پر جو سب سے پہلے نقوش ثبت ہو جاتے ہیں وہی آخر عمر تک قائم رہتے ہیں، بلکہ امتدادِ زمانہ کے ساتھ گہرے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ حضرت کے والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اشرف الاولیاء محی السنۃ، ماحی البدعۃ حضرت حکیم الامۃ مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ سے بیعت اور صاحبِ مقامات بزرگ تھے، رات دن حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کے مواعظ اور ملفوظات کا گھر میں چرچا رہتا اور یہی باتیں مسلسل کان میں پڑتی رہتیں، جس سے اہل اللہ بالخصوص حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کی محبت کے گہرے نقوش ثبت ہوتے چلے گئے۔ جب خود ذرا پڑھنے لکھنے کے قابل ہو گئے تو حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کے مواعظ اور ملفوظات دیکھنے کا معمول رہا۔

تھانہ بھون میں حاضری:

سنہ ۱۳۶۰ھ میں حضرت والا دار العلوم دیوبند میں داخلہ کے لئے تشریف لے گئے

تو پہلے تھانہ بھون میں حاضری دی۔ حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کی زیارت اور ملفوظات سے مشرف ہوئے۔

پہلی ہی حاضری میں عجیب کرامت دیکھی:

حضرت اقدس دامت برکاتہم نے فرمایا:

ہم حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کے بارہ میں حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے سنا کرتے تھے:

"آپ کی مجلس میں کسی کو بولنے کی اجازت نہیں۔"

اس پر ہمیں اشکال ہوتا کہ پھر حاضرین کے مشکل مسائل کیسے حل ہوتے ہیں؟ اس کے جواب میں حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے:

"وہاں کسی شخص کے ذہن میں کوئی سوال بھی آتا ہے تو اسے پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی، بلا پوچھے ہی از خود اس پر بیان شروع ہوجاتا ہے، بس وہاں تو یہ حال ہے ؎

اے لقاء تو جواب ہر سوال
مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

"تیری ملاقات ہی ہر سوال کا جواب ہے
ہر مشکل بلا پوچھے ہی تجھ سے حل ہوجاتی ہے۔"

مجھے پہلی ہی حاضری میں اس حقیقت کا مشاہدہ یوں ہوا کہ میں سہارنپور سے تھانہ بھون کی طرف جانے والی ریلوے لائن کے پلیٹ فارم پر بیٹھا ریل گاڑی کا انتظار کر رہا تھا، صالح صورت کے

ایک صاحب میرے پاس آکر بیٹھ گئے، ڈاڑھی کے بالوں میں کچھ سُرخی اور بھورا پن تھا، شیروانی پہنے ہوئے تھے، میرے ابھی ڈاڑھی نہیں نکلی تھی، غالباً میرا طالب علمانہ لباس دیکھ کر انہیں مجھ سے انس ہوا، اس لئے وہ میری طرف متوجہ ہوئے، مجھ سے مقصدِ سفر دریافت کیا، میں نے بتایا:

”دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث میں داخلہ لینے کی غرض سے جا رہا ہوں، مگر پہلے تھانہ بھون حاضری دوں گا، اس کے بعد دیوبند جاؤں گا۔“

پھر انھوں نے اپنا قصہ یوں بیان کیا:

”میں نجیب آباد کا رہنے والا ہوں، میرے ہاں اولاد نہیں ہوئی، بہت علاج کروائے مگر کامیابی نہ ہوئی، مایوس ہو کر ہم نے یہ طے کیا کہ کسی سے کوئی کمسن بچہ لے کر اسے اپنا بیٹا بنا لیں اور اس کی پرورش کریں، اس مقصد کے لئے بھی ہم نے بہت کوشش کی مگر کوئی بچہ نہیں ملا۔ اب دیوبند سے قاری محمد طاہر صاحب (برادرِ خُرد حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ) نے لکھا:

”یہاں ایک یتیم بچہ ہے، اسے لے لو۔“

اس لئے میں نے دیوبند کا سفر کیا مگر وہاں جا کر میں نے دیکھا کہ بچہ کچھ بڑا ہے اور ہم بہت ہی چھوٹا سا بچہ چاہتے ہیں، تاکہ ابتداء ہی سے اس کی پرورش ہمارے ہاتھوں میں ہو، اس لئے یہاں سے بھی مایوسی ہی ہوئی، واپسی پر سوچا کہ تھانہ بھون حاضری دیتا جاؤں۔“

میں نے کہا:

"بہت اچھا ہوا، میں تھانہ بھون پہلی بار حاضر ہو رہا ہوں، آپ کی رفاقت سے تھانہ بھون ریلوے اسٹیشن سے خانقاہ تک پہنچنا آسان ہو جائے گا۔"

ہم دونوں جب خانقاہ میں حاضر ہوئے، اس وقت حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ مجلس میں کچھ بیان فرما رہے تھے، وہ بیان اتنی جلدی ختم فرما دیا کہ کوئی بات ہماری سمجھ میں نہ آسکی، اس کے بعد فوراً ہی کسی قسم کی مناسبت اور ربط کے بغیر ہی اولاد نہ ہونے کی پریشانی پر بیان شروع فرما دیا۔ بہت مبسوط اور بہت مؤثر مضمون تھا، اس میں ایک یہ مثال بھی بیان فرمائی:

"مقصد کے لحاظ سے گیہوں کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ قسم جو کھانے کی غرض سے رکھی جاتی ہے، اور دوسری وہ جو بونے کے لئے بطورِ تخم رکھتے ہیں، پہلی قسم اصل مقصود ہے اور دوسری قسم اصل مقصود نہیں بلکہ ذریعۂ مقصود ہے اور یہ قاعدہ مسلّمہ ہے کہ ذریعۂ مقصود سے مقصود افضل ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کھانے کے گیہوں بونے کے گیہوں سے افضل ہیں۔ اسی پر انسان کو قیاس کر لیا جائے جس کے ہاں اولاد ہے وہ خود مقصود نہیں بلکہ ذریعۂ مقصود ہے اور جس کے ہاں اولاد نہیں وہ خود مقصود ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اس تک جتنے وسائط ہیں وہ سب اس کے حق میں ذرائعِ مقصود ہیں، ان سب ذرائع سے مقصود یہ شخص ہے، اس لحاظ سے یہ صاحبِ اولاد سے افضل ہے۔"

اس کے بعد ہم مجلس سے اٹھے تو وہ صاحب کہنے لگے:

”یہ بیان سن کر دل کو ایسا سکون ملا کہ آج سے اولاد کی خواہش ہی دل سے نکل گئی۔“

بعد میں حاضرینِ مجلس کے قلوب میں آنے والے سوالات کا جواب از خود بیان فرمانے کے بارہ میں حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کے ملفوظات میں وضاحت نظر سے گزری جس کا حاصل یہ ہے:

”میرے قلب میں اس تفصیل سے کشف نہیں ہوتا کہ فلاں کے دل میں فلاں اشکال ہے، بلکہ میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یوں ہے کہ حاضرینِ مجلس میں سے کسی کے دل میں جو اشکال ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ میرے دل کو اس کے جواب کی طرف متوجہ فرما دیتے ہیں اور اس پر بیان کروا دیتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ اصلاحِ امت کی خدمت جسے تفویض فرماتے ہیں اس کی یونہی دستگیری فرماتے ہیں۔“

ہمارے حضرت اقدس دامت برکاتہم وعمت فیوضہم کے قلبِ مبارک پر بھی اللہ تعالیٰ کا بعینہ یہی کرم ہے۔ حاضرینِ مجلس کے قلوب میں جو اشکالات ہوتے ہیں اور ان میں جو روگ ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت والا کے قلبِ مبارک کو ان کی طرف متوجہ فرما دیتے ہیں اور آپ کی زبانِ مبارک سے ان کا شافی حل و علاج بیان کروا دیتے ہیں، جس کا حاضرینِ مجلس کو ہمیشہ مشاہدہ ہوتا رہتا ہے، مجلس سے اٹھنے کے بعد کوئی یہ کہتا ہے:

”آج کا سارا بیان میرے ہی بارہ میں تھا۔“

اور کوئی یوں کہتا ہے:

”آج کے بیان سے میرے سب اشکالات حل ہو گئے۔“

بحمد اللہ تعالیٰ یہاں بھی یہی حال نظر آرہا ہے ؎

اے لقاءِ تو جوابِ ہر سؤال
مشکل از تو حل شود بے قیل وقال
”تیری ملاقات ہی ہر سؤال کا جواب ہے،
ہر مشکل بلا پوچھے ہی تجھ سے حل ہوجاتی ہے“

تھانہ بھون میں حاضری اور حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کی زیارت وفیوض سے مشرف ہونے کے بعد حضرت والا دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں دورۂ حدیث میں داخلہ لے لیا۔

پھر دیوبند سے متعدد بار تھانہ بھون میں حاضری کا شرف ملا، بعض دفعہ تو غلبۂ شوق میں اتنا طویل سفر پیدل کیا۔

اس زمانہ میں حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ ضعف کی وجہ سے خود بیعت نہیں فرماتے تھے، بلکہ اپنے مُجازینِ بیعت کی طرف رجوع کا مشورہ دیتے تھے، اس لئے حضرت والا نے انتہائی تمنا کے باوجود حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کی خدمت میں بیعت کی درخواست پیش نہ کی، مگر جو رنگ حضرت تھانوی قدس سرہ کا آنکھوں میں بس چکا تھا اس کے مدِّنظر اصلاحی تعلق کے بارہ میں ہمیشہ ایسی شخصیت منتخب کرنے کا رجحان رہا جس میں روک ٹوک اور اصلاحِ منکر کی وہی شان جلوہ گر ہو جو حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کا خاصّہ تھی۔

حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

دار العلوم دیوبند میں شیخ الادب حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو اس شان میں ممتاز پاکر آپ کی طرف رجوع کیا، آپ سے صرف چند منٹ کے لئے

روزانہ حاضرِ خدمت ہونے کی اجازت لی۔ حضرت مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ کا معمول تھا کہ اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے مطالعہ میں مصروف رہتے، انھوں نے بڑی شفقت اور محبت سے اپنے خصوصی مطالعہ اور تصنیف کے اوقات میں اجازت مرحمت فرمائی۔ یہ صرف ہمارے حضرت والا کی خصوصیت تھی، ورنہ عام طلبہ کو پھٹکنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ حضرت والا حاضرِ خدمت ہو کر کچھ دیر کے لئے خاموش بیٹھے رہتے، باوجودیکہ اس وقت کوئی بات چیت نہیں ہوتی تھی، لیکن باطن میں اس صحبت کی تأثیر محسوس ہوتی تھی۔ چند ایام کے بعد حضرت والا نے مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کی درخواست کر دی۔ مولانا نے تعجب سے فرمایا:

> ”مجھ سے بیعت؟ میں اپنا ایک بہت بڑا گناہ یہ سمجھتا ہوں کہ میں نے حضرت گنگوہی قدس سرہ کے پاک ہاتھوں میں اپنا ناپاک ہاتھ دے دیا۔“

پھر حضرت والا کو استخارہ کا مشورہ دیا۔ استخارہ کے بعد حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بیعت ہونے کا خواب میں اشارہ ہوا۔ آپ نے وہ خواب حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں بیان کیا۔ آپ نے فرمایا:

> ”مولانا (مدنی) طلبہ کو بیعت نہیں فرماتے، اس لئے آپ بعد فراغت اُن سے رجوع کریں۔“

لیکن ہوا یہ کہ دورانِ تعلیم ہی حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کو حکومتِ برطانیہ نے گرفتار کر لیا، اور حضرت والا تعلیم مکمل کر کے گھر آ گئے۔ حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہمارے حضرت کے ساتھ اس قدر محبت اور شفقت تھی کہ جب ہمارے حضرت دار العلوم دیوبند سے فارغ ہو کر جانے لگے تو آخری ملاقات کے لئے حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تو آپ نے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں

مضبوط پکڑ کر ایسی بھرپور توجہ ڈالی کہ پورے بدن میں بجلی کی مانند لہریں محسوس ہونے لگیں اور مولانا نے فرمایا:

> ”جب مولانا (مدنی) رہا ہو کر تشریف لے آئیں گے میں خط کے ذریعہ آپ کو اطلاع کر دوں گا، آپ جب یہاں آئیں گے میں خود آپ کو ساتھ لے جا کر بیعت کراؤں گا۔“

دار العلوم دیوبند سے آنے کے بعد حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے خط و کتابت رہی اور کبھی ہمارے حضرت سے خط لکھنے میں تاخیر ہو جاتی تو از خود ہی شفقت نامہ روانہ فرماتے۔

مقامِ حیرت ہے کہ اتنے بڑے جلیل القدر استاذِ محترم کو اپنے بالکل نوعمر و نوآموز تلمیذِ رشید کے ساتھ شفقت و محبت کے علاوہ انتہائی عقیدت بھی تھی، چنانچہ آپ نے حضرتِ والا کی طرف ایک خط میں تحریر فرمایا:

> ”خدانخواستہ آخرت میں مجھے کوئی پریشانی ہوئی تو آپ دستگیری فرمائیں گے۔“

اس سے بچپن ہی میں حضرت اقدس کے بلند مقام کے علاوہ استاذِ محترم کا مقامِ فنائیت بھی واضح ہو گیا۔

حضرت مولانا مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ

دیوبند سے فارغ ہو کر حضرت والا جامعہ مدینۃ العلوم بھینڈو ضلع حیدر آباد سندھ میں مدرس ہو گئے، وہاں حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ خط اطلاع فرمائی:

> ”حضرت مولانا مدنی رہا ہو کر دیوبند تشریف لا چکے ہیں۔“

یہ اطلاع ملتے ہی ہمارے حضرت فوراً دیوبند پہنچ گئے، حسبِ وعدہ حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی معیّت میں بیعت کے لئے حاضری کا ارادہ تھا مگر اتفاق ایسا ہوا کہ جب ہمارے حضرت مولانا مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کے لئے دولت کدہ پر حاضر ہوئے تو آپ نے آنے کا مقصد دریافت فرمایا۔ ہمارے حضرت نے بے تکلّف عرض کر دیا:

"بیعت ہونے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔"

حضرت مدنی قدس سرہ نے ازراہِ شفقت اسی وقت بیعت فرمالیا۔ بعد میں حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب سے اس کا تذکرہ کیا تو انہیں اس خصوصیت پر بہت تعجب ہوا کہ حضرت مدنی قدس سرہ نے بدوں کسی جان پہچان کے پہلی ہی حاضری میں درخواست پیش کرتے ہی فوراً بیعت فرمالیا۔

حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت والا فرماتے ہیں:

"میں حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بیعت تو ہوگیا تھا، مگر علمی مشاغل میں انہماک اور شیخ سے بُعدِ مکانی بالخصوص تقسیمِ مُلک کے بعد آمد و رفت کی مشکلات کی وجہ سے سلوک کی طرف خاص توجہ نہیں تھی۔ ایک دفعہ ملتان میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضری ہوئی۔ کچھ دیر گفتگو کے بعد مولانا نے خود اُٹھ کر الماری سے تصوّف کی کوئی کتاب نکالی، اور میرے سامنے رکھ کر فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم و فضل اور کمال سے خوب نوازا ہے، مگر ذرا اس طرف بھی توجہ ہونی چاہیئے۔"

میں نے اُس وقت تو اس ارشاد کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی، مگر نہ جانے مولانا نے دل کی کس گہرائی سے یہ بات فرمائی تھی کہ جیسے میں وہاں سے نکلا تو مولانا کے الفاظ میرے دل میں اُترتے چلے گئے، میں سوچنے لگا:

"کیا بات ہے؟ کھانے پینے اور حوائجِ ضروریہ کی فرصت کیسے مل جاتی ہے؟ بیوی بچوں کی دیکھ بھال، ان کی ضرورات کی تکمیل اور بیمار ہو جائیں تو علاج معالجہ کے لئے وقت کہاں سے مل جاتا ہے؟ خود کبھی بیمار ہو جاؤں تو آرام کا موقع کیسے مل جاتا ہے؟ بس حقیقت یہی ہے کہ قلب میں جس چیز کی اہمیت نہیں ہوتی اُس کے لئے فرصت نہیں ہوتی۔"

غور و فکر کے بعد یہ راز کھلا کہ مولانا نے کیا نصیحت فرمائی ہے، اور کتنا بڑا قیمتی خزانہ مفت عطا فرما دیا ہے، جب بھی خیال آجاتا ہے تو مولانا کے مشفقانہ لب و لہجہ سے نکلی ہوئی نصیحت کے الفاظ میرے کانوں میں گونجنے لگتے ہیں:

میں نے عرض کیا:

"میں تو شب و روز حدیث و فقہ کی تحقیقات اور تدریس و افتاء میں اس قدر مشغول رہتا ہوں کہ تصوّف کی کوئی کتاب دیکھنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔"

اس موقع پر حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک مختصر سا جملہ فرمایا جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے، فرمایا:

"قلب میں اس کی اہمیت نہیں۔"

"قلب میں اس کی اہمیت نہیں۔"

اس کے بعد جلد ہی مولانا مدنی قدس سرہ کا وصال ہوگیا۔"

حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت مدنی قدس سرہ کے وصال کے بعد حضرت والا کا حضرت مفتی محمد حسن رحمہ اللہ تعالیٰ سے تعلق رہا۔ حضرت مفتی محمد حسن رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کے خلفاءِ اجلّہ میں سے تھے، اور عجیب دلنواز اور محبوب شخصیت کے مالک تھے، تعلق مع اللہ اس قدر اُستوار تھا کہ حضرت کی صحبت بہت قوی تاثیر رکھتی تھی، چنانچہ ہمارے حضرت فرماتے ہیں:

"ایک دفعہ میں حضرت مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ کی خدمت میں حاضر تھا، ذکر و شغل میں عجیب لذت اور جوش و خروش محسوس ہوتا تھا۔ میں نے حضرت سے عرض کیا:

"مجھے اپنے مکان پر تو یہ کیفیت حاصل نہیں ہوتی، لیکن یہاں حضرت کی صحبت کی برکت سے ذکر میں بہت لذت اور عجب انبساط محسوس ہوتا ہے۔"

جواب میں حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے ارشاد فرمایا:

"یہ سب اجتماعِ قلوب کی برکت ہے۔"

یہاں حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کی تواضع دیکھئے کہ آپ نے صحبت کا اثر اپنی طرف منسوب نہیں ہونے دیا، بلکہ اس کا سبب اجتماعِ قلوب بیان فرمایا۔"

پھر ہمارے حضرت نے حُسنِ تربیت کے دو واقعے بیان فرمائے:

① ـــــ ایک دفعہ میں حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر تھا، آپ نے دورانِ گفتگو مجھ سے ایک مسئلہ فقہیہ دریافت فرمایا۔ میں نے عرض کیا:

"حضرت! مجھے یاد نہیں، کتاب دیکھ کر عرض کروں گا۔"

حضرت فرمانے لگے:

"ایک دفعہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ (حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ) کی خدمت میں حاضر تھا، اسی طرح حضرت نے مجھ سے دورانِ گفتگو کوئی مسئلہ دریافت فرمایا تو میں نے بھی اسی طرح جواب دیا:

"حضرت! یاد نہیں، کتاب دیکھ کر عرض کرتا ہوں۔"

تو حضرت نے فرمایا:

"اچھا ہے آپ کا دماغ رَدّی کا گودام نہیں ہے۔"

② ـــــ میں نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کی خدمت میں کھانا کھاتے ہوئے کسی مسئلہ سے متعلق بات شروع کر دی، اس پر حضرت نے فرمایا:

"میں بھی ایک بار اسی طرح حضرت رحمۃ اللہ علیہ (حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ) کی خدمت میں کھانا کھاتے ہوئے کسی مسئلہ کے بارہ میں بات کرنے لگا تو حضرت نے فرمایا:

"کھانا کھاتے وقت مسئلہ کی کوئی بات نہیں کرنا چاہئے، کھانا ایسی رغبت سے کھانا چاہئے کہ گویا آج ہی ملا ہے۔"

یہاں یہ بات خاص طور پر قابلِ توجہ ہے کہ عموماً علماء و مشائخ کسی مسئلہ سے لاعلمی ظاہر کرنے یا کوئی نصیحت کی بات کسی سے نقل کرنے میں اپنی خفت سمجھتے ہیں،

حضرت مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ کی عالی حوصلگی ملاحظہ فرمائیں کہ نصیحت بھی فرماتے ہیں تو اپنے شیخ سے اسی قسم کا واقعہ نقل فرما کر، پھر شیخ نے جو ہدایت فرمائی تھی بعینہٖ انہی کی طرف منسوب کر کے دُہرا دیتے ہیں، تاکہ چھوٹوں کی تربیت بھی اپنے بزرگوں کی سند سے ہو۔

حضرت مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ کی بڑی عجیب شخصیّت تھی، حضرت کا وصال کراچی میں سنہ ۱۳۸۰ھ مطابق سنہ ۱۹۶۱ء میں ہوا، اور آپ سوسائٹی کے قبرستان میں مسجد کے قریب مدفون ہیں۔ تدفین کے وقت ہمارے حضرت شریک تھے۔

جس وقت آپ کو قبر میں اُتارا جا رہا تھا اس وقت حضرت والا بھیڑ بھاڑ سے بچ کر قبرستان کی مسجد میں تشریف فرما تھے، آپ کے قلبِ مبارک میں منجانب اللہ یکایک بڑی قوت کے ساتھ یہ القاء ہوا کہ قبر پر جا کر دیکھیں حضرت مفتی صاحب کو کہیں چت لٹا کر صرف مُنہ قبلہ کی طرف نہ کر دیا گیا ہو، جیسا کہ عام دستور ہو گیا ہے، حالانکہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ میّت کو داہنی کروٹ پر قبلہ رُخ لٹایا جائے۔ آپ فوراً خلافِ طبع مجمع کو چیرتے پھاڑتے قبر پر تشریف لے گئے، دیکھا کہ خدّام قبلہ کی طرف جسم کے معمولی جھکاؤ کو کافی سمجھ رہے ہیں، آپ نے بالکل ٹھیک داہنی کروٹ پر قبلہ رُخ کروایا۔

اللہ تعالیٰ کا ہمارے حضرت پر یہ بہت بڑا انعام ہے کہ عین موقع پر ایسا اہم کام آپ سے لے لیا، حالانکہ وہاں اور بھی کئی علماء موجود تھے مگر اس طرف کسی کا خیال نہیں گیا۔

حضرت اقدس دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا:

> "بعد میں حضرت مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ کے وصیت نامہ میں یہ وصیّت دیکھی، اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص اتباعِ سُنّت کا

> اہتمام کرتا ہے اور مابعد الموت کے لئے وصیت کرجاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی موت کے بعد بدعات سے اس کی حفاظت کے اسباب پیدا فرمادیتے ہیں۔"

حضرت مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ کی ہمارے حضرت پر خاص نظرِ عنایت تھی۔ حضرت والا کے دارالعلوم کراچی میں قیام کے زمانہ میں ایک بار آپ دارالعلوم میں تشریف لائے، حضرت والا کو حاضرِ خدمت ہونے میں کچھ تاخیر ہوگئی، اس تھوڑے سے وقفہ میں بار بار حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے حضرت والا کے بارہ میں دریافت فرماتے رہے کہ آپ کہاں ہیں؟ بعد میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت والا سے سارا ماجرا بیان فرماکر بہت مسرت سے فرمایا:

> "آپ پر حضرت کی بڑی توجہ تھی، اکابر کی توجہ بڑی سعادت ہے۔"

سلطان العارفین حضرت پھولپوری قدس سرہٗ

جب حضرت پھولپوری قدس سرہ ہندوستان سے تشریف لاکر مستقل طور پر کراچی میں قیام پذیر ہوئے، اس وقت حضرت والا دارالعلوم کراچی میں شیخ الحدیث تھے، آپ نے حضرت پھولپوری قدس سرہ سے اصلاحی تعلق قائم کرلیا، اس سے قبل ہی آپ نے ایک خواب دیکھا، فرماتے ہیں:

> "خواب میں شیخ الادب حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ کی اس طرح زیارت ہوئی کہ میں دارالعلوم دیوبند میں بالائی منزل پر مہمان خانہ میں مقیم ہوں، حضرت شیخ الادب رحمہ اللہ تعالیٰ بہت جلدی میں تشریف لاتے اور مجھ سے فرمایا:

”آپ کا الارم آیا ہے، سند عالی کرلیجئے، جلدی چلئے۔“

مجھے خیال ہوا کہ ہمارا تو ٹیلیفون آیا کرتا ہے، یہ الارم آنے کا کیا مطلب؟ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے میرے اس ذہنی سوال کو ازخود بھانپ لیا اور فرمایا:

”ہماری اصطلاح میں اہم ٹیلیفون کو الارم کہتے ہیں۔“

پھر الماری سے ایک کتاب نکالی اور مجھے ساتھ لے کر ایک باغ میں پہنچے۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔“

جب حضرت پھولپوری قدس سرہ سے تعلق قائم ہوا تو حضرت والا نے یہ خواب اپنے شیخ کی خدمت میں پیش کیا، حضرت شیخ نے فرمایا:

”اس کی تعبیر ہوگئی۔“

مقصد یہ تھا کہ سند عالی کرنے کے لئے باغ میں پہنچانا حضرت پھولپوری قدس سرہ سے تعلق اور اس ذریعہ سے عُلوِّ سند کی بشارت تھی، روضۃ القلب کے علاوہ پھولپور سے بھی باغ کی مناسبت ظاہر ہے۔

ایک دفعہ حسب معمول حضرت والا شب جمعہ کو حضرت پھولپوری قدس سرہ کے ہاں مقیم تھے، خواب میں دیکھا:

”حضرت پھولپوری قدس سرہ فرماتے ہیں:

”جلدی چلئے ایک بزرگ سے ملادوں۔“

باہر نکلے تو سڑک پر مغرب کی طرف ایک بزرگ تشریف لے جارہے ہیں، جن کی شخصیت سے عجیب جلال اور عظمت کی شان ہویدا ہے، ان سے ملانے کے لئے حضرت پھولپوری آگے آگے اور ہمارے حضرت پیچھے پیچھے بھاگے جارہے ہیں۔ قریب پہنچے تو اُن بزرگ نے

از خود ہی پیچھے مُڑ کر حضرت والا کو سینہ سے لگالیا۔"

صبح کو حضرت پھولپوری قدس سرہ کی خدمت میں یہ خواب پیش کیا تو آپ نے فرمایا:

"وہ ہمارے مرشدِ پاک حضرت تھانوی قدس سرہ تھے۔"

اجازتِ بیعت:

حضرت والا نے فرمایا:

"بحمد اللہ تعالیٰ مجھے اپنی اصلاح کی فکر اور طلب تو تھی، مگر دوسروں کی اصلاح کی ذِمّہ داری یعنی منصبِ خلافت سے بہت ڈرتا تھا اور یہ خطرہ رہتا تھا کہ خدا نخواستہ کہیں یہ ذِمّہ داری مجھ پر نہ ڈال دی جائے۔"

ایک دن حسبِ معمول حضرت والا حضرت پھولپوری قدس سرہ کی مجلس میں حاضر تھے، حضرت پھولپوری قدس سرہ نے اچانک ارشاد فرمایا:

"آپ کو بیعت کی اجازت دیتا ہوں۔"

ہمارے حضرت فرماتے ہیں:

"میں یہ سُن کر بہت پریشان ہوا، نہ تحمّلِ امانتِ گرانبار نہ مجالِ انکار۔ خیر! میں نے دل میں تہیّہ کر لیا کہ کسی پر ظاہر نہیں کروں گا حضرت قدس سرہ میرے بَشَرَہ سے اس کیفیّت کو بھانپ گئے، اس لئے فرمایا:

"اپنے احباب میں اس کا اظہار کریں۔"

لیکن اس کی نوبت نہیں آئی، بلکہ یہ بات میرے ظاہر کئے بغیر ہی عام ہو گئی۔

ابھی اس واقعہ کو ایک دو دن ہی ہوئے تھے کہ ایک مجلس میں کسی صاحب نے حضرت سے مشورۃً عرض کیا :

"فلاں مولوی صاحب کو اگر حضرت خلافت عطاء فرمادیں تو خلقِ خدا کو بہت فائدہ کی امید ہے کیونکہ وہ بہت بااثر اور صاحبِ رُسوخ ہیں ۔"

حضرت قدس سرہ یہ سُن کر فوراً سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور بڑے جوش سے فرمایا :

"کیا یہ میرے گھر کی چیز ہے کہ جسے چاہوں دے دوں؟ اگر ایسا ہوتا تو میں سب سے پہلے اپنی اولاد کو دے دیتا، یہ تو میاں کی دین ہے جس کے لئے ہوتی ہے اسی کو دی جاتی ہے ۔"

میں یہ معاملہ دیکھ کر سمجھ گیا کہ بس اللہ تعالیٰ کو یوں ہی منظور ہے ؎

لطفِ عام او نمی جوید سند
آفتابش برحدثہا می زند

"اس کا لطفِ عام کوئی قابلیّت نہیں چاہتا،
اس کا آفتاب تو نجاستوں پر بھی روشنی ڈالتا ہے ۔"

اس کے بعد وہ پریشانی کی کیفیت باقی نہ رہی اور اس وقت سے اس دُعاء کا معمول ہوگیا :

اَللّٰهُمَّ اَنْجِزْ وَعْدَ وَمَنْ اُكْرِهَ عَلَيْهِ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْهِ مَلَكًا يُسَدِّدُهٗ "

"یا اللہ! یہ وعدہ پورا فرما کہ جس شخص کو باصلاح لوگ مجبور کر کے کسی منصب پر متعیّن کر دیں اس کی رہنمائی اور مدد کے لئے اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ متعین فرمادیتے ہیں ۔"

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ ۝

اے ایمان والو!

اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو (التوبة:۱۱۹)

سِلسِلۂ بَیعت

مجمعِ سلاسلِ اربع چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، قادریہ

حضرت حاجی اِمداد اللہ مُہاجر مکیؒ
قدس سرہ العزیز
حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی
قدس سرہ
حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی
قدس سرہ
حضرت مولانا حسین احمد مدنی
قدس سرہ
حضرت مفتی محمد حسن
قدس سرہ
حضرت مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری
قدس سرہ
حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب
دامت برکاتہم

بسم الله الرحمن الرحيم

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ

یہ وہ لوگ تھے جن کو اللہ نے ہدایت کی سو تو بھی اُن کے طریقہ پر چل (۶—۹۱)

محبتِ شیخ

وُہ اٹھی تو صبحِ دوام ہے جو جھکی تو شام ہی شام ہے
تیری چشمِ مست میں ساقیا میری زندگی کا نظام ہے

اصلاحِ نفس، تزکیۂ باطن، محبّتِ الٰہیّہ، رُوحانی ترقی اور وصول الی اللہ میں محبتِ شیخ کو بہت بڑا دخل ہے، جس قدر اپنے شیخ کے ساتھ محبت زیادہ ہوتی ہے اسی قدر سرعت کے ساتھ درجاتِ قربِ الٰہی طے ہوتے ہیں، اسی لئے مشایخ میں "فناء فی الشیخ" کی اصطلاح مشہور ہے۔ مشایخِ عظام و اولیاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے حالات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ انہیں مقاماتِ رفیعہ کا حصول شیخ کے ساتھ والہانہ محبّت و فنائیّتِ کاملہ کی بدولت ہوا ہے ؎

کیمیائیست عجب بندگیِ پیرِ مغاں
خاکِ پائے او گشتم و چندیں درجاتم دادند

"محبتِ شیخ عجیب کیمیا ہے، میں ان کے پاؤں کی خاک بنا تو مجھے کتنے بلند درجات ملے۔"

ہمارے حضرت اقدس دامت برکاتہم کو اپنے شیخ کے ساتھ جیسی والہانہ محبت تھی اس دَور میں اس کی نظیر ملنا مشکل ہے، آپ کے لئے شیخ سے تھوڑی دیر کی جدائی بھی بہت کٹھن تھی۔

جس زمانہ میں حضرت والا دار العلوم میں شیخ الحدیث تھے آپ کے شیخ نے کچھ روز دار العلوم میں قیام فرمایا، جب شیخ وہاں سے رخصت ہونے لگے تو آپ کے لئے

یہ منظر ناقابلِ تحمّل تھا، اس لئے وہاں سے ہٹ گئے، ورنہ یہ حال ہونے کو تھا ؎

کہاں تک ضبطِ بیتابی کہاں تک پاسِ بدنامی
کلیجہ تھام لو یارو کہ ہم فریاد کرتے ہیں

مارا جو ایک ہاتھ گریباں نہیں رہا
کھینچی جو ایک آہ تو زنداں نہیں رہا

لوگ حیران تھے کہ شیخ کے وداع کے وقت غائب؟ بعد میں حضرتِ والا نے شیخ کی خدمت میں حقیقتِ حال عرض کی تو شیخ نے اس حال کے محمود ہونے کی بشارت سے نوازا۔

ایک بار شیخ ہندوستان تشریف لے گئے، وہاں اہلِ سلسلہ کے اصرار کی وجہ سے تقریباً چھ ماہ قیام رہا، یہ مدت ہمارے حضرت پر کیسے گزری؟ بس کچھ نہ پوچھئے، شب میں دردِ فراق سے یہ حال ہوتا ؎

فَيَالَكَ مِنْ لَيْلٍ كَأَنَّ نُجُوْمَهٗ
بِاَمْرَاسِ كَتَّانٍ اِلٰى صُمِّ جَنْدَلِ

"اے رات تجھ پر تعجب ہے، گویا کہ تیرے ستارے مضبوط رسّوں سے سخت پتھروں کے ساتھ باندھ دیئے گئے ہیں۔"

اور دن میں بے قراری کا یہ عالم ؎

فَيَالَكِ مِنْ شَمْسٍ كَأَنَّ قُرُوْنَهَا
بِاَمْرَاسِ كَتَّانٍ اِلٰى صُمِّ جَنْدَلِ

"اے آفتاب تجھ پر تعجب ہے، گویا کہ تیری مینڈھیاں مضبوط رسّوں سے سخت پتھروں کے ساتھ باندھ دی گئی ہیں۔"

مطلب یہ کہ دردِ فراق سے دن رات گزر ہی نہیں رہے، دن کو آفتاب اور

رات کو ستارے ایک ہی جگہ بندھے نظر آرہے ہیں۔

اس مضمون کے یہ اشعار بھی حضرتِ والا کی زبان پر اکثر جاری رہتے ہیں ؎

کیا جانے کس انداز سے ظالم نے نظر کی
حالت ہی دگرگوں ہے مرے قلب و جگر کی
کاٹے نہیں کٹتا تری فرقت کا زمانہ
ہوتی نہیں اب شام جو مر مر کے سحر کی
پھنکتا ہوں شب و روز پڑا بسترِ غم پر
ہوتی ہے بری ہائے لگی آگ جگر کی

اس زمانہ میں محض شیخ کے دولت خانہ کی زیارت کے لئے دارالعلوم سے ناظم آباد تشریف لاتے جس کا سبب خود حضرتِ والا ہی کے الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے، کیا خوب فرمایا ؎

ہو گئی الفت مجھے تیرے در و دیوار سے
تو نہیں ملتا تو مسکن ہی ترا تسکین ہے
کھینچ لایا کو بکو ہے یہ دلِ مضطر مجھے
میرے دلبر تیرے در پر داردِ غمگین ہے

حضرتِ والا کی طبعِ مبارک پر شروع ہی سے سفر بہت گراں ہے، بالخصوص بس کی سواری تو بہت تکلیف دہ تھی، کبھی ضرورتِ شدیدہ سے بس پر تھوڑی دیر سوار ہونا پڑا تو دن بھر طبیعت نڈھال رہی، مگر دیارِ محبوب کی زیارت کے شوق میں دارالعلوم سے صدر تک اور وہاں سے ناظم آباد تک بسوں پر لٹکتے جا رہے ہیں ؏

از محبت تلخہا شیریں شود
”محبت سے تلخیاں میٹھی ہو جاتی ہیں۔“

اسی زمانہ میں ہندوستان خط لکھا، جس میں شیخ کے القاب میں

مَسْجِدُ قَلْبِیْ "میرے دل کی مسجد یعنی دل کی سجدہ گاہ"

بھی تحریر فرمایا، شیخ نے مسرت سے یہ خط حضرت مولانا ابرار الحق صاحب خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کو دکھایا۔ یہ لقب دیکھ کر مولانا بھی بہت خوش ہوئے، اور اپنا تأثر یوں ظاہر فرمایا:

"میں پاکستان گیا تو ان (حضرت والا) سے ضرور ملوں گا۔"

حضرتِ والا نے فرمایا:

"یہ لقب لکھتے وقت میرے قلب میں قطعۂ حدیث

وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ

کا خیال بھی تھا، یعنی میرا قالب تو پاکستان میں ہے مگر قلب ہندوستان میں شیخ کے ساتھ معلق ہے۔ "معلّق" کے لغوی معنیٰ "لٹکایا ہوا" کا تصور کرتا ہوں تو بہت مزا آتا ہے۔"

اس زمانہ میں حضرتِ والا اپنے شیخ کی خدمت میں داستانِ فراق کیسے تحریر فرماتے تھے؟ قرطاس اس آتشِ سوزاں کا متحمل نہیں، ایک ادنیٰ سی جھلک اشعارِ ذیل میں ملاحظہ ہو، حضرتِ والا حضرت مجذوب رحمہ اللہ تعالیٰ کے یہ اشعار بہت پڑھتے ہیں ؎

اے سوختہ جاں پھونک دیا کیا مرے دل میں
ہے شعلہ زن اک آگ کا دریا مرے دل میں

باقی نہیں اب کوئی تمنا مرے دل میں
موجود ہے عکسِ رخِ زیبا مرے دل میں

اب کیوں ہو کسی چیز کی پروا مرے دل میں
ہے عیشِ دو عالم کا مہیا مرے دل میں

مت پوچھ کہ جوش اٹھتے ہیں کیا کیا مرے دل میں
دن رات بس اک حشر ہے برپا مرے دل میں
ہے روزِ ازل سے ترا نقشہ مرے دل میں
رخ پہ ہے ترے خالِ سویدا مرے دل میں
سینہ میں جو ہر دم ہے تجلّی کا یہ عالم
کیا عرشِ معلّیٰ اتر آیا مرے دل میں
ہمدم جو مصائب میں بھی ہوں میں خوش و خرّم
دیتا ہے تسلّی کوئی بیٹھا مرے دل میں
فرصت کسے نظارۂ نیرنگِ جہاں کی
ہر لحظہ ہے اک طُرفہ تماشا مرے دل میں
او پردہ نشیں! میں ترے اس ناز کے قرباں
پنہاں مری آنکھوں سے ہویدا مرے دل میں
مدّت ہوئی روتے نہیں تھمتے مرے آنسو
شاید کہ در آیا کوئی دریا مرے دل میں
اُف اُف رے ستم ہائے تری نیم نگاہی
نکلا بھی نہیں تیر کہ بیٹھا مرے دل میں
سوجھے مجھے بس ظاہر و باطن میں تو ہی تو
آجا مری آنکھوں میں سما جا مرے دل میں
یہ برق صفت کون اٹھا دیتا ہے پردہ
ہو جاتا ہے اک دم جو اُجالا مرے دل میں
جو داغ نظر آتے ہیں وہ نقشِ قدم ہیں
پایا ہے جو اس شوخ نے رستا مرے دل میں

ہے عشق مجھے کس لبِ شیریں کا الٰہی
گر درد بھی اٹھتا ہے تو میٹھا مرے دل میں
روتے ہوئے ہنس دیتا ہوں اک بار ہی مجذوبؔ
آجاتا ہے وہ شوخ جو ہنستا مرے دل میں

ایک بار شیخ چند ایام کے لئے لاہور تشریف لے گئے، حضرتِ والا نے دردِ ہجر سے بیتاب ہوکر "صدائے مجذوب بشوقِ لقائے محبوب" سے یہ اشعار لکھ بھیجے ؎

نہیں جانا ہوا ہے جانبِ میخانہ برسوں سے
بھرا ہے دل میں شوقِ نعرۂ مستانہ برسوں سے
کبھی کچھ تھا یہ دل، اب تو یہ ہے بُت خانہ برسوں سے
ترستا ہوں تجھے اے جلوۂ جانانہ برسوں سے
خدایا بابِ رحمت کھول دے ہاں کھول دے ساقی
کھڑا کھٹکا رہا ہوں میں درِ میخانہ برسوں سے
صُراحی دربغل، ساغر بکف، مستانہ وار آجا
لگائے آسرا بیٹھا ہے اِک دیوانہ برسوں سے
بس اب آجا، بس اب آجا، کرم فرما، کرم فرما
صدائیں دے رہا ہے کوئی بیتابانہ برسوں سے
بعید انصاف سے ہے غیر کو ترجیح مجھ پر ہو
وہ کل عاشق ہوا، میں ہوں ترا دیوانہ برسوں سے
غضب ہے غیر سا نا آشنا اب آشنا ٹھہرے
وہ ہو بیگانہ جس کے ساتھ تھا یارانہ برسوں سے

حضرتِ والا شہر کی رنگ رلیوں سے گزر کر جب شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو شیخ کی شانِ دلربائی دیکھتے ہی بے ساختہ آپ کی زبان پر یہ اشعار جاری ہو جاتے ؎

ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق
اس نے دیکھے ہی نہیں نازو نزاکت والے
ہائے رے مجذوب کس لیلیٰ کا میں دیوانہ ہوں
جھانکتی ہے لیلیِ مجنوں بھی محمل سے مجھے

حضرتِ والا اکثر فرمایا کرتے ہیں:

"ہمارے حضرت کی شانِ محبوبیت پوری دنیا سے نرالی ہی تھی ؎

آفاقہا گردیدہ ام، مہرِ بتان ورزیدہ ام
بسیار خوبان دیدہ ام، لیکن تو چیزی دیگری"

"میں آفاق میں پھرا ہوں، میں نے بہت سے محبوبوں کی مہربانیاں قبول کی ہیں، میں نے بہت حسین دیکھے ہیں، لیکن تُو تو کوئی اور ہی چیز ہے"

آنکھوں میں شرابِ محبت کی مستی کا مسحور کن خمار ؎

وہ آنکھیں نشیلی وہ پلکیں نکیلی
گرے جا رہے ہیں مرے جا رہے ہیں
نہیں مانتا ہے نہیں مانتا ہے
بہت دل کو ہم اپنے سمجھا رہے ہیں
ارے اُف غضب ہیں یہ آنکھیں نشیلی
سنبھالو ارے ہم گرے جا رہے ہیں

ایک بار حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ حضرتِ والا کو ساتھ لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی:

"دارالعلوم میں صحیح بخاری ختم ہو رہی ہے آپ اس تقریب میں تشریف لائیں۔ اساتذہ، طلبہ اور تمام عملہ زیارت و استفادہ کا مشتاق ہے۔"

شیخ نے درخواست قبول فرمانے کے بعد حضرت والا کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے فرمایا:

"مگر ٹھہروں گا ان کے ہاں، اور کھانا بھی انہی کے ہاں کھاؤں گا۔"

حضرتِ والا اُس زمانہ میں دارالعلوم میں شیخ الحدیث تھے، اور وہاں صحیح بخاری آپ ہی پڑھاتے تھے۔ جب گاڑی دارالعلوم کی طرف روانہ ہوئی تو حضرتِ والا نے جوشِ مسرت سے باآوازِ بلند یہ شعر پڑھا ؎

تصوّرِ عرش پر ہے وقفِ سجدہ ہے جبیں میری
مرا اب پوچھنا کیا ہے فلک میرا زمیں میری

شیخ نے حسبِ ارشاد حضرتِ والا کے مکان پر قیام فرمایا، اور طعام بھی وہیں تناول فرمایا۔ دارالعلوم کے ناظم صاحب نے چائے پیش کی، شیخ نے فرمایا:

"صاحبِ خانہ کی اجازت کے بغیر نہیں پیوں گا۔"

بھلا صاحبِ خانہ کے عشق کو غیر کا تحمّل کہاں؟ ؎

گر طمع خواہد زمن سُلطانِ دین
خاک بر فرقِ قناعت بعد ازین

"اگر دین کا بادشاہ مجھ سے طمع چاہے (یعنی وہ خود ہی چاہے کہ میں اس سے کچھ مانگوں) تو اس کے بعد قناعت کے سَر پر خاک۔"

مذکورۂ بالا قصہ سے اس کا اندازہ بھی بخوبی ہوجاتا ہے کہ شیخ کے قلب میں بھی حضرتِ والا کا کیا مقام تھا اور شیخ کو حضرتِ والا کے ساتھ کس قدر شفقت و محبت تھی؟

شیخ حضرتِ والا کو خطوط میں "مشفقم" اور "محبی و محبوبی" کی شرابِ دوآتشہ کی لذت سے سرشار فرمایا کرتے تھے۔

شیخ کے وصال کے بعد صدمہ کی وجہ سے حضرتِ والا کو رات میں نیند نہیں آرہی تھی، حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب خلیفۂ مجاز حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ نے تخفیفِ غم کے لئے ہومیوپیتھی کی دوا دی تب نیند آئی۔

حضرتِ والا یادِ شیخ میں بسا اوقات بہت درد سے یہ اشعار پڑھتے ہیں ؎

یادِ ایامے کہ در میخانہ محفل داشتم
جامِ مے بر دست و جاناں در مقابل داشتم

"ان دنوں کی یاد ستا رہی ہے جب کہ میخانہ میں میری محفل ہوتی تھی، شراب کا پیالہ ہاتھ پر اور محبوب سامنے ہوتا تھا"

از حالِ خود آگہ نیم جز ایں قدر دانم کہ تو
ہر گہ بخاطر بگزری اشکم ز داماں بگزرد

"مجھے بے خودی میں سوائے اس کے کچھ خبر نہیں کہ جب کبھی بھی دل میں تیرا گزر ہوتا ہے، میرے آنسو دامن سے بھی گزر کر زمین تک پہنچ جاتے ہیں"

محبتِ شیخ ہی سالکین کے لئے مفتاحِ سعادت و مصباحِ سیادت ہے، اللہ تعالیٰ حضرتِ والا کی محبتِ شیخ و دردِ دل کو اہلِ دل کے لئے مشعلِ راہ و کحل الجواہر بنائیں۔

آتشِ شوق

حضرت اقدس کو بچپن ہی سے حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کے مواعظ پڑھنے کا بہت شوق تھا، بسا اوقات کسی مضمون کا قلب پر ایسا اثر ہوتا کہ گریہ سے بے خود ہو جاتے اور اس حالت میں یوں دُعاء کرتے:

> ”یا اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ میرے قلب میں تیرے اس مقبول بندہ کی محبّت ہے، اس کے طفیل میری حالت پر رحم فرما، تیرے مقبول بندوں کی محبّت کے سوا میرے پاس کوئی عمل نہیں۔“

کچھ بڑی عمر ہونے پر زمانۂ طلبِ علم میں حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کے مواعظ میں کوئی جلیل القدر علمی دقیقہ دیکھ کر بھی یہی کیفیت طاری ہو جاتی اور یہی دُعاء نکلتی۔

حضرت والا جب جامعہ دار الہُدیٰ ٹھیڑھی میں پڑھتے تھے، اس زمانہ میں پیر پگاڑو کے مریدوں نے (جو حُر کہلاتے تھے) پورے ملک میں زبردست فتنہ پھیلا رکھا تھا، حکومتِ برطانیہ نے بہت نقصان برداشت کرکے بہت طویل مدت کے بعد بڑی مشکل سے ان پر قابو پایا۔ حرّوں کے منصوبہ میں عُلماءِ حق کو قتل کرنا بھی تھا جن میں جامعہ دار الہُدیٰ ٹھیڑھی کے عُلماء سرِ فہرست تھے، اس لئے جامعہ کے مہتمم، اساتذہ اور طلبہ ہر وقت شدید خطرہ سے دوچار تھے، جامعہ کے طلبہ کا دار الاقامہ درسگاہوں سے بہت دور تھا، مگر حضرتِ والا اور آپ کے بڑے بھائی مولانا محمد جمیل صاحب کا قیام اپنے بہنوئی اور استاذ مولانا محمود احمد صاحب کے ساتھ ان کی درسگاہ میں تھا۔ ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ آپ کے استاذ اور بھائی اپنے گھر سلیم آباد تشریف لے گئے، اور رات میں واپس نہ آئے، حضرت والا بالکل تنہا رہ گئے۔ گرمی کا موسم تھا اس لئے کمرے کے اندر سونا ناممکن تھا، اور درسگاہوں کے سامنے بہت کشادہ صحن میں

بیرونی مداخلت سے حفاظت کا کوئی انتظام نہ تھا، پھاٹک اور دیواریں ایسی کہ کوئی بھی شخص پھاند کر بسہولت اندر آسکتا تھا، حضرت والا اس صحن میں لیٹے تو چوروں کا خوف محسوس ہوا، فوراً اپنے مالک کی طرف متوجہ ہو کر استغفار کیا اور سب کچھ اس کے سپرد کر کے سو گئے، اسی وقت نیند آگئی۔ رات بھر بہت آرام اور سکون سے سوتے رہے۔

اس وقت حضرت اقدس دامت برکاتہم کی عمر صرف پندرہ برس تھی، اس عمر میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا مضبوط تعلق کہ اس کی طرف ادنیٰ سی توجہ سے دل سے تمام خطرات چھٹ گئے۔

انہی دنوں میں ایک بار لوگوں کی نظر سے پوشیدہ رکھنے کی غرض سے بالکل اندھیرے کمرے میں جا کر تہجد کی نماز میں مشغول ہو گئے، سجدہ کی جگہ کوئی چارپائی تھی جس کا علم نہیں تھا، جب سجدہ کی طرف گئے تو پیشانی بہت زور سے چارپائی کے پائے پر لگی، اس پر اللہ تعالیٰ کا بہت شکر ادا کیا کہ آنکھیں، ناک اور دانت بچ گئے، اگر ان میں سے کسی پر ایسی سخت چوٹ لگتی تو کیا بنتا؟

ایک بار تقریباً اٹھارہ سال کی عمر میں رات کو اپنے والدِ ماجد اور بھائیوں کے ساتھ سلیم آباد میں اپنے گھر کے بہت کشادہ صحن میں سوئے ہوئے تھے، ٹھنڈی اور کھلی ہوا نے دنیا کو نشۂ خواب سے مست اور بے ہوش کر رکھا تھا، ایسی حالت میں آپ کو دردِ عشق نے آدھی رات کے بعد بستر سے اٹھایا اور خطرناک جنگل میں لے جا کر محبوب کے ساتھ مشغول کر دیا ؎

ہمارا شغل ہے راتوں کو رونا یادِ دلبر میں
ہماری نیند ہے محوِ خیالِ یار ہو جانا

اس زمانہ میں آپ کی زرعی اراضی کا بیشتر حصہ غیر آباد جنگل کی صورت میں تھا، اس میں خطرناک سانپوں کی بہتات کے علاوہ ایک دو بہت بڑے سانپ

ایسے بھی تھے کہ انہیں دن میں بھی کوئی انسان نظر آجائے تو اس کے پیچھے بھاگتے تھے۔ علاوہ ازیں بعض لوگوں نے اس جنگل میں جنّات بھی دیکھے تھے، حضرتِ والا کا دردِ عشق آپ کو وہاں اندھیری رات میں بے خطر لے گیا ع

عشق آمد لا اُبالی فاتّقوا،

”عشق کو کسی چیز کی پروا نہیں، اس کی چوٹ سے بچو۔“

انّیس سال کی عمر میں شوال سنہ ۱۳۶۰ھ میں بصد اشتیاق حضرت حکیم الامّۃ قدس سرہ کی بارگاہ میں پہلی بار حاضری کی سعادت سے مشرف ہوئے، وہاں پہنچتے ہی ایک عجیب کرامت دیکھی۔ اس کی تفصیل عنوان ”تھانہ بھون میں حاضری“ کے تحت گزر چکی ہے۔

حضرت حکیم الامّۃ قدس سرّہ کی زیارت و فیوض سے بہرہ ور ہونے کے بعد دار العلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کے لئے داخلہ لیا، تعلیمی سال کے اختتام یعنی شعبان سنہ ۱۳۶۱ھ تک دار العلوم دیوبند میں قیام رہا۔ حضرت حکیم الامّۃ قدس سرہ کے ساتھ غلبۂ عقیدت و محبت نے متعدد بار دار العلوم دیوبند سے بھی کھینچ کر تھانہ بھون پہنچا دیا۔ بعض مرتبہ تو جوشِ عشق میں پیدل ہی چل پڑے، آتشِ عشق نے اتنا لمبا سفر پیدل ہی طے کروا دیا۔

۱۶؍ رجب سنہ ۱۳۶۲ھ میں حضرت حکیم الامّۃ قدس سرہ کا وصال ہوا تو حضرتِ والا کے دردِ دل کا لاوا پھوٹ پڑا، آپ نے عربی اور اُردو میں بہت دردناک مرثیے کہے۔

اُردو مرثیہ کا آخری شعر یہ ہے ؎

انہی کے نقشِ قدم پر ہو یا خدا جینا
وَیَرحَمُ اللہُ عَبدًا یَقُولُ اٰمِینَا

"اللہ اس بندہ پر رحم کرے جو میری اس دعا پر آمین کہے۔"

عربی مرثیہ کا ایک شعر ملاحظہ ہو ؎

اَلَمَّ بِرَوْضَتَیَّ فَقَدْ تَوَلّٰی
عَلٰی ابْنَیْ دَایَتَیَّ النَّسْرُ الظَّلُوْمُ

"وہ حادثہ میرے دو باغوں پر نازل ہوا تو میرے دو کوّوں پر ظالم سفید گدھ مسلّط ہو گیا۔"

تشریح: میرے سر اور ڈاڑھی کے بال سرسبز و شاداب باغ کی طرح سیاہ، گنجان اور خوبصورت تھے، ان پر اس جانکاہ حادثہ کا یہ اثر ہوا کہ کوّوں جیسے کالے بالوں پر سفید گدھ جیسی سفیدی غالب آگئی۔

یہ شعر آتشِ عشق و دردِ دل کے عِلاوہ نوعمری ہی میں آپ کے تعمّقِ علم اور تمثیل و استعارہ میں کمالِ بے مثال کا آئینہ دار ہے، اس وقت آپ کی عمر صرف بیس سال تھی، اس عمر میں ایسا شعر کہا کہ آج تک کوئی بڑے سے بڑا عالم بھی اس کا مطلب نہیں بتا سکا۔

ایک بار ایک شامی عالم کے سامنے حضرتِ والا نے اپنا یہ شعر پیش فرمایا وہ بھی سمجھنے سے عاجز رہ گئے، حالانکہ وہ مادری عرب ہونے کے عِلاوہ علم میں بھی پختہ ہیں۔

حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حکیم الامّۃ قدس سرہ کی سوانح بنام "اشرف السوانح" تین جلدوں میں لکھی، اس کے بعد آپ کے وصال کے حالات پر چوتھی جلد بنام "خاتمۃ السوانح" تحریر فرمائی، مگر اس کی طباعت سے قبل ہی ۲۷؍ شعبان ۱۳۶۳ھ میں حضرت مجذوب رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی وصال ہو گیا تو حضرت مولانا شبیر علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت

مجذوب رحمہ اللہ تعالیٰ کے وصال کے حالات بھی "خاتمۃ السوانح" میں شائع فرما دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے حالاتِ حیات و موت دونوں کی اشاعت میں معیتِ شیخ کا شرف عطا فرمایا۔

۱۳۶۴ھ میں "خاتمۃ السوانح" چھپ کر شائع ہوئی، انہی ایام میں حضرتِ والا حضرت مدنی قدس سرہ کی خدمت میں حاضری کے لئے دیوبند تشریف لے گئے۔ آپ کا قیام دار العلوم کے مہمان خانہ میں تھا جو دار العلوم کی مسجد کے مأذنہ سے متصل تھا، عصر سے پہلے آپ نے "خاتمۃ السوانح" کا مطالعہ شروع کیا۔ اس میں ایسے مستغرق ہوئے کہ ساتھ ہی متصل مأذنہ سے لاؤڈ اسپیکر پر عصر کی اذان ہوئی مگر آپ کو سنائی نہیں دی، ذرا افاقہ ہوا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ آفتاب غروب ہونے کو ہے، جلدی جلدی عصر کی نماز پڑھی، اس کے بعد حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ اعجوبہ بیان کیا تو مولانا نے سامنے تپائی پر رکھی ہوئی "خاتمۃ السوانح" پر ہاتھ رکھ کر فرمایا:

> "مجھے بھی یہ کتاب آج ہی ملی ہے، یہ رکھی ہے، میں نے دیکھی تو مجھ پر بھی وہی کیفیت گزری جو آپ نے بتائی۔"

"خاتمۃ السوانح" کے مطالعہ سے حضرتِ والا پر جو کیفیات طاری ہوئیں وہ آپ نے اسی وقت بصورتِ نظم "خاتمۃ السوانح" کے آخری صفحہ پر لکھ لی تھیں، ملاحظہ ہوں ؎

تعزیت کیا اے حضرتِ مجذوب
ہے نمکپاشی بر جروحِ قلوب
خفتہ جذبے جگا دیئے پھر سے
قلبِ مضطر کو کر دیا مثقوب

زخمِ مُزمن میں جب لگا نشتر
موت اختر کو ہوگئی مرغوب
جینا چاہوں تو کس بھروسے پر؟
زندگی ہو تو بر درِ محبوب
آتشِ غم بجھا لی تم نے تو
ہائے ہم اب تلک ہیں یوں محجوب

تشریحات:

① تعزیت سے مراد "خاتمۃ السوانح" کی ابتدا میں حضرت مجذوب رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ تحریر ہے:

"گو اس واقعۂ قیامت خیز اور حادثۂ حسرت انگیز پر قلم اٹھانا اور اس کو حیزِ تحریر میں لانا طبعاً سخت شاق ہے، لیکن عقلاً و مصلحۃً خدّام و معتقدینِ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خاطرِ غمگین کی تسلّی کی غرض سے جن کی بے تابانہ اور والہانہ فرمائشیں چاروں طرف سے آرہی ہیں' بالخصوص ان خدّام کی جو بوقتِ رحلت موجود نہ تھے، نیز خود اپنی دل کی بھی بھڑاس نکالنے کے لئے مجبوراً دل پر پتھر رکھ کر لکھوائے ؎

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زبان سوزد
وگر دم درکشم ترسم کہ مغزِ استخوان سوزد

بہت اختصار کے ساتھ بقدرِ ضرورت کچھ حالاتِ وفات حسرت آیات لکھ کر شائع کئے جاتے ہیں، کیونکہ فرداً فرداً کس کس کو کہاں کہاں اطلاع دی جا سکتی ہے۔ نیز یہ مصلحت بھی پیشِ نظر ہے کہ ان شاءَ اللہ تعالیٰ یہ حالاتِ سبق آموز و غم افزا، علاوہ بصیرت افروز ہونے کے

غمزدہ دلوں کی بھڑاس نکال کر باعثِ سکون بھی ہو جاویں گے اور جراحتِ قلب پر ایک تیز مرہم کا سا کام دیں گے، جو پہلے تو اضطراب پیدا کرتا ہے، پھر سکون۔"

② حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کے وصال کے ایک سال بعد حضرت مجذوب رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی وصال ہو گیا، حضرتِ والا کے اشعارِ مذکورہ میں سے آخری شعر ؎

آتشِ غم بجھالی تم نے تو
ہائے ہم اب تلک ہیں یوں محجوب

میں اسی طرف اشارہ ہے۔

③ حضرتِ والا کا تاریخی نام "سعود اختر" (۱۳۴۱) ہے، آپ عربی نظم میں بطورِ تخلص اپنا نام "سعود" اور اُردو نظم میں "اختر" لاتے ہیں، جیسا کہ مصارع نمبر ۶ میں۔

★ ★ ★ ★ ★

پھر سلطان العارفین حضرت پھولپوری قدس سرہ کے ساتھ تعلق کے بعد تو یہ حال ہو گیا ؎

وہ بیتابیاں جن کی عادت نہ تھی
شب و روز کا مشغلہ ہو گیا

ذکر دوازدہ تسبیح کے وقت اس قدر روتے کہ دیکھنے والوں کو رحم آتا۔

تلاوتِ قرآن کے وقت ہر تھوڑی دیر کے بعد بہت زور سے "اللہ" کے ساتھ ملی ہوئی بہت ہی پُر درد "آہ" نکلتی ہے، اکثر گریہ طاری ہو جاتا ہے بالخصوص نمازِ تہجد میں بحالتِ امامت بسا اوقات قراءت میں گریہ کا ایسا غلبہ ہو جاتا ہے کہ قراءت بند ہو جاتی ہے۔ قراءت میں نسبت مع اللہ کا ایسا ظہور اور لہجہ میں ایسا درد ہوتا ہے کہ سننے والوں کے قلوب پگھلنے لگتے ہیں۔

حضرتِ والا کا شعر ؎

دل و چشم دونوں میں طوفاں بپا ہے
اِدھر شعلہ باری اُدھر لالہ زاری

آپ کی اسی حالتِ رفیعہ کا ترجمان ہے۔ دوسرے اوقات کے علاوہ آہِ سحر گاہی کے وقت بھی اس قسم کے مختلف اشعار پڑھتے ہیں، مثلاً ؎

یارب چہ چشمہ ایست محبت کہ من ازاں
یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم

"یارب! محبت کا چشمہ کیا عجیب ہے کہ میں نے اس سے ایک قطرہ پیا اور آنسوؤں کا دریا بہادیا۔"

صد جوئے آب بستہ ام از دیدہ برکنار
بر بوئے تخمِ مہر کہ در دل بکارمت
بارم دہ از کرم سوئے خود تا بسوزِ دل
در پائے دمبدم گہر از دیدہ بارمت
میگریم و مرادم ازیں سیلِ اشکبار
تخمِ محبت ست کہ در دل بکارمت

"میں اپنے دل میں تیری محبت کا جو تخم بو رہا ہوں، اس کی خوشبو سے میں نے آنکھوں سے آنسوؤں کی سیکڑوں نہریں بہادی ہیں۔

براہِ کرم مجھے حاضری کی اجازت دیجئے تاکہ سوزِ دل سے دمبدم تیرے قدموں پر آنکھوں سے موتی برساؤں۔

میں رو رہا ہوں، آنسوؤں کے اس سیلاب سے میرا مقصود تیری محبت کا وہ تخم ہے جو میں اپنے دل میں بو رہا ہوں۔"

سینہ از آتش دل در غمِ جانانہ بسوخت
آتشے بود درین خانہ کہ کاشانہ بسوخت
تنم از واسطۂ دوریِ دلبر بگداخت
جانم از آتشِ مہرِ رخِ جانانہ بسوخت
سوزِ دل بین کہ زبس آتش واشکم دلِ شمع
دوش بر من ز سرِ مھر چو پروانہ بسوخت

”محبوب کے غم میں آتشِ دل سے میرا سینہ جل گیا، اس گھر میں ایسی آگ تھی جس سے گھر ہی جل گیا۔

دلبر کی دوری سے میرا بدن پگھل گیا، محبوب کے رخسار کے آفتاب کی آتش سے میری جان جل گئی۔

میرے دل کا سوز دیکھ کر میری آگ اور آنسوؤں پر رحم کھا کر رات شمع کا دل پروانہ کی طرح جل گیا۔“

ساقیا برخیز در دہ جام را   خاک بر سر کن غمِ ایام را
گرچہ بدنامی ست نزدِ عاقلان   ما نمی خواھیم ننگ و نام را
دودِ آہِ سینۂ نالانِ من   سوخت این افسردگانِ خام را
محرمِ رازِ دلِ شیدائے خود   کس نمے بینم ز خاص وعام را
با دلارامے مرا خاطر خوشست   کز دلم یکبارہ برد آرام را
ننگرد دیگر بسرو اندر چمن   ھر کہ دید آن سروِ سیم اندام را

”ساقی! مجھے شرابِ محبت کا پیالہ پلا کر مست و بے ہوش کر دے۔
یہ عقل مندوں کے نزدیک اگرچہ بدنامی ہے مگر ہم نام کی خواہش نہیں رکھتے۔
میرے نالاں سینہ کی آہ کے دھوئیں نے افسردہ لوگوں کو جلا دیا۔

مجھے اپنے دلِ شیدا کا محرمِ راز خاص و عام میں کوئی نظر نہیں آتا۔
میرا دل اس محبوب کے ساتھ خوش ہے جو میرے دل سے آرام کو اچک لے گیا۔
جس نے اُس محبوب کو دیکھ لیا وہ دنیا میں کسی دوسرے کو نہیں دیکھے گا“

در خراباتِ مغان ما نیز ہمدستان شویم
کین چنین رفت ست در روزِ ازل تقدیرِ ما
عقل گر داند کہ دل در بندِ زلفت چون خوش ست
عاقلان دیوانہ گردند از پئے زنجیرِ ما
با دلِ سنگینت آیا ہیچ در گیرد شبے
آہِ آتشبار و سوزِ نالۂ شبگیرِ ما
مرغِ دل را صیدِ جمعیت بدام افتادہ بود
زلف بکشادی و باز از دست شد نخچیرِ ما
تیر آہِ ما ز گردون بگزرد حافظ خموش
رحم کن بر جانِ خود پرہیز کن از تیرِ ما

”ہماری تقدیر میں روزِ ازل سے یہ لکھا ہے کہ ہم بھی عشاق کی بدحالی میں شریک ہوں گے۔

اگر عقل کو معلوم ہو جائے کہ تیری زلف کے بند میں میرا دل کتنا خوش ہے تو عقلمند لوگ ہمارے زنجیر کے دیوانے ہو جائیں۔

آیا ہماری آہِ آتشبار اور رات بھر رونے کے سوز کو کسی رات تیرے سخت دل میں پہنچنے کا کوئی دروازہ ملے گا؟

دل کے پرندہ کے دام میں سکون کا شکار پھنس گیا تھا، تو نے زلف کھولی تو شکار ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

ہماری آہ کا تیر آسمان سے گزر جاتا ہے، خاموش رہو، اپنی جان پر رحم کرو، ہمارے تیر سے بچو۔"

زین آتشِ نہفتہ کہ در سینۂ من ست
خورشید شعلہ ایست کہ در آسمان گرفت
آن روز شوقِ ساغرِ مے خرمنم بسوخت
کاتش زعکسِ عارضِ ساقی دران گرفت
بر برگِ گل بخونِ شقائق نوشتہ اند
کان کس کہ پختہ شد مے چون ارغوان گرفت

"آفتاب میرے سینہ میں چھپی ہوئی آگ سے ایک شعلہ ہے جو آسمان پر پہنچ گیا۔

اُس روز شراب کے پیالہ کے شوق نے میرا خرمن جلادیا جب اس میں ساقی کے رخسار کے عکس کی آگ لگی۔

قدرت نے پھول کے پتوں پر گلِ لالہ کے خون سے لکھا ہے کہ جو شخص پختہ ہوگیا اس نے ارغوانی شراب لے لی۔"

چندان گریستم کہ ہر کس کہ بر گزشت
در اشکِ ما چو دید روان گفت کین چہ جوست

"میں اتنا رویا کہ جو شخص بھی گزرا میرے آنسو دیکھ کر بے ساختہ پکار اٹھا کہ یہ کیا نہر ہے؟"

بر دلش داغِ آتشین بنہاد　　آہِ من چون بماھتاب رسید

"میری آہ جب چاند پر پہنچی تو اس نے اس کے دل پر آتشیں داغ ڈال دیا۔"

چھبیس سال کی عمر میں جب آپ نے پہلی بار حج کا قصد فرمایا تو ہر وقت عجیب عالمِ کیف و مستی میں محو رہتے تھے، اس ربودگی میں کچھ شوقیہ اشعار موزوں ہو گئے تھے، جن میں سے بعض حضرتِ والا کو یاد ہیں جو درجِ ذیل ہیں ؎

الٰہی کونسا دن ہو کہ ان آنکھوں سے جا دیکھوں
کبھی استار کعبہ کے کبھی روضہ مدینے کا
زہے قسمت مرے مولیٰ بسالوں میں دل و جاں میں
وہی انوار کعبہ کے وہی جلوہ مدینے کا
مری[عـه] خدمات کی اب تم سبھی اے جامعہ والو!
رجا ہرگز نہ رکھو، اب نیا ہے دَور جینے کا
عروجِ حال سے ہٹ کر دروس قال کیسے دوں؟
بلندی مل گئی تو ہے خیال اب خام زینے کا
نمازوں میں بھی لازم ہے مری تم اقتدا چھوڑو
نمازوں میں بھی ہے اب سامنے نقشہ مدینے کا
مناجات و صلوٰۃ و نوم و اَوراد و تہجّد سب
تصوّر ہی تصوّر ہے محمد کے جینے کا صلی اللہ علیہ وسلم
الٰہی وصل تک مجھ کو تُو توفیقِ تحمّل دے
پگھل کر دل نکلتا جا رہا ہے میرے سینے کا

ان میں ایک شعر میں یہ دُعا تھی :

”حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بارگاہ میں حاضری کے وقت وہیں موت آجائے“

[عـه] یہ غلبۂ حال تھا، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حضرتِ والا کی خدماتِ دینیّہ کا عروج اس حج کے بعد ہوا ہے ۱۲

آغازِ سفر سے قبل ایک وصیّت نامہ لکھ کر اپنے والدِ محترم کی خدمت میں پیش کیا، جس میں یہ مضمون تھا:

"میری تمنّا ہے کہ کوئے دلبر ہی میں میری رُوح پرواز کر جائے ؎

چون رسی بکوئے دلبر بسپار جانِ مضطر
کہ مبادا بارِ دیگر نہ رسی بدین تمنّا

"جب دلبر کی گلی میں پہنچو تو وہیں جانِ بے قرار قربان کر دو،
اس لئے کہ شاید پھر یہ سعادت نصیب نہ ہو"

اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے مجھے یہ سعادت عطا فرمائی تو:

① عزیزہ صفورہ کی تربیت آپ فرمائیں، (اس وقت حضرتِ والا کی صرف یہی ایک بچّی تھی جس کی عمر تقریباً ایک سال تھی)

② میرے ترکہ سے ہر چھوٹی بڑی چیز حتّٰی کہ سوئی تاگے جیسی اشیاء بھی شریعت کے مطابق وارثوں پر تقسیم فرمائیں۔

③ تقسیمِ ترکہ کی تخریج حسبِ ذیل ہے:

سُبْحَانَ الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ

مسئلہ ۱۰۰
مد — رشید احمد

زوجہ	بنت	ام	اب
۱۲ ۱/۲	۵۰	۱۶ ۲/۳	۲۰ ۵/۶ "

حرمین شریفین میں بالخصوص مطاف میں مندرجۂ ذیل اشعار حضرتِ والا کے وردِ زبان رہتے ہیں ؎

عَلَيَّ بِرَبْعِ الْعَامِرِيَّةِ وَقْفَةٌ
يُمْلِي عَلَيَّ الشَّوْقُ وَالدَّمْعُ كَاتِبُ

وَمِنْ دَيْدَنِيْ حُبُّ الدِّيَارِ لِأَهْلِهَا
وَلِلنَّاسِ فِيْمَا يَعْشَقُوْنَ مَذَاهِبُ

"محبوب کے گھر میں حاضری مجھ پر لازم ہے، عشق مجھے لکھوا رہا ہے اور آنسو لکھ رہے ہیں۔

محبوب کے ساتھ محبت کی وجہ سے اس کے گھر کو محبوب رکھنا میری عادت ہے، اور لوگوں کے طریقے عشق میں مختلف ہیں۔"

مَتٰى مَا تَلْقَ مَنْ تَهْوٰى دَعِ الدُّنْيَا وَاَمْهِلْهَا

"جب بھی محبوب سے ملاقات ہو دنیا بھر سے یکسو ہو جا۔"

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو
شَیْئًا لِلّٰہ از جمالِ روئے تو
دست بکشا جانبِ زنبیلِ ما
آفریں بر دست و بر بازوئے تو

"ہم مفلس ہیں، تیری گلی میں آئے ہیں، لِلّٰہ! اپنے چہرہ کے جمال سے کچھ عنایت فرما دیجئے۔

ہماری زنبیل کی طرف ہاتھ پھیلا، آفریں تیرے ہاتھ اور بازو پر۔"

چو رسی بکوئے دلبر بسپار جانِ مضطر
کہ مبادا بارِ دیگر نہ رسی بدیں تمنا

"جب دلبر کی گلی میں پہنچو تو جانِ بے قرار وہیں قربان کر دو کہ شاید یہ سعادت دوبارہ نصیب نہ ہو۔"

متاعِ عقل و دانش جمع کی تھی عمر بھر میں جو
وہ میقاتِ حرم پر عشق کی بازی میں ہار آئے

دل و جاں کی وہ دولت جو بہت پیاری رہی اب تک
درِ جاناں پہ پھر پھر کر وہیں پر اُس کو وار آئے
بھلا وہ دل پڑیں جس دل پہ دورے دردِ اُلفت کے
سکوں کس طرح سے آئے اسے کیسے قرار آئے؟
یہ عالم کیف و مستی کا یہ طوفاں اشکِ باراں کا
الٰہی عُمر میں میری پھر آئے بار بار آئے
تری چوکھٹ کے سجدے ہیں ترے کوچہ کے چکر ہیں
یہی میری عبادت ہے یہی ہے سعی دیں میری

حرمین شریفین میں قیام کے دوران کبھی آپ کے قلب کی کیفیت آپ کی زبان سے یوں ظاہر ہوتی ہے ؎

سوچتے تھے جب کبھی تنہا ملیں گے یار سے
یہ کہیں گے وہ کہیں گے یوں کہیں گے پیار سے
جب دیئے دن وہ خدا نے اڑ گئے ہوش و حواس
رہ گئے مانندِ صورت ہم لگے دیوار سے

جب وہاں سے واپسی کا وقت قریب آتا ہے تو کئی روز پہلے ہی آپ کا دردِ دل آپ کی زبان سے یوں ظاہر ہوتا ہے ؎

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

”افسوس! آنکھ جھپکنے کی دیر ہی میں یار کی صحبت ختم ہوگئی، ہم نے ابھی پھول کا چہرہ دل بھر کر دیکھا بھی نہیں کہ بہار ختم ہوگئی۔“

حرمین شریفین کے درمیان آمد و رفت میں جب دیارِ حبیب کے ہر قسم کے

آثار نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں اور اب کوئی نشان بھی نظر آنے کی کوئی توقع نہیں رہتی تو گاڑی میں ایک طرف ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیتے ہیں، خدام سمجھتے ہیں کہ سو رہے ہیں، مگر ایک بار حضرت والا نے از خود ہی اپنے چند مخلص خدام سے اس کی حقیقت یوں واضح فرمائی:

> "مکہ مکرمہ اور مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان آمد و رفت کے دوران پورے سفر میں میرے دل و دماغ پر ایسے تخیلات چھا جاتے ہیں اور ایسے تصورات مجھے گھیر لیتے ہیں کہ میں نہ توان کو روک سکتا ہوں اور نہ ہی ان کا تحمل کر پاتا ہوں، حال یوں ہونے کو ہوتا ہے ؎
>
> کہاں تک ضبطِ بے تابی کہاں تک پاسِ بدنامی
> کلیجہ تھام لو یارو کہ ہم فریاد کرتے ہیں
>
> اس دورِ سکون میں بھی آپ لوگ میرا یہ حال گاہے گاہے دیکھتے رہتے ہیں مگر اب سقوطِ قویٰ کی عمر میں ایسی کیفیات کے مسلسل توارد سے ایسا شدید ضعف لاحق ہو جاتا ہے جس سے خطرہ ہوتا ہے کہ جن تھوڑی بہت ٹوٹی پھوٹی خدمات کی توفیق ہو رہی ہے ان سے بھی نہ جاتا رہوں، بعض اوقات تو ایسی کیفیات کا توارد اتنا شدید ہوتا ہے کہ باعثِ پرواز بن جانا بعید نہیں ؎
>
> مارا جو ایک ہاتھ گریباں نہیں رہا
> کھینچی جو ایک آہ تو زنداں نہیں رہا

حدیث میں لذتِ نظر و شوق لقاء کی دعاء کے ساتھ "ضراءِ مضرہ وفتنۂ مضلۃ" سے تعوذ بھی ہے، غلبۂ شوق میں ضرر کے علاوہ خوفِ فتنہ

بھی ہے، اس لئے کہ حالتِ سُکر کے بعض اقوال واحوال فہم عوام سے بالا ہوتے ہیں۔

ان کیفیات سے بچنے کی غرض سے راستہ میں سونے کی کوشش کرتا ہوں تاکہ یہ کٹھن گھڑیاں بے ہوشی میں کٹ جائیں، اسی کے پیشِ نظر اس سفر کے لئے ایسے وقت کا انتخاب کرتا ہوں جس میں سونے کا معمول ہے، معہٰذا راستہ میں کچھ دیر تو متفرق طور پر کٹی پھٹی نیند آجاتی ہے، بقیہ وقت بتکلف نیند کی نقل اتارنے میں مشغول رہتا ہوں، غرضیکہ راستہ یوں کٹتا ہے:

"کبھی نیند کے جھونکے، کبھی نیم خوابی، کبھی معمولی غنودگی، کبھی مصنوعی ربودگی وسکون"۔

عشق ومحبت کے درد وکرب کی ناقابلِ برداشت چوٹوں سے بچنے کے لئے یہ سب تدابیر اختیار کرنے کے باوجود بسا اوقات خدام یہ منظر دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں کہ وہ جس حالت کو نیند کی کامل ربودگی اور مکمل بے ہوشی سمجھ رہے تھے ٹھیک اسی حالت میں اچانک آنکھوں سے آنسوؤں کے فوارے پھوٹ کر سیلِ رواں کی طرح بہہ رہے ہیں جیسے کسی دریا کی طغیانی وطوفان نے دہانوں کی بندشیں توڑ ڈالی ہوں۔

یہ حالات دیکھ کر ضبطِ بے تابی کی کوششوں کی ناکامی کا نقشہ یوں ظاہر ہوتا ہے ؎

لاکھ کر لیتا ہوں عہد ان کو نہ دیکھوں گا کبھی
کچھ نہیں چلتی ہے اپنی جب مچل جاتا ہے دل
پھیر لیتا ہوں نگاہیں روک لیتا ہوں خیال
اور ادھر اتنے میں ہاتھوں سے نکل جاتا ہے دل

حرمین شریفین سے واپسی کے وقت باربار گردن موڑ کر پیچھے دیکھتے ہیں اور

بڑے درد سے یہ شعر پڑھتے ہیں ؎

تَلَفَّتُّ نَحْوَ الْحَيِّ حَتّٰى وَجَدْتُّنِيْ
وَجِعْتُ مِنَ الْاِصْغَاۤءِ لِيْتًا وَّاَخْدَعًا
بَكَتْ عَيْنِيَ الْيُسْرٰى فَلَمَّا زَجَرْتُهَا
عَنِ الْجَهْلِ بَعْدَ الْعِلْمِ اَسْبَلَتَا مَعًا

”میں نے محبوب کی طرف گردن موڑ کر اتنا دیکھا کہ گردن کی رگوں میں درد ہونے لگا۔

میری بائیں آنکھ پہلے روئی (کیونکہ دل کے قریب ہے) میں نے اسے روکا تو اس کے ساتھ دائیں آنکھ نے بھی رونا شروع کر دیا اور دونوں مل کر خوب بہیں۔“

رونے میں بائیں آنکھ کی سبقت کا ذکر شعر میں تو محض ایک شاعرانہ نکتہ ہی معلوم ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی محبت میں رونے میں حضرت اقدس دامت برکاتہم کا حال واقعۃً یہی ہے، ذرا سی بات پر رقت طاری ہوئی، بس بائیں آنکھ نے رونا شروع کر دیا، آنکھ کا پانی ناک میں بھی اتر آتا ہے، اس لئے ناک کی بھی بائیں جانب سے پہلے پانی جاری ہوتا ہے، دائیں آنکھ اور ناک کی دائیں جانب بعد میں بہتی ہیں۔

آپ نے حجِ اول سے قبل جو شوقیہ اشعار کہے تھے ان میں سے آخری شعر ؎

الٰہی وصل تک مجھ کو تُو توفیقِ تحمّل دے
پگھل کر دل نکلتا جا رہا ہے میرے سینے کا

اب بھی ہر سال سفرِ عمرہ سے دو تین ماہ قبل آپ کی زبانِ مبارک پر جاری رہتا ہے۔ کبھی بہت درد سے یہ اشعار پڑھتے ہیں ؎

دل میرود ز دستم صاحبدلان خدارا
دردا کہ رازِ پنہان خواهد شد آشکارا
کشتی نشستگانیم اے بادِ شرطہ برخیز
باشد کہ باز بینیم دیدارِ آشنارا
آن تلخوش کہ صوفی اُمّ الخبائثش خواند
اَشْهٰی لَنَا وَ اَحْلٰی مِنْ قُبْلَةِ الْعَذَارٰی

"دردِ عشق سے میرا دل ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے، خدارا مجھے کوئی تدبیر بتاؤ، ہائے! میرے عشق کا پوشیدہ راز کھلا جا رہا ہے۔

ہم کشتی نشیں ہیں، اے موافق ہوا! تیز چل، شاید کہ ہمیں دوبارہ اس یار کا دیدار ہو جائے۔

وہ کڑوی سی چیز جسے صوفی اُمّ الخبائث کہتا ہے، ہمارے لئے کنواری لڑکیوں کے بوسہ سے بھی زیادہ مرغوب اور زیادہ میٹھی ہے۔"

یہ دَرد اے بدگماں کچھ دیکھنے کی چیز گر ہوتی
میں رکھ دیتا ترے آگے کلیجہ چیر کر اپنا

علاوہ ازیں یہ الفاظ بھی آپ سے بکثرت سُنے جاتے ہیں:

كَادَ قَلْبِيْ اَنْ يَّنْشَقَّ — "ہائے! میرا دل پھٹا جا رہا ہے۔"
كَادَ قَلْبِيْ اَنْ يَّنْفَلِقَ — "ہائے! میرا دل کٹا جا رہا ہے۔"
كَادَ قَلْبِيْ اَنْ يَّطِيْرَ — "ہائے! میرا دل اُڑا جا رہا ہے۔"

کبھی دل پر ہاتھ رکھ کر بہت درد کے ساتھ چلّاتے ہیں:

"ہائے میرا دل گیا۔"

ایک بار مسجدِ حرام میں اپنے ایک خادمِ خاص سے فرمایا:

”مجھے اپنے قلب میں بہت بڑا شگاف نظر آرہا ہے جو تقریباً دل کی پوری لمبائی کے برابر لمبا اور تقریباً ایک انچ چوڑا ہے، جب آبِ زمزم پیتا ہوں اُس میں اُترتا محسوس ہوتا ہے اور بہت سکون ملتا ہے۔“

ایک صاحب حضرتِ والا سے کچھ بے تکلف تھے، انہوں نے اپنے ایک ساتھی کی طرف اشارہ کر کے حضرت والا کی خدمت میں گزارش کی:

”یہ دل کے اسپیشلسٹ ہیں، حضرت چاہیں تو انہیں دل دکھا لیں۔“

حضرتِ اقدس دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا:

”یہ میرا دل کیا دیکھیں گے، اپنا دل مجھے دکھائیں، بلکہ بلا دکھائے ہی میں ان کا دل دیکھ رہا ہوں۔“

ایک بار مکہ مکرمہ میں ایک اسپیشلسٹ ڈاکٹر نے حضرت والا کا قلبِ مبارک دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔

حضرتِ والا نے ارشاد فرمایا:

”کوئی ڈاکٹر میرا دل کیا دیکھے گا، مگر آپ مکہ مکرمہ میں رہتے ہیں اس لئے آپ کی رعایت کر کے آپ کو اجازت دیتا ہوں۔“

ڈاکٹر صاحب معاینہ کے بعد بہت حیرت سے کہنے لگے:

”میں نے ایسا دل صرف دو بزرگوں کا دیکھا ہے، ایک حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ کا دوسرا حضرتِ والا کا۔“

ایک بار سفرِ عمرہ میں ظہران یا ریاض ایرپورٹ پر سعودیہ امیگریشن کے ایک افسر نے حضرت والا کو بہت پُرتپاک لہجہ سے عمرۃ متقبلۃ کی دعا دی، بس حضرتِ والا

کی آتشِ عشق بھڑک اُٹھی، عجیب والہانہ انداز میں عربی میں عشقیہ اشعار پڑھنے لگے۔ وہ افسر بہت توجہ وانشراح سے سنتے رہے۔ جب حضرتِ والا خاموش ہوئے تو انہوں نے فرطِ مسرت سے اُچھل کر کہا:

زِدْ ——— ”اور سُنائیں“۔

حضرتِ والا پھر شروع ہوگئے۔ ایمیگریشن کے عملہ کی ہماہمی اور مسافروں کی گہماگہمی کے عالَم میں یہ بزمِ عشق چند منٹ جاری رہی۔ سعودیہ کے دوسرے حکام اور ایمیگریشن کی قطاروں میں لگے ہوئے عوام یہ اعجوبہ دیکھ کر حیران تھے۔

ایسی معمولی سی بات بھی حضرتِ والا کے توسنِ عشق کو مہمیز لگا دیتی ہے اور ایسی حالت کے بارہ میں حضرت اکثر یہ شعر پڑھتے ہیں ؎

نظر نظر سے جو ٹکرا گئی تو کیا ہوگا؟
مِری محبت کو شہ آگئی تو کیا ہوگا؟

حرمین شریفین میں حاضری کے علاوہ عام حالات میں بھی آپ کا دردِ دل مختلف اشعار کی صورت میں آپ کی زبانِ مبارک سے ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ مذکورہ بالا اشعار کے علاوہ مندرجۂ ذیل اشعار بھی آپ سے بکثرت سُنے جاتے ہیں ؎

اَلْکَرْبُ مُجْتَمِعٌ وَّالصَّبْرُ مُفْتَرِقٌ
وَالْقَلْبُ مُحْتَرِقٌ وَّالدَّمْعُ مُسْتَبِقٌ
کَیْفَ الْقَرَارُ عَلٰی مَنْ لَّا قَرَارَ لَهٗ
مِمَّا جَنَاهُ الْهَوٰی وَالشَّوْقُ وَالْقَلَقٌ
یَارَبِّ اِنْ کَانَ شَیْءٌ فِیْهِ لِیْ فَرَجٌ
فَامْنُنْ عَلَیَّ بِهٖ مَادَامَ بِیْ رَمَقٌ

”[illegible]ڑھ گیا ہے اور صبر چھوٹ چکا ہے، دل جل رہا ہے اور

آنسو بے اختیار بہ رہے ہیں۔

جس شخص پر عشق و محبّت نے ظلم کر کے بے قرار کر دیا ہو اسے
قرار کیسے آسکتا ہے؟

اے میرے ربّ! اگر کسی حالت میں میرے لئے سکون ہے
تو وہ مجھے عطاء فرما کر جب تک میں زندہ رہوں مجھ پر احسان فرما۔“

خُذُوْا فُؤَادِیْ فَفَتِّشُوْہُ وَقَلِّبُوْہُ کَمَا تُرِیْدُوْا
فَلَنْ تُحِسُّوْا بِہٖ سِوَاکُمْ زِدُوْا عَلَی الْحُضُوْرِ زِیْدُوْا

”میرے محبوب! تو میرے دل کو پکڑ لے پھر اسے چیر کر اُلٹ پلٹ کر جیسے چاہے خوب اچھی طرح تفتیش کر کے دیکھ لے، اس میں تجھے سوائے تیرے اور کچھ نہیں ملے گا، مجھے حضوری میں اور زیادہ ترقی عطاء فرما۔“

درونِ سینۂ من زخمِ بے نشان زدہٗ
بحیرتم کہ عجب تیرِ بے کمان زدہٗ

”اے میرے محبوب! تو نے میرے سینہ میں زخم بے نشاں کر دیا ہے
میں حیران ہوں کہ تو نے عجیب تیر بے کماں مارا ہے۔“

زخمی بھی کیا کس کو؟ سینے میں چھپے دل کو
شاباش او تیر افگن! کیا خوب نشانہ ہے

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیرِ نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر سے پار ہوتا

مُردم ازیں الم کہ نہ مُردم برائے تو
اے خاک بر سرم کہ نہ شد خاکِ پائے تو

غم نیست گر ز مہرِ تو دل پارہ پارہ شد
اے کاش! ذرہ ذرہ شود در ہوائے تو
می خواہم از خدا بدعا صد ہزار جان
تا صد ہزار بار بمیرم برائے تو

"میں اس غم میں مرا جا رہا ہوں کہ میں تیرے لئے کیوں نہ مرا؟ میرے سر پر خاک پڑے کہ تیرے پاؤں کی خاک کیوں نہ ہوا؟ مجھے اس کا غم نہیں کہ تیری محبت میں میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا ہے، کاش کہ تیری محبت میں ذرہ ذرّہ ہو جائے۔ میں اللہ تعالیٰ سے لاکھ جانیں مانگتا ہوں، تاکہ میں لاکھ بار تجھ پر قربان ہوں۔"

حسنِ خویشں از روئے خوبان آشکارا کردۂ
پس بچشمِ عاشقان خود را تماشا کردۂ
پرتوِ حسنت نگنجد در زمین و آسمان
در حریمِ دل نمی دانم کہ چون جا کردۂ

"عاشقوں کو ہر چیز میں تیرے حسن کا کرشمہ نظر آتا ہے۔ تیرے حسن کا پرتَو زمین و آسمان میں نہیں سماتا، معلوم نہیں کہ تو دل کی کوٹھڑی میں کیسے بس گیا ہے؟"

حسینوں میں دل لاکھ بہلا رہے ہیں
مگر ہائے وہ پھر بھی یاد آ رہے ہیں

ز عشقِ دوست ہر ساعت درونِ نار می رقصم
گہے در خاک می غلطم گہے بر خار می رقصم

نمی دانم کہ آخر چون دمِ دیدار می رقصم
مگر نازم باین ذوقے کہ پیشِ یار می رقصم
بیا ای مطربِ مجلس، سماعِ ذوق زا در دہ
کہ من از شادیِ وصلش قلندر وار می رقصم
زہے شادی کہ قربانش کنم ہر شادمانی را
خوشا مستی کہ گردِ یار چون پرکار می رقصم
شدم بدنام در عشقش بیا اے پارسا اکنون
نمی ترسم ز رسوائی بہ ہر بازار می رقصم
خوشا رندی کہ پامالش کنم صد پارسائی را
زہے تقویٰ کہ من با جبہ و دستار می رقصم
بیا جانان تماشا کن کہ در انبوہِ جانبازان
بصد سامانِ رُسوائی سرِ بازار می رقصم
بیا در جان کہ ہر دم کشتۂ عشقت چو منصورم
ملامت می کند خلقے و من بر دار می رقصم
تو آن قاتل کہ از بہرِ تماشا خونِ من ریزی
من آن بسمل کہ زیرِ خنجرِ خونخوار می رقصم

”میں دوست کے عشق سے ہر وقت آگ میں رقص کر رہا ہوں،
کبھی خاک میں لوٹ پوٹ ہو رہا ہوں کبھی کانٹوں پر رقص کر رہا ہوں،
میں نہیں جانتا کہ آخر بوقتِ دیدار میں کیوں رقص کر رہا ہوں،
مگر میں اس ذوق پر نازاں ہوں کہ یار کے سامنے رقص کر رہا ہوں،
اے مطربِ مجلس! آ، ذوق پیدا کرنے والا سماع عطا کر،

کہ میں اس کے وصل کی خوشی سے قلندر کی طرح رقص کر رہا ہوں،
کیا ہی اچھی خوشی ہے کہ اس پر ہر خوشی کو قربان کر دوں؟
کیا ہی خوب مستی ہے کہ یار کے گرد پرکار کی طرح رقص کر رہا ہوں،
میں اس کے عشق میں بدنام ہوگیا ہوں، اے پارسا! اب آ،
میں رُسوائی سے نہیں ڈرتا، میں ہر بازار میں رقص کر رہا ہوں،
کیا خوب رندی ہے کہ سیکڑوں پارسائیوں کو اس کا پائیدان بنا دوں،
کیا اچھا تقویٰ ہے کہ میں جبّہ اور دستار کے ساتھ رقص کر رہا ہوں ،
اے محبوب! آ، تماشا دکھا، کہ جانبازوں کے انبوہ میں،
میں رُسوائی کے سیکڑوں اسباب کے ساتھ سرِبازار رقص کر رہا ہوں،
میری جان میں آجا، کہ میں ہر دم منصور کی طرح تیرے عشق کا مقتول ہوں،
دنیا مجھے ملامت کر رہی ہے اور میں سولی پر رقص کر رہا ہوں،
تو وہ قاتل ہے کہ تماشا دیکھنے کے لئے میرا خون بہا رہا ہے،
میں وہ مذبوح ہوں کہ خونخوار خنجر کے نیچے رقص کر رہا ہوں۔"

دلے دارم جواہر خانۂ عشق ست تحویلش
کہ دارد زیرِ گردون میر سامانے کہ من دارم

"میں ایسا دل رکھتا ہوں کہ عشق کا جواہر خانہ اس کی تحویل میں ہے،
جیسا خزانچی مَیں رکھتا ہوں دنیا میں اور کون رکھتا ہے؟"

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زبان سوزد
وگر دم درکشم ترسم کہ مغزِ استخوان سوزد

"میرے دل میں ایسا درد ہے کہ بتاتا ہوں تو زبان جلی جاتی ہے،
اور چھپاتا ہوں تو ڈرتا ہوں کہ ہڈیوں کا مغز جل جائے گا۔"

ہو گئی خشک چشمِ تر بہ گیا ہو کے خوں جگر
رونے سے دل مرا مگر ہائے ابھی بھرا نہیں

اک ہوک سی دل سے اُٹھتی ہے اک درد سا دل میں ہوتا ہے
میں راتوں میں اٹھ کر روتا ہوں جب سارا عالم سوتا ہے

وہ مستِ ناز آتا ہے ذرا ہشیار ہو جانا
یہیں دیکھا گیا ہے بے پیئے سرشار ہو جانا
نکلنا ان کا پردے سے مرا دیوار ہو جانا
غرض کوئی نہ کوئی مانعِ دیدار ہو جانا
کسی سے پردے ہی پردے میں آنکھیں چار ہو جانا
نگاہوں کا اُترنا دل میں اور اسرار ہو جانا
ہمارا شغل ہے راتوں کو رونا یادِ دلبر میں
ہماری نیند ہے محوِ خیالِ یار ہو جانا
عبث ہے جستجو بحرِ محبت کے کنارے کی
بس اس میں ڈوب جانا ہی ہے اے دل پار ہو جانا

آشنا بیٹھا ہو یا نا آشنا
ہم کو مطلب اپنے سوز و ساز سے

جہاں بھی بیٹھتے ہیں ذکر انہی کا چھیڑ دیتے ہیں

حضرتِ اقدس یہ مصراع بہت پڑھتے ہیں۔ ایک بار خدام سے فرمایا کہ معلوم نہیں یہ مصراع کس نے کہا ہے؟ اور اس کے ساتھ دوسرا مصراع کیا ہے؟ اس کی تحقیق

کی جائے۔ تعمیلِ ارشاد میں حتی المقدور خوب تحقیق کرنے کے بعد بھی کچھ پتا نہ چلا تو فرمایا کہ بس یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مصراع اسی طرح منفرد ہی میرے دل میں ڈال دیا ہے، سوچنے پر یاد نہیں آتا کہ یہ میری زبان پر کب سے جاری ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ یہ حضرت دامت برکاتہم کا حال ہے جو بے ساختہ زبان پر جاری رہتا ہے۔

اے عشق مُبارک تجھ کو ہو اب ہوش اڑائے جاتے ہیں
جو ہوش کے پردہ میں تھے نہاں وہ سامنے آئے جاتے ہیں
جب اس طرح چوٹ پہ چوٹ پڑے ویرانیِ دل کیونکر نہ بڑھے
اٹھ اٹھ کر پچھلی راتوں میں کچھ تیر لگائے جاتے ہیں

خَیَالُکَ فِیْ عَیْنِیْ وَذِکْرُکَ فِیْ فَمِیْ
وَمَثْوَاکَ فِیْ قَلْبِیْ فَاَیْنَ تَغِیْبُ

”میرے محبوب! تیرا خیال میری آنکھ میں ہے اور تیرا ذکر میرے منہ میں ہے۔
اور تیرا ٹھکانا میرے دل میں ہے سو تو کہاں غائب ہوگا؟“

اِنِّیْ جَعَلْتُکَ فِی الْفُؤَادِ اَنِیْسِیْ
وَاَبَحْتُ جِسْمِیْ لِمَنْ یَّکُوْنُ جَلِیْسِیْ
فَالْجِسْمُ مِنِّیْ لِلْجَلِیْسِ مُؤَانِسٌ
وَحَبِیْبُ قَلْبِیْ فِی الْفُؤَادِ اَنِیْسِیْ

”میرے محبوب! میں نے تجھے اپنے دل میں اپنا انیس بنا لیا ہے،
اور میں نے اپنے ہم مجلس کے لئے صرف اپنا جسم چھوڑا ہوا ہے۔
چنانچہ میرا جسم تو میرے ہم مجلس کے لئے باعثِ اُنس ہے،

اور میرے دل کا محبوب میرے دل میں میرا انیس ہے۔"

عشق کو دُھن ہے کہ چل کر اُس کو ڈھونڈ
لوگ کہتے ہیں کہ سودا ہو گیا
آپ کی دُھن ہے کہ سودا ہو گیا
ہائے کیا جانے مجھے کیا ہو گیا

منعم کنی زعشقِ وے اے مفتیِ زمن
معذور دارمت کہ تو اورا ندیدہٗ

"اے مفتیِ زماں! تو مجھے اُس کے عشق سے منع کرتا ہے میں تجھے معذور سمجھتا ہوں، اس لئے کہ تو نے اُسے دیکھا ہی نہیں۔"

چون دل بمہرِ نگارے نہ بستۂ اے ماہ
ترا ز سوزِ درون و نیازِ ما چہ خبر؟

"جب تو نے کسی محبوب سے دل لگایا ہی نہیں، تو تجھے ہمارے دل کے سوز و گداز کی کیا خبر؟"

ما مقیمانِ کوئے دلداریم
رُخ بدنیائے دون نمی آریم

"ہم دلدار کی گلی میں رہنے والے ہیں، ہم ذلیل دنیا کی طرف توجہ نہیں کرتے۔"

تو بچشمانِ دل مبین جز دُوست
ہر چہ بینی بدانکہ مظہرِ اوست

"تو دل کی آنکھوں سے سوائے دوست کے کچھ نہ دیکھ۔ جو چیز بھی نظر آئے بس یوں سمجھ کہ یہ اسی دوست کا مظہر ہے۔"

همه شهر پُر ز خوبان منم و خیالِ ماهے
چه کنم که چشم یک بین نکند بکس نگاهے

"پورا شہر حسینوں سے بھرا پڑا ہے، مگر میں تو اپنے محبوب ہی کے خیال میں مست ہوں۔
کیا کروں کہ محض ایک محبوب کو دیکھنے والی آنکھ کسی غیر کی طرف ایک نگاہ کرنا بھی گوارا نہیں کرتی۔"

ما در پیالہ عکسِ رُخِ یار دیدہ ایم
اے بے خبر ز لذّتِ شربِ دَوامِ ما

"اے ہمارے ہر وقت پیتے رہنے کی لذّت سے بے خبر!
ہم پیالہ میں رخِ یار کا عکس دیکھ رہے ہیں۔"

ساقیا برخیز در دہ جام را
خاک بر سر کن غمِ ایام را

"اے ساقی! اٹھ، شرابِ محبت کا پیالہ دے،
دنیا بھر کے غموں کے سر پر خاک ڈال۔"

زہد زاہد را و دین دیندار را
ذرّۂ دردت دلِ عطار را

"زاہد کو زہد مبارک ہو اور دیندار کو دین۔ دلِ عطار کو تو تیرے درد کا ذرّہ چاہیے۔"

حقّا کہ درجانِ فگار و چشمِ بیدارم توئی
ہرچہ پیدا می شود از دور پندارم توئی

"یقیناً میری زخمی جان اور میری بیدار آنکھ میں تو ہی ہے،

دور سے جو کچھ بھی ظاہر ہوتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ بس تو ہی ہے۔"

سر جدا کرد از تنم یارے کہ باما یار بود
قصہ کوتہ کرد ورنہ دردِ سر بسیار بود

"میرے اس یار نے جو ہمیشہ سے میرا یار ہے میرے بدن سے میرا سر جدا کر دیا ہے۔ اس نے قصہ مختصر کر دیا ورنہ دردِ سر بہت تھا۔"

سِهْرُ الْعُيُوْنِ لِغَيْرِ وَجْهِكَ ضَائِعٌ
وَبُكَاؤُهُنَّ لِغَيْرِ فَقْدِكَ بَاطِلٌ

"تیرے چہرہ کے سوا کسی دوسرے عارضہ سے آنکھوں کا جاگنا ضائع ہے۔ اور تیرے فراق کے سوا کسی اور وجہ سے آنکھوں کا رونا باطل ہے۔"

بے حجابانہ درا از درِ کاشانۂ ما
کہ کسے نیست بجز دردِ تو در خانۂ ما

"اے محبوب! ہمارے گھر کے دروازہ سے بے حجابانہ اندر آجا، اس لئے کہ تیرے درد کے سوا ہمارے گھر میں اور کوئی نہیں۔"

نہ کبھی تھے بادہ پرست ہم نہ ہمیں یہ شوقِ شراب ہے
لبِ یار چوسے تھے خواب میں وہی ذوقِ مستیِ خواب ہے

یہ دیکھ لو ہیں بڑھاپے میں مستیاں میری
وہ پیر ہوں کہ مقابل کوئی جواں نہ ہوا

بڑھاپے میں بھی اے مخمور یہ جولانیاں تیری
اجل بھی ہنس رہی ہے واہ کیا پیرانہ مستی ہے

عجب ہے شان میری جس نے دیکھا مجھ کو کیا دیکھا
لباسِ زُہد میں گویا مجسّم مستیاں دیکھیں

کسی میں زیرِ گردوں ہم نے اس پیرانہ سالی میں
نہ ایسی مستیاں دیکھیں نہ ایسی شوخیاں دیکھیں

پیری میں بھی وہ شان ہے مستِ شراب کی
جیسے ہو بانکپن کسی مستِ شباب میں

یہ مخمور پیری میں بھی جوشِ مستی
نئے سر سے پھر کیا شباب آ رہا ہے

فصلِ گل میں سب تو خنداں ہیں مگر گریاں ہوں میں
جب چمک جاتی ہے بجلی یاد آ جاتا ہے دل
کچھ نہ ہم کو علم رستے کا نہ منزل کی خبر
جا رہے ہیں بس جدھر ہم کو لئے جاتا ہے دل
لاکھ کر لیتا ہوں عہد اس کو نہ دیکھوں گا کبھی
کچھ نہیں چلتی ہے اپنی جب مچل جاتا ہے دل
پھیر لیتا ہوں نگاہیں روک لیتا ہوں خیال
اور یہاں اتنے میں ہاتھوں سے نکل جاتا ہے دل

سمجھ کر اے خرد اس دل کو پابندِ علائق کر
یہ دیوانہ اڑا دیتا ہے ہر زنجیر کے ٹکڑے

خدا شاہد ہے سچ کہتا ہوں میں دن رات روتا ہوں
مگر نم ہیں نہ یہ آنکھیں نہ تر ہے آستیں میری
کسی کی یاد ہی سے اب تو میرا جی بہلتا ہے
اسی سے اب تو باقی ہے سکونِ جانِ حزیں میری

انہی کا اب تو نقشہ جم گیا ہے میری آنکھوں میں
انہی کو تک رہا ہوں میں نگاہیں ہوں کہیں میری
خدارا یوں نہ آ! بالوں کو کھولے جھومتا ساقی
ارے نیت نہ ڈانواں ڈول ہو جائے کہیں میری
میں گو کہنے کو اے مجذوبؔ اس دنیا میں ہوں لیکن
جہاں رہتا ہوں میں وہ اور ہی ہے سرزمیں میری

جو تیری یاد فرقت میں مری دم ساز بن جائے
تو میرے دل کی ہر دھڑکن تری آواز بن جائے
اگر سینے سے نکلے ساتھ لے کر دل کی آہوں کو
مری آواز پھر تو صور کی آواز بن جائے
کبھی میں تجھ کو چھیڑوں اور کبھی تو مجھ کو چھیڑے اے دل
کبھی میں ساز بن جاؤں کبھی تو ساز بن جائے

مجذوب کی اس شکلِ مقدس پہ نہ جانا
دنیا میں کوئی اس سا نظر باز نہیں ہے

حضرتِ والا اس شعر میں تصرّف کر کے یوں پڑھتے ہیں ؎

ہرگز مری اس شکلِ مقدس پہ نہ جانا
دنیا میں کوئی مجھ سا نظر باز نہیں ہے

کوئی نہیں جو یار کی لا دے خبر مجھے
اے سیلِ اشک تو ہی بہا دے اُدھر مجھے

بس ایک بجلی سی پہلے کوندی پھر آگے کوئی خبر نہیں ہے
مگر جو پہلو کو دیکھتا ہوں تو دل نہیں ہے جگر نہیں ہے

دکھاتے پھرتے ہیں جلوہ بہت شمس و قمر اپنا
ذرا ہاں کھول دے مجذوبؔ دل اپنا جگر اپنا
چلے جاتے ہیں وہ تو پھینک کر تیرِ نظر اپنا
کھڑا رہتا ہوں میں تھامے ہوئے پہروں جگر اپنا
کھڑے ہیں دیر سے جو تشنہ لب جامِ شہادت کے
اِدھر بھی پھینکتے جاؤ کوئی تیرِ نظر اپنا
میں یہ دو ہاتھ لے کر اس لئے دنیا میں آیا ہوں
پھروں تھامے ہوئے دن رات دل اپنا جگر اپنا
یہ درد اے بدگماں کچھ دیکھنے کی چیز گر ہوتی
میں رکھ دیتا ترے آگے کلیجہ چیر کر اپنا

شہِ بے خودی نے عطا کیا مجھے اب لباسِ برہنگی
نہ خرد کی بخیہ گری رہی نہ جنوں کی پردہ دری رہی
چلی سمتِ غیب سے اک ہوا کہ چمن سُرور کا جل گیا
مگر ایک شاخِ نہالِ غم جسے دل کہیں سو ہری رہی
وہ عجب گھڑی تھی کہ جس گھڑی لیا درس نسخۂ عشق کا
کہ کتاب عقل کی طاق پر جو دھری تھی سو وہ دھری رہی

حضرت اقدس ایک رمضان المبارک خلوت میں گزارنے ایک گاؤں میں تشریف لے گئے، ابتداءِ رمضان ہی سے وہاں مسجد میں اعتکاف بیٹھ گئے، چونکہ

۲۰ ر رمضان تک نفل اعتکاف تھا اس لئے ان ایام میں روزانہ نمازِ عصر کے بعد مغرب تک قریب ہی ایک باغ میں تشریف لے جاتے، کسی درخت یا پودے کے پاس بیٹھ جاتے، کسی پتے یا کسی پھول کی پتی پر نظر جما کر مغرب تک اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت و عجائبِ قدرت کے مراقبہ میں مستغرق رہتے، حالتِ مراقبہ میں یہ اشعار پڑھتے ؎

برگِ درختانِ سبز درنظرِ ہوشیار
ہر برگے دفتریست زمعرفتِ کردگار

”عارف کی نظر میں سبز درختوں کا ہر ہر پتا معرفتِ الٰہیہ کا بہت بڑا دفتر ہے“

گلستاں میں جاکر ہر اک گل کو دیکھا
تری ہی سی رنگت تری ہی سی بو ہے

حضرتِ والا کسی زمانہ میں ہر وقت دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی انگوٹھے کے پیٹ اور ناخن پر چلاتے رہتے تھے۔ ایک بے تکلف خادم کے دریافت کرنے پر یہ راز منکشف ہوا کہ اللہ لکھتے ہیں، اور تحریر کی ایک مخصوص وضع ہے۔

مجنوں جنگل میں تنہا بیٹھا انگلی سے ریت پر لیلیٰ کا نام لکھ لکھ کر دل کو تسلی دیا کرتا تھا ؎

دید مجنوں را یکے صحرا نورد
در بیابانِ غمش بنشستہ فرد
ریگ کاغذ بود و انگشتان قلم
می نمودے بہرِ کس نامہ رقم
گفت اے مجنونِ شیدا چیست این
مے نویسی نامہ بہرِ کیست این

گفت مشقِ نامِ لیلیٰ می کنم
خاطرِ خود را تسلّی مے دہم

"ایک صحرا نورد نے مجنوں کو دیکھا کہ اپنے غم کے بیابان میں تنہا بیٹھا ریت کو کاغذ اور انگلیوں کو قلم بنائے کسی کو خط لکھ رہا ہے۔

اُس نے کہا: اے مجنونِ شیدا! یہ کیا ہے؟ یہ خط کسے لکھ رہے ہو؟

اُس نے کہا: میں لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں، اس طرح اپنے دل کو تسلّی دے رہا ہوں۔"

مجنوں کو تو لیلیٰ کا نام لکھنے کی مشق اور اس سے دل کو تسلّی دینے کے لئے ریت کی ضرورت تھی مگر حضرتِ اقدس دامت برکاتہم کو تسلّیِ خاطر کی غرض سے مولیٰ کا نام لکھنے کی مشق کے لئے ریت کی ضرورت نہیں، بلکہ شہادت کی انگلی کو قلم اور انگوٹھے کو کاغذ بنائے ہمہ وقت مشقِ نامِ مولیٰ میں مست رہتے ہیں۔

حضرتِ والا کی نشست کے سامنے دیوار کے ساتھ اللّٰہ کا بہت خوبصورت طغریٰ لگا ہوا ہے، فنِ خطاطی میں کمال کے ساتھ مختلف اَلوان کے ذریعہ انوار و تجلّیات کا عجیب دلکش منظر جو آنکھوں اور دل و دماغ کو تازگی بخشتا ہے۔

حضرتِ والا نے ایک دفعہ اس سے متعلق اپنا ایک راز اپنے خادمِ خاص پر یوں منکشف فرمایا:

"میں ایک عرصہ تک اس کا مراقبہ کرتا رہا ہوں، سامنے بیٹھ کر اس کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جاتا، اس پر نظر جما کر خوب غور سے بہت دیر تک دیکھتا رہتا، اس کے نقوش اور انوار و تجلّیات کو بذریعۂ نظر دل پر منقش کرتا، حتیٰ کہ چند دنوں ہی میں یہ پورا منظر دل پر ایسا منقش ہو گیا کہ

سامنے سے اٹھ جانے کے بعد غائبانہ بھی ہر وقت دل پر نظر آنے لگا ؎

جو میں دن رات یوں گردن جھکائے بیٹھا رہتا ہوں
تری تصویر سی دل میں کھنچی معلوم ہوتی ہے

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی۔"

عشقِ مولیٰ کے ان کرشموں کی بدولت اللہ تعالیٰ نے حضرتِ والا پر یہ خاص کرم فرمایا کہ ایک بار حالتِ مراقبہ میں اپنے اسمِ اعظم کا نقشِ مثلث آپ کے قلبِ مبارک میں القاء فرمایا، کچھ عرصہ یہ نقش ہر وقت قلب پر رکھنے کا معمول رہا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس نقش کا عطیہ صرف حضرتِ والا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت ہے یہ کسی دوسرے بزرگ سے نہ کسی کتاب میں منقول ہے اور نہ سینہ بسینہ۔

عشقِ مولیٰ میں حضرتِ والا کے ان مراقبات اور ان پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایات کا آپ پر ایک بہت گہرا اثر جس کا ہر پاس بیٹھنے والا ہر وقت مشاہدہ کرتا ہے یہ ہے کہ حضرتِ اقدس کی زبانِ مبارک سے ہر تھوڑی دیر کے بعد بے ساختہ بلند آواز سے "اللہ" کی پُر درد "آہ" نکلتی ہے۔

ایک بار آپ کے ایک بے تکلف خادم نے پوچھا کہ "اللہ" کے ساتھ ملی ہوئی یہ "آہ" کتنی دیر کے بعد نکلتی ہے؟ اس وقت آپ نے لاعلمی کا اظہار فرمایا، پھر دوسرے دن فرمایا:

> "مجھے تو اب تک یہ بھی علم نہیں تھا کہ میری زبان پر اس طرح بلند آواز سے "اللہ" جاری ہوتا رہتا ہے، اب آپ کے دریافت کرنے پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ ہر تھوڑی دیر بعد میرے سینہ میں گھٹن اور سانس میں تنگی محسوس ہوتی ہے اس وقت "اللہ" کے ساتھ "آہ" نکلتی ہے تب

سانس کی رُکاوٹ ختم ہوتی ہے۔"

حضرت والا اپنے اس حال کے مطابق اکثر یہ شعر پڑھتے ہیں ؎

دَم رُکا سمجھو اگر دَم بھر بھی یہ سلسلہ رُکا
میرا دورِ زندگی ہے یہ جو دَورِ جام ہے

حضرتِ اقدس کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ حال عطاء فرمائیں ،

ان "آہوں" کے کیا کرشمے ہیں ؟ اس بارہ میں بھی متعدد اشعار آپ کی زبانِ مبارک سے سنے جاتے ہیں، جو شوقِ اہلِ درد کے پیشِ نظر درج کئے جاتے ہیں، ان میں سے پہلا شعر خود حضرتِ والا کا اپنا ہے ؎

★ یہ کیا تجھ سے زاہد! کہوں ماجرا میں
ان آہوں میں پاتا ہوں وہ دلرُبا میں

★ پھونک دی اک رُوحِ نو مجھ میں مری ہر آہ نے
دَردِ دل نے میری رگ رگ کو رگِ جاں کر دیا

★ مری محفل میں جو بیٹھا اٹھا آتش بجاں ہو کر
دلوں میں آگ بھر دیتی ہے آہِ آتشیں میری

★ جس قلب کی آہوں نے دل پھونک دیئے لاکھوں
اس قلب میں یا اللہ! کیا آگ بھری ہوگی

★ اگر سینہ سے نکلے ساتھ لے کر دل کی آہوں کو
مری آواز پھر تو صور کی آواز بن جائے

★ حسرتِ دیدار میں کچھ اس غضب کی آہ کی
دل پہ گر پڑنے کو مضطر آج برقِ طور ہے

★ صورتِ انجم ہیں میری آہ کی چنگاریاں
اور مرا دودِ فغاں ہے آسمانِ دردِ دل

★ اب تو اے ضبط یہ آہیں نہیں سانسیں ہیں گی
روک لوں ان کو تو جینا مجھے مشکل ہو جائے

عنوان ”سادگی“ کے آخر میں اور عنوان ”شہرت سے اجتناب“ کے آخر میں بھی داستانِ دردِ دل ملاحظہ ہو۔

یہ بطورِ نمونہ ان اشعار میں سے چند ہیں جو وقتاً فوقتاً آپ کی زبانِ مُبارک سے سُنے جارہے ہیں۔ آپ کے خزینۂ سینہ کا کچھ اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک بار مکۂ مکرّمہ میں ایک شخص نے اپنا ٹیپ ریکارڈر آپ کی خدمت میں پیش کرکے درخواست کی کہ اس میں عشق و محبت کے اشعار بھر دیں۔ بعد میں لوگ یہ کیسٹ سُن کر حیران رہ گئے کہ آپ نے پَون گھنٹہ مسلسل روانی کے ساتھ عربی، فارسی اور اُردو کے عشقیہ اشعار پڑھے ہیں۔

ہم اشعار سے متعلق مضمون میں کہیں حضرتِ اقدس کا یہ ارشاد نقل کرچکے ہیں:

”مجھے اشعار سے طبعاً مناسبت نہیں۔“

علاوہ ازیں مشاغلِ علمیہ و عملیہ میں شب و روز انہماک بدرجۂ استغراق، معمولاتِ متعدیہ و ذاتیہ میں ہمہ وقت مشغول اور ضرب المثل زندگی میں جس کا ایک ایک منٹ بھی تولا جاتا ہے شعر و شاعری کی طرف توجہ کی فرصت کہاں

اس کے باوجود آپ کے سینۂ مبارک میں اشعارِ عشقیہ کا اتنا بڑا خزینہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللَّهِ
أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (۱۳-۲۸)

شعبۂ اصلاح

مکۂ مکرمہ سے ایک استرشاد بصورتِ نظم آیا، اس لئے حضرتِ اقدس نے ارشاد بھی منظوم تحریر فرمایا۔ استرشاد وارشاد دونوں درج ذیل ہیں۔

استرشاد:

لطائف مشائخ کے رہتے ہیں جاری
مگر بندہ اب تک ہے کیوں اس سے عاری؟
نہ کیوں رُوحِ اخلاق ان ہی سے سیکھیں
کہ اخلاق بندہ کے ہیں سب تجاری
نہ ہو کچھ بھی حاصل یہ بندہ کو بس ہے
کہ مالک کا تا زندگی ہو پُجاری
رہے ان کی جانب توجّہ ہماری
کٹے اس طریقہ سے پھر عمر ساری

ستاتا ہے بندہ کو اے مُدّعی کیوں؟
رہے گا ہمیشہ یہ اُن کا بھکاری
کریں حضرتِ شیخ جو اس کی اصلاح
جزا اس کی اللہ دے اُن کو بھاری
سلامت رہے ان کا سایہ سروں پر
جدائی نہ ان سے کبھی ہو ہماری

ارشاد

رہے ذکر جاری، رہے فکر ساری
نہ چھوٹے یہ جب تک کہ ہے سانس جاری
لگا رہ اسی میں کہ ہے اختیاری
یہی تیغ ہے سب حجابوں پہ بھاری
نہ چھوٹے کبھی ہاتھ سے یہ کٹاری
یہ شمشیرِ بُرّاں ہے وہ بھی دو دھاری
یہ نفس اور شیطاں کی رگ پر ہے آری
لگاتی ہے دونوں پہ یہ ضربِ کاری
جہاں ذکر، بس سانپ اندر پٹاری
تماشا دکھا کر وہ بھاگا مداری
کٹیں گی اسی سے رگیں باری باری
نہ ہوگی سوا اس کے مطلب برآری
نہ ہرگز کبھی تجھ پہ غفلت ہو طاری
وگرنہ رہے گا تو عاری کا عاری

ہوا اس سے غافل تو اے دل سمجھ لے
ہے دنیا میں ذلّت تو عقبیٰ میں خواری
جو تو باغِ دل کے مزے چاہتا ہے
ہے مُردہ دلوں کی یہی آبیاری
دل وجاں کی لذّت، دہن کی حلاوت
اسی سے گلستاں ہے دل کی یہ کیاری
مِرے دل کی فرحت، مِری جاں کی راحت
یہ شیر وشکر ہیں مِرے تن میں ساری
تِری باتیں پیارے! ہیں کیسی یہ پیاری
دلاری ہیں پیاری، یہ پیاری دلاری
کہیں کا نہ چھوڑا ہوئی جب سے اُلفت
تمھاری[1] ہماری، ہماری تمھاری
محبّت یہ کیا ہے؟ بڑھی آہ وزاری
بڑی بے قراری، بڑی بے قراری
دل وچشم دونوں میں طوفاں بپا ہے
اِدھر شعلہ باری، اُدھر لالہ[2] زاری
نہ جانے یہ کیا کر دیا تو نے جاناں؟
تِرے ہی کرم پر ہے اب جاں ہماری
لگا تِیر دل میں ہوئے نیم بسمل
نہ ہے دل سپاری نہ ہے جاں نثاری

---

[1]، [2] آخر میں ملاحظہ فرمائیں ۱۲

تری زلفِ[۳] پیچاں میں ہوں یوں پریشاں
ابھی خندہ زن ہوں ابھی گریہ طاری
تصوّر میں تیرے میں سب کھو چکا ہوں
یونہی دن بھی گزرا یونہی شب گزاری
تری یاد نے مجھ کو ایسا ستایا
اسی میں تڑپتے کٹی عمر ساری
کبھی تو کٹے گی جُدائی کی ساعت
کبھی رحم لائے گی یہ اشکباری
کبھی تو کرے گی تجھے مجھ پہ مائل
مری دل گدازی، مری جاں فگاری
نہیں، بلکہ یہ بھی تری ہی عطا ہے
خوشا درد از تو کہ تیمار داری
یہ کیا تجھ سے زاھد! کہوں ماجرا[۴] میں
اِن آہوں میں پاتا ہوں وہ دلربا میں

یہ اشعار وجدان کے سانچے میں ڈھلے ڈھلائے نکلے ہیں، ہر لفظ اور اس کا محلِ وقوع قلب کی ایک خاص کیفیت کا ترجمان ہے، کسی لفظ کی تبدیل یا تقدیم و تأخیر سے مقصد فوت ہو جاتا ہے، کیفیّتِ وارِدہ کی صحیح ترجمانی نہیں ہو پاتی۔ اشعار کی ترتیب بھی مقاماتِ سلوک کے تحت وجدانی ہے، شاعروں کی نکتہ سنجیاں وارداتِ قلبیہ کے اِدراک سے قاصر ہیں۔

---

[۳] و [۴] آئندہ صفحہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو شوقِ وطن، اپنی محبت اور اپنے دیدار کی تڑپ سے نوازیں۔ آمین

رشید احمد
غرّۂ ربیع الاوّل ۱۴۰۵ھ

یہ ”نسخۂ اصلاح“ مع تشریح مستقل کتابچہ کی صورت میں شائع ہو چکا ہے، یہاں حاشیہ میں صرف چند نکات درج کئے گئے ہیں، یہ نکات اور مستقل کتابچہ میں مندرج پوری تشریح حضرتِ والا کے اپنے قلمِ مبارک سے ہے۔

حواشی متعلقہ صفحاتِ گزشتہ:

۱؎ ”تمہاری“ اوّل و آخر میں اور ”ہماری“ درمیان میں لانے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ محبت کا مبدا و منتہیٰ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو محبوبِ حقیقی ہے ۱۲

۲؎ اس میں یہ نکات ہیں:

① آنسوؤں میں گلِ لالہ جیسا سُرخ خون۔
② داغِ فراق۔
③ مزاج گرم تر، جو مزاجِ عاشق ہے۔
④ گلِ لالہ (پلسٹلا) کے مریض کی خاص علامت بہت زیادہ رونا۔
⑤ ہنسنے اور رونے کا جلد جلد توارد، اس کا بیان آگے یوں آرہا ہے ”ابھی خندہ زن ہوں ابھی گریہ طاری۔
⑥ جسم کے مختلف حصوں میں جگہ بدلنے والے درد، جیسا کہ آگے آرہا ہے: خوشا درد الخ ۱۲

۳؎ اس شعر میں رموزِ طریقت ہیں، اس کی حقیقت صرف اہلِ معرفت ہی سمجھ سکتے ہیں اور اس کی لذت سے صرف وہی آشنا ہوتا ہے جسے یہ مقام حاصل ہو ۱۲

۴؎ ”ماجری“ کے لغوی معنی کے استحضار سے لطف دوبالا ہو جاتا ہے ۱۲

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا ۝ (۱۹-۹۶)

ان اللہ اذا احب عبدا دعا جبرئیل علیہ السلام فقال انی احب فلانا فاحبہ قال
فیحبہ جبرئیل ثم ینادی فی السماء فیقول ان اللہ یحب فلانا فاحبوہ فیحبہ اہل السماء
ثم یوضع لہ القبول فی الارض۔ (صحیح مسلم)

دوست دشمن سب ترے مجذوبؔ قائل ہیں مگر
کوئی قائل ہے زباں سے کوئی قائل دل میں ہے

شہاداتِ اکابر

بعض لوگ اپنی بے دینی پر پردہ ڈالنے کے لئے حضرتِ والا کی دین پر استقامت، حق گوئی، ردِّ منکرات ونہی عن المنکر سے تنگ آکر یہ پروپیگنڈا کرتے ہیں:

" اکابر حضرتِ والا کے خلاف تھے۔ "

زیرِ نظر مضمون میں اکابرِ علماء ومشائخِ دیوبند کے حضرتِ اقدس کے بارے میں ارشادات، بشارات وشہادات سے اس الزام کا صحیح طور سے جائزہ لیا گیا ہے۔

شہاداتِ اکابر

عنوان	صفحہ
والد ماجد حضرتِ اقدس مولانا محمد سلیم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ	۴۳۳
دادا جان حضرتِ اقدس مولانا محمد عظیم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ	۴۳۳
استاذ المعقولات حضرتِ اقدس مولانا ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ	۴۳۴
شیخ الادب حضرتِ اقدس مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ	۴۳۴
حضرتِ اقدس مدنی قدس سرہ	۴۳۴
حضرت نظام الدین الاولیاء رحمہ اللہ تعالیٰ	۴۳۵
سلطان العارفین حضرت پھولپوری قدس سرہ	۴۳۶
حضرتِ اقدس مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ	۴۳۶
حضرتِ اقدس مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ	۴۳۷
حضرتِ اقدس مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ	۴۳۷
حضرتِ اقدس مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ	۴۳۸
حضرتِ اقدس مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ	۴۴۲
حضرتِ اقدس مولانا فقیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ	۴۴۲
حضرتِ اقدس ڈاکٹر عبد الحی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ	۴۴۳
حضرتِ اقدس حاجی محمد شریف صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ	۴۴۷
حضرتِ اقدس مولانا ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم	۴۵۱
شیخ الحدیث حضرتِ اقدس مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ	۴۵۵
شیخ القراء حضرت قاری فتح محمد صاحب مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ	۴۵۵
استدراک	۴۶۰
دار الافتاء والارشاد کی اہمیت اکابر کی نظر میں	۴۶۱

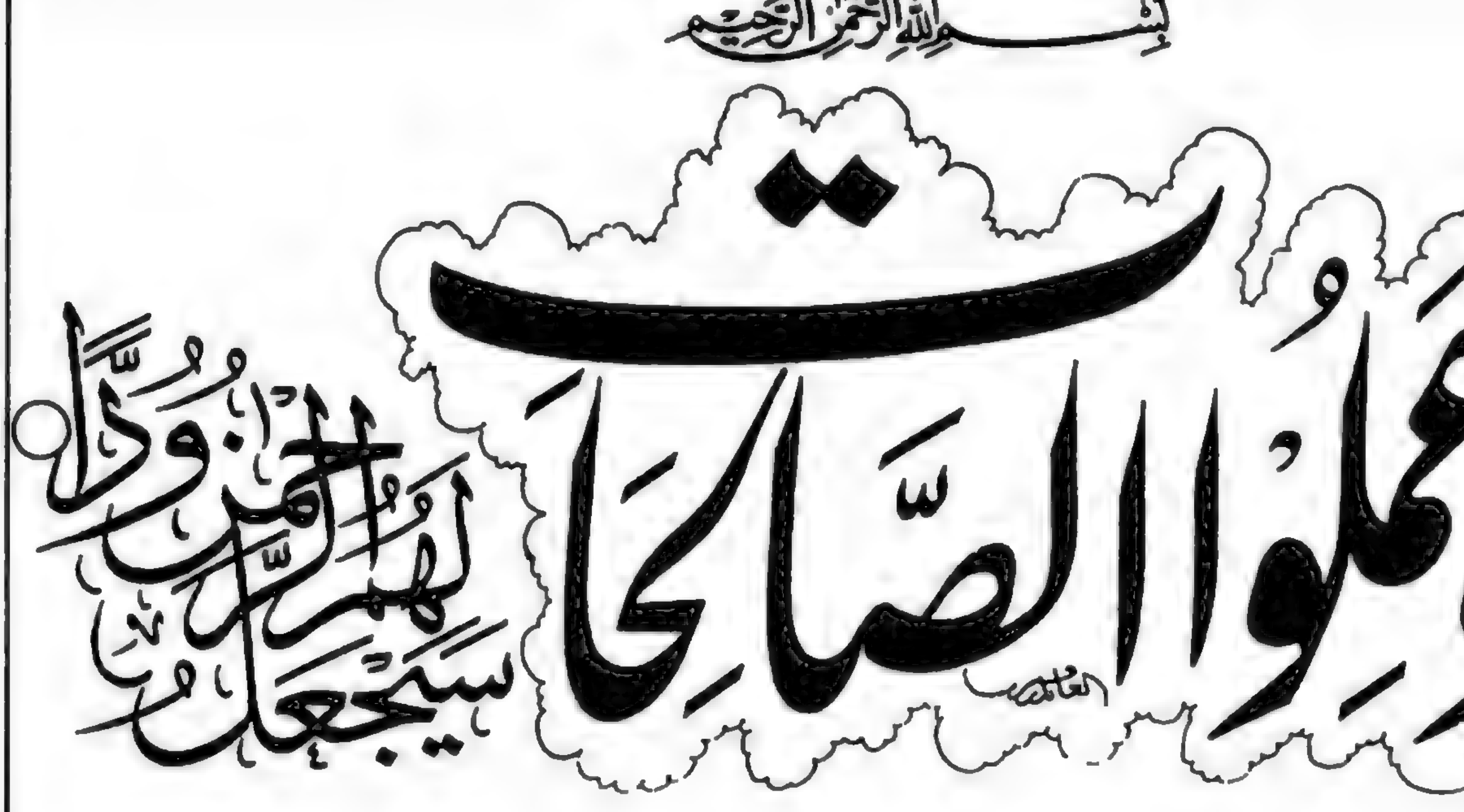
بسم الله الرحمن الرحيم
إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات سيجعل لهم الرحمن ودا

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اللہ تعالیٰ اُن کے لئے محبت پیدا کر دے گا (مریم: ۹۶)

شہادات اکابر

والدِ ماجد حضرتِ اقدس مولانا محمد سلیم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ:

① حضرتِ والا کے والدِ ماجد رحمہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں:

عنوان ''کچھ ذاتی اور خاندانی حالات'' کے تحت ملاحظہ ہو۔

② والدِ ماجد کی دوسری شہادت: عنوان ''بشارت قبل الولادت'' ملاحظہ ہو۔

دادا جان حضرتِ اقدس مولانا محمد عظیم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ:

③ حضرتِ اقدس کے دادا حضرت مولانا محمد عظیم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بہت اونچے درجہ کے ولی اللہ تھے، کشف و کرامات میں بہت مشہور تھے، آپ نے اپنی مخصوص ہزار دانہ تسبیح جس پر آپ ذکر کرتے تھے اپنے فرزندِ ارجمند حضرت مولانا محمد سلیم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ (حضرتِ اقدس کے والدِ ماجد) کو تعلّق مع اللہ میں اعلیٰ مقام کی سند کے طور پر عنایت فرمائی تھی۔

حضرتِ اقدس کے والدِ ماجد نے محتاط اندازہ کے مطابق تقریباً ساٹھ برس تک اس تسبیح پر ذکر اللہ کی دل گداز ضربیں لگائیں۔ ضربیں بھی کیسی لگائیں؟ بس جسے عشق کی چوٹ لگی ہو وہی سمجھ سکتا ہے ؎

اے عشق مبارک تجھ کو ہو اب ہوش اُڑائے جاتے ہیں
جو ہوش کے پردے میں تھے نہاں وہ سامنے آئے جاتے ہیں
جب اس طرح چوٹ پہ چوٹ پڑے ویرانیِ دل کیونکر نہ بڑھے
اٹھ اٹھ کر پچھلی راتوں میں کچھ تیر لگائے جاتے ہیں

اس کے بعد آپ نے اپنے والد ماجد سے بطورِ سند ملی ہوئی یہ تسبیح اپنے عالی مقام صاحب زادہ ہمارے حضرت اقدس دامت برکاتہم کو تعلق مع اللہ کی خصوصی سند کے طور پر عنایت فرمائی۔

اُستاذِ معقولات حضرتِ اقدس مولانا ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ :

④ حضرتِ والا کے استاذِ معقولات حضرت مولانا ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی نگاہِ دُوربین نے حضرتِ والا کے زمانۂ طلبِ علم ہی میں بھانپ لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ مستقبل میں آپ کو علومِ ظاہرہ و فیوضِ باطنہ دونوں میں کمال کی دولت سے نوازیں گے، اس لئے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا:

"آپ اِن شاء اللہ تعالیٰ رشیدِ ثانی بنیں گے۔"

شیخ الادب حضرتِ اقدس مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ :

⑤ حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں:
عنوان "نوعمری ہی میں تعمقِ علم" کا نمبر ۳، اور عنوان "مولانا محمد اعزاز علی" ملاحظہ ہو۔

حضرتِ اقدس مدنی قدّس سرّہ :

⑥ حضرتِ والا کے شیخِ اوّل حضرت مدنی قدّس سرّہ کے قلبِ مبارک میں حضرتِ والا کا کیا مقام تھا؟ اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرتِ والا سے فرمایا تھا:

"حضرت مدنی سے بیعت کروانے کے لئے میں آپ کو ساتھ لے چلوں گا۔"

مگر ہمارے حضرتِ والا وقتِ متعیّن سے پہلے صرف زیارت کے لئے حضرت

مدنی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت مدنی نے آمد کا مقصد دریافت فرمایا تو حضرت والا نے قصدِ بیعت ظاہر کر دیا۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت بیعت فرمالیا، نہ تو پہلے سے کوئی جان پہچان اور نہ ہی اس وقت کچھ دریافت فرمایا بس ادھر قصدِ بیعت کا اظہار اُدھر فوراً بیعت۔ حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب نے جب یہ قصہ سنا تو آپ حیران رہ گئے۔ بیعت کے معاملہ میں ایسی خصوصیت کی کہیں مثال نہیں ملتی۔

حضرت نظام الدین الاولیاء رحمہ اللہ تعالیٰ:

⑦ حضرت نظام الدین والاولیاء رحمہ اللہ تعالیٰ سے حضرتِ والا کی مناسبت کا قصہ خود حضرتِ اقدس دامت برکاتہم نے یوں بیان فرمایا:

> ”دار العلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد جب کہ میری عمر اکیس برس تھی میں بستی نظام الدین سے ریلوے اسٹیشن کی طرف جارہا تھا، تقریباً دن کے دس گیارہ بجے کا وقت تھا اس زمانہ میں میری عادت ہوگئی تھی کہ کبھی کبھی زبان پر بلا اختیار یہ الفاظ ذرا بلند آواز سے جاری ہو جاتے تھے:
>
> ”اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا وَّالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا وَّسُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا۔“
>
> اس عادت کے مطابق وہاں راستہ میں بھی یہی الفاظ ذرا بلند آواز سے میری زبان سے نکلے تو فوراً کسی نے بہت بلند آواز سے اور بہت ہی مستانہ لہجہ سے ذکر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ شروع کر دیا یہ سلسلہ تھوڑی دیر رہا پھر بند ہوگیا۔ وہاں سڑک پر ایک دروازہ بنا ہوا ہے

میں نے اس کے چاروں طرف چکر لگا کر خوب دیکھا کہ شاید یہ ذاکر صاحب یہاں کہیں ہوں، سڑک کی دونوں جانب بھی خوب اچھی طرح دیکھا مگر وہاں کوئی شخص نظر نہ آیا۔ مجھے خیال آیا کہ شاید کوئی جِنّ ہے۔

میں نے دیوبند پہنچنے کے بعد حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں یہ قصہ پیش کیا تو آپ نے فرمایا:

"وہاں حضرت نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کا مزار ہے، ان کی برکت سے وہاں کی فضا میں تجلّیاتِ الٰہیّہ ہیں، آپ کی زبان پر ذکر اللہ جاری ہوا تو اس فضا سے بھی ذکر اللہ کی آوازیں آنے لگیں۔"

پھر میں نے پورا قصّہ حضرت مدنی قدّس سرّہ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے بھی بعینہٖ یہی جواب دیا۔"

اس قصہ سے ثابت ہوا کہ صرف اکیس ہی سال کی عمر میں حضرتِ اقدس دامت برکاتہم کے قلبِ مبارک میں عشقِ الٰہی کی ایسی تجلّیات تھیں کہ جب آپ کی زبانِ مبارک سے ذکر اللہ نکلا تو اس میں آپ کے قلبِ مبارک کی تجلّیاتِ الٰہیّہ سے حضرت نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزار کی فضا ذکر اللہ سے گونج اٹھی۔

سُلطان العارفین حضرت پھولپوری قدّس سرّہٗ:

⑧ حضرتِ والا کے شیخ سلطان العارفین حضرت پھولپوری قدّس سرّہ کی نظر میں حضرتِ والا کا کیا مقام تھا؟ اس کا کچھ بیان عنوان "محبتِ شیخ" کے تحت گزر چکا ہے۔

حضرتِ اقدس مفتی محمد حسن صاحب قدّس سرّہٗ:

⑨ حضرت مفتی محمد حسن صاحب قدّس سرّہ سے بھی حضرتِ والا کا اصلاحی

تعلق رہا ہے آپ کے قلبِ مبارک میں حضرتِ والا کی کیا قدر تھی؟ اس کا کچھ بیان آپ کے حالات کے آخر میں گزر چکا ہے۔

حضرتِ اقدس مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ:

⑩ حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کے بھانجے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ آخر عمر میں اپنے متوسلین کو بغرضِ اصلاح ہمارے حضرت کی طرف رجوع کرنے کا حکم فرمایا کرتے تھے۔

حضرتِ اقدس مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ:

⑪ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ خلیفۂ مجاز حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ نے جب اپنے دار العلوم میں شیخ الحدیث وافتاء کا منصب سنبھالنے کے لئے حضرت والا کو خط لکھا تو اس میں یہ تحریر فرمایا:

> ”میں دار العلوم میں اپنی زندگی میں ایسے لوگ دیکھنا چاہتا ہوں جو اپنے مسلک میں پختہ ہوں۔“

⑫ حضرتِ والا نے جب دار العلوم چھوڑ کر ناظم آباد میں ”دار الافتاء والارشاد“ کی بنیاد رکھی تو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو دار العلوم سے حضرتِ والا کی علیحدگی طبعاً بہت ناگوار تھی اس کے باوجود آپ حضرتِ والا سے ملاقات کے لئے ”دار الافتاء والارشاد“ میں تشریف لاتے رہے۔

⑬ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک تحریر میں حضرتِ والا کو ”رشید ثانی“ کا لقب دیا ہے۔ یہ تحریر رسالہ ”رفع الحجاب عن حکم الغراب“ مندرجہ ”احسن الفتاویٰ“ جلد ۷ کتاب الصید والذبائح میں ہے۔

علومِ ظاہرہ وفیوضِ باطنہ دونوں میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کا اعلیٰ مقام کسی پر مخفی نہیں۔ ★ مزید (۵۴) میں ہے۔

حضرتِ اقدس مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ:

⑭ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ خلیفۂ مجاز حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ نے سلطان العارفین حضرت پھولپوری قدس سرہ کی طرف سے حضرتِ اقدس کو اجازتِ بیعت عطاء ہونے پر بہت مسرت کا اظہار فرمایا۔

⑮ ابتداءِ سلوک میں حضرتِ والا نے ایک رمضان المبارک بغرضِ تخلیہ کراچی ہی میں ایسی جگہ گزارا جس کا کسی کو علم نہ تھا، اپنے گھر میں بھی اس مقام کا پتا کسی کو نہیں بتایا، البتہ صرف ٹیلیفون نمبر دے دیا تھا کہ مبادا کوئی اشد ضرورت اچانک پیش آجائے تو اطلاع دی جاسکے۔ ان دنوں اچانک حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا فون آیا۔ معلوم ہوا کہ آپ جیکب لائن میں مولانا احتشام الحق صاحب کے ہاں قیام پذیر ہیں۔ حضرتِ والا نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کو میرا فون نمبر کیسے معلوم ہوا؟

مولانا نے فرمایا:

”تلاش کرنے والے کہاں چھوڑتے ہیں؟“

پھر فرمایا:

”میں آپ سے ملاقات کے لئے آنا چاہتا ہوں، آپ پہنچنے کا راستہ بتائیں۔“

حضرتِ والا نے عرض کیا کہ جب آپ نے تلاش کر ہی لیا ہے تو آپ زحمت نہ فرمائیں میں خود حاضرِ خدمت ہوجاتا ہوں۔ چنانچہ حضرت والا جیکب لائن

تشریف لے گئے۔ مولانا سے ملاقات ہوئی تو بہت مسرّت سے ہنستے ہوئے فرمایا:

”رات میں دو آدمی بہت کم سوتے ہیں، ایک نیا صوفی دوسرا
نئی شادی والا۔“

یہ حضرتِ والا کے اس حال کی طرف اشارہ تھا کہ سلوک میں داخل ہوتے ہی تخلیہ میں مجاہدہ کے لئے روپوش ہوگئے۔

⑯ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ جب بھی کراچی تشریف لاتے حضرتِ والا سے ملاقات کے لئے ”دار الافتاء والارشاد“ میں ضرور تشریف لاتے تھے۔

⑰ حضرتِ والا نے ایک بار حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں خط لکھا تو اس میں جواب کے لئے لفافہ بھی ساتھ رکھ دیا۔ مولانا نے اس خط کے جواب میں حضرتِ والا کے ساتھ خصوصی شفقت و محبّت کا تعلق ان الفاظ سے ظاہر فرمایا:

”آپ نے جواب کے لئے لفافہ بھیجنے کی زحمت کیوں فرمائی؟
یہ تو اجنبیت کی دلیل ہے۔“

⑱ ایک بار حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے ہمارے حضرت کی ملاقات ہوئی تو مولانا نے حضرتِ والا سے اپنا جذبۂ محبّت یوں ظاہر فرمایا:

”میرے پاس ڈاک کا بہت ہجوم رہتا ہے، جواب میں کئی کئی ہفتے لگ جاتے ہیں، مگر آپ کا خط پہنچتے ہی فوراً پہلی فرصت میں جواب لکھتا ہوں۔“

⑲ جس زمانہ میں حضرتِ والا دار العلوم کراچی میں شیخ الحدیث تھے، وہاں منجانب اللہ ایک بہت ہی عجیب لطیفۂ غیبیہ پیش آیا جو درجِ ذیل ہے:

”دار العلوم کے ایک استاذِ حدیث دار العلوم سے لانڈھی کالونی کی

طرف تشریف لے جارہے تھے، وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ سامنے سے حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ دار العلوم کی طرف تشریف لا رہے ہیں، آپ سے ملاقات ہوئی تو فرمایا:

> "میں مولانا رشید احمد صاحب سے ملنے آیا ہوں، مجھے دار العلوم میں اِن کے مکان کا پتا بتائیں۔"

انہوں نے پتا بتا دیا اور یہ ماجرا حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے ذکر کیا، آپ کو بھی بہت تعجب ہوا اور حضرتِ والا سے دریافت فرمایا تو حضرتِ والا نے بھی نہایت ہی حیرت کے ساتھ بالکل لاعلمی ظاہر فرمائی، سبھی حیرت میں ڈوب گئے کہ یہ کیا قصہ ہے؟

یہ قصہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی زندگی ہی میں پیش آیا، اس پر سب کی انتہائی حیرت کی وجوہ یہ تھیں۔

۱ــــ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ آپس میں پیر بھائی تھے، دونوں کے درمیان بہت پرانے تعلقات اور بہت گہرا دوستانہ تھا، اس لئے اگر حضرت مولانا کراچی تشریف لائے ہوتے تو وہ حضرت مفتی صاحب سے فون پر بات کرتے، اور حضرت مفتی صاحب خود انہیں اپنے ساتھ دار العلوم لاتے۔

۲ــــ اگر انہیں حضرتِ والا ہی سے کوئی ضروری کام تھا اور دار العلوم میں تشریف لانے کی فرصت نہیں تھی تو بذریعہ فون حضرتِ والا سے بات کرسکتے تھے، ملاقات ہی ضروری تھی تو حضرتِ والا کو اپنے پاس بلا سکتے تھے۔

۳ــــ کراچی میں مولانا کے شاگردوں، مریدوں اور عقیدتمندوں کی بہت بڑی تعداد ہے، جن میں بہت اونچے طبقہ کے مالدار لوگ بھی ہیں، مولانا نے نہ تو ان میں

سے کسی کی گاڑی لی اور نہ ہی ان میں سے کسی کو ساتھ لیا، بالکل تنہا ہی تشریف لائے۔

۴ــــ ٹیکسی بھی نہیں کی، بذریعہ بس لانڈھی کالونی پہنچے اور وہاں سے دارالعلوم کی طرف پیدل تشریف لا رہے ہیں، اس زمانہ میں دارالعلوم کے قریب بہت دور تک کوئی آبادی نہیں تھی، لانڈھی کالونی کے بس اسٹاپ سے آمد و رفت ہوتی تھی۔ وہاں سے دارالعلوم تک تقریباً دس کلومیٹر کا فاصلہ، پھر راستہ کیسا؟ کالونی کی آبادی کے اندر پیچیدہ سڑکیں، آبادی سے باہر نکل کر بنجر زمین میں سنسان کچا راستہ، کسی ناواقف کا اس راستہ سے منزلِ مقصود تک پہنچنا بہت مشکل، مولانا اس راستہ پر تنہا پیدل تشریف لا رہے تھے۔

۵ــــ مقصودِ سفر حضرتِ والا سے ملاقات، اس مقصد کے لئے دارالعلوم کے بہت قریب پہنچ چکے تھے، حضرتِ والا کے مکان کا پتا بھی دریافت فرما لیا تھا، پتا بھی اتنا آسان کہ کوئی معمولی سا اشارہ مل جانے کے بعد دوبارہ کسی سے دریافت کرنے کی کوئی حاجت پیش نہیں آسکتی تھی، اس کے باوجود حضرتِ والا کے مکان پر تشریف نہیں لائے۔

حضرتِ اقدس دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا:

> ”یہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب خود نہیں تھے بلکہ منجانب اللہ لطیفۂ غیبیہ کے طور پر مولانا کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا فرستادہ تھا، اس میں منجانب اللہ میرے لئے اور دارالعلوم کے لئے بہت بڑی مصلحت مضمر تھی۔“

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا حضرتِ والا کے ساتھ خاص قلبی تعلق اور گہرا روحانی رشتہ تھا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرتِ والا

سے متعلق ایک بہت اہم دینی خدمت انجام دینے کے لئے اپنا فرستادہ حضرت مولانا کی صورت میں بھیجا۔ ★ مزید (۵۵) اور (۵۶) میں ہے۔

حضرتِ اقدس مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ:

(۲۰) حضرت والا ایک بار مکہ مکرمہ میں وضو سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں تشریف لے گئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ کمرے میں حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب دامت برکاتہم خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ تشریف فرما ہیں اور کسی کام میں مشغول ہیں، آپ کی بزرگی، کبرسنی، ضعف اور مشغولی کی وجہ سے حضرتِ والا نے چاہا کہ آپ ملاقات کے لئے کھڑے ہونے کی زحمت نہ فرمائیں، اس لئے حضرتِ والا آپ کی بے خبری میں دبے پاؤں چپکے سے آپ کے قریب پہنچ کر بیٹھ گئے اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے، آپ نے دیکھا تو فرمایا:

> ”اس طرح نہیں ملیں گے۔“

کھڑے ہو گئے اور بہت مسرّت سے پرتپاک معانقہ فرمایا۔

حضرتِ اقدس مولانا فقیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ:

(۲۱) حضرت مولانا فقیر محمد صاحب دامت برکاتہم خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ اپنی مجالس میں حضرتِ والا کے بارہ میں بہت جوشِ مسرّت کے ساتھ یوں فرماتے رہتے ہیں:

> ”میں نے آپ کو مسجدِ حرام میں بیت اللہ کی طرف ایسی حالت میں متوجہ دیکھا کہ آپ پر عجیب جلال تھا اور نسبت مع اللہ کی ایسی ہیبت تھی کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ یہ حالت دیکھ کر مجھ پر ہیبت

چھا گئی۔ میں نے ہیبتِ حق اور محبّتِ الٰہیہ کا ایسا غلبہ کبھی کسی پر بھی نہیں دیکھا، مجھے اس وقت سے آپ کے ساتھ بہت زیادہ محبّت ہوگئی ہے۔"

(۲۲) حضرت مولانا فقیر محمد صاحب میں جب تک صحت وقوت بحال تھی حضرتِ والا سے ملاقات کے لئے خود "دارالافتاء والارشاد" میں تشریف لاتے تھے، ایک بار حضرتِ والا نے حاضری کی اجازت چاہی تو فرمایا:

"نہیں! میں خود آپ کے پاس آؤں گا۔"

(۲۳) حضرت مولانا فقیر محمد صاحب نے حضرتِ والا کا "نسخۂ اصلاح" بہت شوق سے سنا، خوب خوب داد دی، بہت دُعائیں دیں، بہت دیر تک دعاؤں سے نوازتے رہے اور مجلسِ عام میں بہت سراہا۔

حضرت اقدس ڈاکٹر عبدالحیّ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ:

(۲۴) حضرت ڈاکٹر عبدالحیّ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ خلیفۂ مجاز حضرت حکیم الامّۃ قدس سرہ بسا اوقات ہمارے حضرت سے ملاقات کے لئے براہِ شفقت ومحبّت از خود تشریف لایا کرتے تھے، اور ہمیشہ تشریف آوری کے وقت اور بوقتِ وداع معانقہ فرماتے تھے، معانقہ میں خوب دبا کر اپنے سینہ سے لگاتے اور دیر تک لگائے رکھتے۔

(۲۵) حضرت ڈاکٹر صاحب نے ایک بار حضرتِ والا سے معانقہ کے وقت دل کے ساتھ دل پیوست کرکے فرمایا:

"اپنے دل سے میرے دل میں کچھ منتقل کردیں۔"

(۲۶) ایک بار حضرتِ والا نے حضرت ڈاکٹر صاحب سے مصافحہ کرتے وقت ازراہِ محبّت آپ کے ہاتھ چوم لئے۔ آپ نے اس خیال سے کہ حضرتِ والا تو اپنے

ہاتھ چومنے نہیں دیں گے، اظہارِ محبت کی یہ تدبیر فرمائی کہ آپ کے ہاتھوں کو چومتے وقت جس مقام پر حضرتِ والا کے لب لگے تھے، آپ نے اسے چوما اور آنکھوں سے لگایا، پھر فرمایا:

> ”آپ کے لبوں سے میرے ہاتھ متبرک ہو گئے، اس لئے یہ اس قابل ہو گئے کہ میں انہیں چوموں اور آنکھوں سے لگاؤں۔“

㉗ حضرت ڈاکٹر صاحب نے اپنے پوتے کے ولیمہ میں حضرتِ والا کو بہت خصوصیت سے دعوت دی۔ حضرتِ والا تشریف لے گئے تو حضرت ڈاکٹر صاحب بہت ہی مسرور ہوئے اور بہت دیر تک کیفیتِ قلب کی ترجمانی مختلف الفاظ میں فرماتے رہے، بالخصوص یہ الفاظ بار بار دُہراتے رہے:

> ”آپ کی تشریف آوری سے بہت ہی مسرّت ہوئی، آپ نے بڑا کرم فرمایا، میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔“

㉘ حضرت ڈاکٹر صاحب نے ”نسخۂ اصلاح“ دیکھا تو اسے بہت دیر تک بہت غور سے بار بار پڑھتے رہے، مجلس میں دیر تک اس کی بہت تعریف کرتے رہے، خوب خوب داد دی اور خوب دُعائیں دیں، اور حضرتِ والا کی طرف لکھا:

> ”اس پر تحسین و اظہارِ مسرّت کا حق بدونِ ملاقات ادا نہیں ہو سکتا، اس لئے کبھی بالمشافہہ یہ حق ادا کرنے کی کوشش کروں گا۔“

پھر بوقتِ ملاقات بھی مجلس میں خوب داد دی، بہت دُعائیں دیں، بہت دیر تک تعریف کرتے رہے جس میں یہ جملے بھی تھے:

① مضمون میں آورد نہیں آمد ہے۔

② ماشاء اللہ! اس میں رموزِ طریقت ہیں۔

③ ماشاء اللہ! اس میں مقاماتِ سلوک سب آگئے ہیں۔

(۲۸) جب "نسخۂ اصلاح" کے اس جملہ پر پہنچے:

"شاعروں کی نکتہ سنجیاں وارداتِ قلبیّہ کے ادراک سے قاصر ہیں۔"

تو بہت خوش ہوئے اور خوب داد دی۔

(۲۹) "نسخۂ اصلاح" پر کسی نے کچھ اعتراضات لکھ کر حضرت ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں بھیجے، حضرت ڈاکٹر صاحب نے از راہِ محبّت و شفقت حضرتِ والا سے اس کا تذکرہ فرمایا تو حضرتِ والا نے آپ سے بذریعۂ خط اس بارہ میں آپ کی رائے معلوم کی، آپ نے ان لغو اور بیہودہ اعتراضات کا جو جواب تحریر فرمایا وہ بلفظہ درج کیا جاتا ہے، افادۂ عوام کے لئے فارسی اشعار کا ترجمہ بھی لکھ دیا ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب کا خط:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۳ر شوال سنہ ۰۵
۲ر جولائی سنہ ۸۵

مشفقی و محبی

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

؎ کفر ست در طریقتِ ما کینہ داشتن
آئینِ ماست سینہ چو آئینہ داشتن

"ہماری طریقت میں کسی سے کینہ رکھنا کفر ہے،
ہمارا دستور سینہ کو آئینہ کی طرح صاف رکھنا ہے۔"

دریائے فراواں نشود تیرہ بسنگ
عابد کہ برنجد تنک آب ست ہنوز

"بڑا دریا پتھر پھینکنے سے مکدر نہیں ہوتا، جو عابد

رنجیدہ ہو وہ ابھی تھوڑا سا پانی ہے۔"

با مدعی مگوئید اسرارِ جوش و مستی
بگذار تا بمیرد در رنجِ خود پرستی

"عشقِ الٰہی کے جوش و مستی کے اسرار جھوٹے مدّعی سے مت کہو، اسے چھوڑ دو تاکہ خود پرستی کے رنج میں مرتا رہے۔"

بیکار ہیں یہ قصّے کیوں ان کی طرف دیکھو
ان سب کی کیا حقیقت تم اپنی طرف دیکھو

میرا مذاق:

الحمدللہ! ایسے امور میں برارتِ نفس کے شائبہ سے احتراز کرتا ہوں'
الحمدللہ! لومۃِ لائم سے اثر نہیں لیتا، بلکہ سبق آموز سمجھتا ہوں۔

اور ؎

اغیار بدل طعنہ زن و دل بتو مشغول
خلقے پسِ دیوانہ و دیوانہ بکارے

"اغیار دل کو طعنہ دے رہے ہیں اور دل تیرے ساتھ مشغول ہے'
مخلوق کا انبوہ دیوانہ کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور دیوانہ کسی بہت بڑے کام میں مشغول ہے۔"

دعا گو احقر محمد عبدالحیؒ عفی عنہ

(۳۰) حضرت ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حضرتِ والا نے کتاب "انوار الرشید" (طبع اول) بطورِ ھدیہ پیش کی تو آپ نے اسے اپنے سر پر رکھا، سینہ سے لگایا اور بہت دیر تک اظہارِ مسرّت اور دُعاؤں سے نوازتے رہے۔

(۳۱) حضرت ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حضرتِ والا نے عرض کیا:

”مجھے اس نام (انوار الرشید) سے بہت شرم آتی ہے۔“

اس پر حضرت ڈاکٹر صاحب نے فرمایا:

”ایسا ہرگز نہ کہیں، اس نام سے شرم محسوس کرنا اور اس کا اظہار انعاماتِ ربّانیہ کی ناشکری ہے۔“

حضرتِ اقدس حاجی محمد شریف صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ:

﴿۳۲﴾ حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ خلیفۂ مجاز حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے وصال کے بعد مولانا کے صاحبزادہ مولانا محمد شریف صاحب اور دوسرے چند معزز حضرات کو ساتھ لے کر ہمارے حضرت کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

”ہم اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے وصال کے بعد ان کی جگہ پُر کرنے کے لئے علومِ ظاہرہ و باطنہ دونوں میں کامل اور اپنے مسلک میں مضبوط آپ کے سوا کوئی شخصیت نظر نہیں آتی، لہٰذا آپ براہِ کرم ملتان تشریف لے چلیں، خیر المدارس کے اہتمام اور شیخ الحدیث کا منصب سنبھالیں۔“

حضرتِ والا نے ”دارالافتاء والارشاد“ چھوڑ کر جانے سے معذرت کر دی۔

﴿۳۳﴾ حضرت حاجی صاحب نے کتاب ”انوار الرشید“ (طبع اوّل) کے بارہ میں فرمایا:

”انوار الرشید ہر وقت میرے سامنے رہتی ہے، میں نے اسے اوّل سے آخر تک لفظ بلفظ پڑھا ہے، ماشاء اللہ! سب انوار ہی انوار ہیں میں نے اس سے اپنی متعدد غلطیوں کی اصلاح کی ہے۔“

(۳۴) حضرت حاجی صاحب نے ایک مجلس میں حضرتِ والا کے بارہ میں فرمایا:

> ”میں نے چاروں طرف نظر دوڑا کر دیکھا حضرت حکیم الامۃ تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی محبت جو آپ کے دل میں ہے کہیں نظر نہیں آئی۔“

(۳۵) حضرت حاجی صاحب مسائلِ شرعیہ معلوم کرنے میں ہمیشہ حضرتِ والا ہی کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ خطوط میں حضرتِ والا کو اس قسم کے القاب اور دعاؤں سے نوازتے:

> مکرمی، محترمی، محسنی، سیدنا، مولانا، مدظلہ العالی، دامت برکاتہم۔

(۳۶) حضرت حاجی صاحب نے ایک خط میں تحریر فرمایا:

> ”بحمد اللہ میرا دل آپ کی محبت سے سرشار ہے، میں آپ ہی کے فتوی پر عمل کرتا ہوں، ورنہ مجھے تسلی نہیں ہوتی، میرے نزدیک حضرت حکیم الامۃ تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک پر آپ پورا عمل کرنے والے ہیں اور ان کی محبت سے آپ کا دل لبریز ہے۔“

(۳۷) حضرت حاجی صاحب نے احوالِ باطنہ سے متعلق چند اشکالات حضرتِ والا کی طرف لکھنے کے بعد تحریر فرمایا:

> ”ناراضی نہ فرمائیں حکمت ضرور ہوگی، سمجھنا چاہتا ہوں گستاخی کی معافی چاہتا ہوں، مقصود سمجھ کر میں اپنی اصلاح چاہتا ہوں، کہاں آپ کہاں یہ جاہل، یہ کیا جانے بزرگوں کی حکمتیں کیا ہوتی ہیں، مقصود سمجھنا ہے۔“

دعاء گو و دعاء جو
احقر محمد شریف عفی عنہ
نواں شہر ملتان

۳۸ حضرتِ والا نے ان اشکالات کا مفصّل جواب تحریر فرمایا، علاوہ ازیں مزید ایک مسئلۂ سلوک کی مدلّل و مبسوط تحقیق لکھ کر ارسال فرمائی۔ حضرت حاجی صاحب کی طرف سے اس کا جواب ملاحظہ ہو:

> ”والا نامہ ملا، حضرت! میں کیا میری بساط کیا، میری استعداد کیا، ایک بات دل میں آئی پوچھ لی، اپنی جرأت پر نادم ہوں، معاف فرمادیویں۔
> سب خدشات مرتفع ہوگئے، اگر آپ اجازت فرماویں سارے مضمون کی اشاعت ہوجاوے، تاکہ آیندہ کے لئے خدشات نہ رہیں، ورنہ ضرورت نہیں، جس طرح آپ فرماویں گے وہی مناسب ہے۔
> جوابی لفافہ بھیجنے کی ضرورت نہیں، یہ ناکارہ تو آپ کا خادم ہے، بدوں جوابی کارڈ یا لفافہ ان شاء اللہ جواب آئے گا۔
> اس وقت تبرک سمجھ کر آپ کا جوابی لفافہ استعمال کرلیا ہے۔“

دعا گو
ناکارہ محمد شریف عفی عنہ
۷۰۹، نواں شہر ملتان
۱۳ ذیقعدہ سنہ ۱۴۰۴ھ
۱۱ اگست سنہ ۱۹۸۴ء

۳۹ حضرتِ اقدس دامت برکاتہم ایک بار ملتان میں ایک مسجد میں نمازِ فجر کے بعد بیان فرما رہے تھے، اچانک حضرت حاجی صاحب وہاں تشریف لے آئے، سب لوگ بہت حیران، بیان کے بعد ملاقات ہوئی تو فرمایا:

”آپ کو لینے آیا ہوں، ناشتہ میرے ہاں کریں۔“

حضرتِ والا کے میزبان نے عرض کیا کہ ناشتہ تو ہمارے ہاں ہے، حضرت

بھی یہیں ہمارے پاس ناشتہ کریں۔

حضرت حاجی صاحب نے عجیب ناز کے انداز سے سر ہلا کر فرمایا:

”نہیں! لے کر جاؤں گا۔“

اب بھلا کسی کو دم مارنے کی کیا مجال تھی؟ حضرتِ والا کو ساتھ لے گئے اور سب لوگ دم بخود خاموش کھڑے بچشم حیرت دیکھتے رہ گئے۔

حضرتِ والا نے راستہ میں عرض کیا:

”اس وقت تو آیتِ کریمہ:

وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ط (۳۹-۷۳)

”اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے وہ گروہ گروہ کرکے جنت کی طرف ہانکے جائیں گے۔“

کا منظر سامنے ہے، متقین کو ملائکہ جنت کی طرف ایسی محبت اور ایسے شوق سے لے جائیں گے کہ بظاہر یوں دکھائی دے گا جیسے زبردستی ہانک کر لے جا رہے ہیں۔ بحمد اللہ تعالیٰ اس وقت مجھ سے آپ کی محبت وشفقت کا بھی بعینہٖ یہی معاملہ ہے، آپ مجھے محبت اور شوق سے یوں کھینچے لئے جا رہے ہیں گویا میرے وارنٹ لے کر آئے تھے اور گرفتار کرکے لے جا رہے ہیں۔“

حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصیت نامہ:

(۴۰) آپ نے ہمارے حضرتِ اقدس دامت برکاتہم کا مطبوعہ وصیت نامہ پڑھ کر اپنا وصیت نامہ لکھا اور اپنے وصیت نامہ کی تحریر میں حضرتِ والا دامت برکاتہم وعمت فیوضہم کے وصیت نامہ میں مندرجہ ہدایات کو پیشِ نظر رکھا۔

حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقام:

حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کے خلفاءِ مجازینِ بیعت میں بہت بلند مقام رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ سے امّت کو بہت فیض پہنچایا۔ آخر عمر میں بہت بڑے بڑے علماء نے آپ کی طرف رجوع کیا اور آپ سے باضابطہ اصلاحی تعلق قائم کیا، حتیٰ کہ حضرت مفتی محمد حسن قدس سرہ کے بعض مجازینِ بیعت علماء نے بھی حضرت مفتی صاحب کے وصال کے بعد آپ سے اصلاحی تعلق قائم کیا۔

حضرت اقدس مولانا ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم:

(۴۱) حضرت مولانا ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم خلیفۂ مجاز حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کا جبکہ حضرتِ والا سے کوئی تعارف نہیں تھا اور ابھی سلوک میں حضرتِ والا کا بالکل ابتدائی قدم تھا، اس زمانہ میں حضرتِ والا نے اپنے شیخ کی خدمت میں ہندوستان ایک خط لکھا۔ شیخ نے فرطِ مسرّت سے یہ خط مولانا کو بھی دکھایا۔ مولانا یہ خط پڑھ کر اس قدر متأثر ہوئے کہ حضرتِ والا سے اشتیاقِ ملاقات یوں ظاہر فرمایا:

"میں پاکستان گیا تو ان سے ضرور ملوں گا۔"

(۴۲) مولانا پاکستان میں جب بھی تشریف لاتے ہیں حضرتِ والا کے ہاں ضرور تشریف لاتے ہیں۔ ایک بار بہت سخت عذر کی وجہ سے تشریف نہیں لا سکے تو معذرت کا پیغام بھیجا۔

(۴۳) ایک بار موسمِ حج میں مکہ مکرمہ میں حضرتِ والا کے پاس حالتِ احرام ہی میں تشریف لائے اور فرمایا:

"میں نے جب سنا کہ آپ بھی تشریف لائے ہوئے ہیں تو یہ فیصلہ کیا کہ پہلے آپ سے ملوں عمرہ بعد میں کروں گا۔"

(۴۴) ایک بار کراچی ایئرپورٹ پر اُترتے ہی جبکہ ابھی اپنا سامان تلاش کرنے اور امیگریشن کی کارروائی سے بھی فارغ نہیں ہوئے، ایسی مشغولیت کے عالم ہی میں استقبال کے لئے آنے والوں سے سب سے پہلے حضرتِ والا کی خیریت دریافت فرمائی اور وہیں سے حضرتِ والا کے ہاں تشریف لانے کا وقت متعین فرما کر خدّام کو تاکید فرمادی کہ حضرتِ والا کو اطلاع کردیں۔

(۴۵) مولانا نے ایک بار حضرتِ والا کے بارہ میں فرمایا:

> "آپ کے تشریف لانے سے میرے دل کا دروازہ یوں کھل جاتا ہے جیسے بعض عالی شان عمارتوں میں لگا ہوا خودکار دروازہ، جو کسی کے قریب جانے سے ازخود کھل جاتا ہے۔"

(۴۶) مولانا فرماتے ہیں:

> "میں جب "دارالافتاء والارشاد" میں بیان کرتا ہوں تو منجانب اللہ دل میں اصلاحی مضمون کی آمد خوب ہوتی ہے۔"

(۴۷) مولانا نے ایک بار منبر پر جلسۂ عام سے خطاب کی حالت میں حضرتِ والا کے بارہ میں فرمایا:

> "علوم و فنون اور تفقہ میں آپ کی مہارت اور شہرت کی وجہ سے کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ آپ کا باطنی مقام کچھ کم ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ پر قیاس کرلیں۔ آپ کمالاتِ ظاہرہ و باطنہ دونوں میں بہت ہی بلند مقام رکھتے ہیں، مگر علمی شہرت کی وجہ سے آپ کا مقامِ باطن عوام کی نظروں سے مستور ہے۔"

(۴۸) مولانا نے "نسخۂ اصلاح" کی کیسٹ بہت شوق سے سنی، دردِ محبت کی لذت سے سرشار ہوکر خوب جھومتے رہے، دل کی دھڑکنوں کی چوٹیں جسم پر بھی پڑ

رہی تھیں، بعد میں فرمایا:

"حضرت مفتی صاحب تو چھپے رستم نکلے، ویسے تو آپ کا مقام معلوم ہی ہے، مگر مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ پر چشتیت اس قدر غالب ہے۔"

پھر ارشاد فرمایا:

"ایک ایک شعر کم از کم دو بار ضرور پڑھنا چاہئے تھا، تاکہ اس پر خوب غور اور اس سے زیادہ سے زیادہ استلذاذ کا موقع ملے۔"

پھر حضرت والا سے اس کی ایک کیسٹ اپنے لئے طلب فرمائی۔ اس کے بعد مختلف مجالس میں حضرتِ والا کے اس کمال کا تذکرہ فرماتے رہتے ہیں

(۴۹) مولانا نے حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کا ملفوظ نقل فرمایا:

"انسان میں تأثیر اور تأثر کا مادہ بالطبع رکھا ہوا ہے، جو غالب ہوتا ہے وہ مؤثر اور جو مغلوب ہوتا ہے وہ متأثر ہو جاتا ہے' اپنے مذاق کے خلاف والے سے صحبت ہونے میں تین صورتیں ہو سکتی ہیں' وہ غالب ہوگا یا مغلوب یا دونوں برابر، جب وہ مغلوب ہو تب تو اس کی صحبت سے کچھ بھی حرج نہیں، اور اگر وہ غالب ہو تو کسی طرح درست نہیں، اور اگر دونوں برابر ہوں تو بہتر اجتناب ہے' غالبیت اور مغلوبیت کے اسباب بے شمار ہیں ان کا احصاء نہیں ہو سکتا۔ علامت یہ ہے کہ جو دوسرے کے سامنے اپنے عادات ومعمولات دنیوی یا دینی میں محجوب ہوتا ہے اور بے دھڑک پورے نہیں کر سکتا ہے تو مغلوب ہے اور جو پورے کر سکتا ہے وہ غالب ہے۔" (مجالس الحکمۃ ص۳۹)

پھر حضرتِ والا سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"آپ ماشاء اللہ! 'غالب' ہیں۔"

(۵۰) آپ ایک بار ہندوستان سے کراچی تشریف لائے تو حضرتِ والا سے ملاقات کے لئے بلا اطلاع اچانک "دار الافتاء والارشاد" میں تشریف لے آئے۔

حضرتِ والا نے فرطِ مسرت سے فرمایا:

"ماشاء اللہ! نعمتِ غیر مترقبہ ؎

نہ بزاری نہ بزوری نہ بزر می آید
خود بخود آن شہِ ابرار بـبـر می آید

"وہ نہ زاری سے آتا ہے نہ زور سے، نہ زر سے،
وہ "شہِ ابرار" برشتۂ محبت خود بخود بغل میں چلا آرہا ہے۔"

اس شعر میں یہ لطیفۂ عجیبہ بھی ہے:

"دوسرے مصراع میں لفظ "شہِ ابرار" میں حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کے اسمِ صفاتی کے علاوہ اسمِ ذاتی یعنی نامِ نامی بھی مع لقب پورا آگیا ہے۔"

دفتر میں تشریف لائے تو مولانا نے اپنے رفقاء اور "دار الافتاء والارشاد" کے علماء و طلبہ کے مجمع میں حضرتِ والا سے انتہائی محبت کی باتیں کرتے ہوئے یہ مصرع پڑھا ع

نہ دوری دلیلِ صبوری بود

"دوری صبر کی دلیل نہیں۔"

یعنی ملاقات میں دیر محبت و اشتیاقِ ملاقات میں کمی کی وجہ سے نہیں، اعذار کی وجہ سے ہے۔

پھر جہادِ افغانستان میں حضرتِ اقدس کے بے مثال استقبال میں توپوں، گنوں، ٹائم بموں اور راکٹ لانچروں کی گھن گرج کی کیسٹ بہت دیر تک سنتے رہے اور بہت محظوظ ہوتے رہے، زبان کے ساتھ جسم و جان بھی سرشار نظر آرہے تھے۔

شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا محمّد زکریّا صاحب مُہاجر مَدنی رحمہ اللہ تعالیٰ :

(۵۱) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مسجدِ نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام سے متصل اور روضۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت قریب مدرسۃ العلوم الشرعیّہ میں اپنی روزانہ کی مجلس میں ہمارے حضرت اقدس دامت برکاتہم کی کتاب "احسن الفتاوی" جلد اوّل سنانے کا حکم فرمایا، اس طرح یہ پوری کتاب اوّل سے آخر تک سبقاً سبقاً آپ نے خود بھی سُنی اور مجلس میں حاضری دینے والے اپنے متوسلین کو بھی سنوائی۔

اس کتاب میں علومِ ظاہرہ وباطنہ دونوں ہیں، علمِ کلام کے ساتھ علمِ سلوک کے مسائل بھی اس میں ہیں۔

شیخ القُرّاء حضرت قاری فتح محمّد صاحب مُہاجر مَدنی رحمہ اللہ تعالیٰ :

(۵۲) شیخ القراء حضرت قاری فتح محمد صاحب مہاجر مدنی دامت برکاتہم اپنے پاکستانی متوسلین کو بغرضِ اصلاح حضرتِ والا کی طرف رجوع کرنے کا حکم فرماتے ہیں۔

(۵۳) حضرت قاری صاحب کے قلبِ مبارک میں ربیع الاوّل کے مبارک ماہ میں مسجدِ نبوی علیٰ صاحبہ الصّلوٰۃ والسّلام میں حاضری کے مبارک وقت میں منجانب اللہ یہ القاء ہوا کہ آپ خود بھی حضرتِ اقدس دامت برکاتہم سے اصلاحی تعلق قائم کریں، چنانچہ آپ نے وہیں مسجدِ نبوی علیٰ صاحبہ الصّلوٰۃ والسّلام ہی سے بیعت کی درخواست بذریعہ خط کراچی حضرتِ والا کی خدمت میں بھیج دی۔

حضرتِ والا نے بیعت کی درخواست قبول فرماکر اسی وقت ساتھ ہی آپ کو خلافت بھی عطاء فرمادی۔

حضرت قاری صاحب کی درخواست اور اس پر حضرت والا کے جواب کا عکس بغرضِ تبرک و عبرت شائع کیا جاتا ہے۔

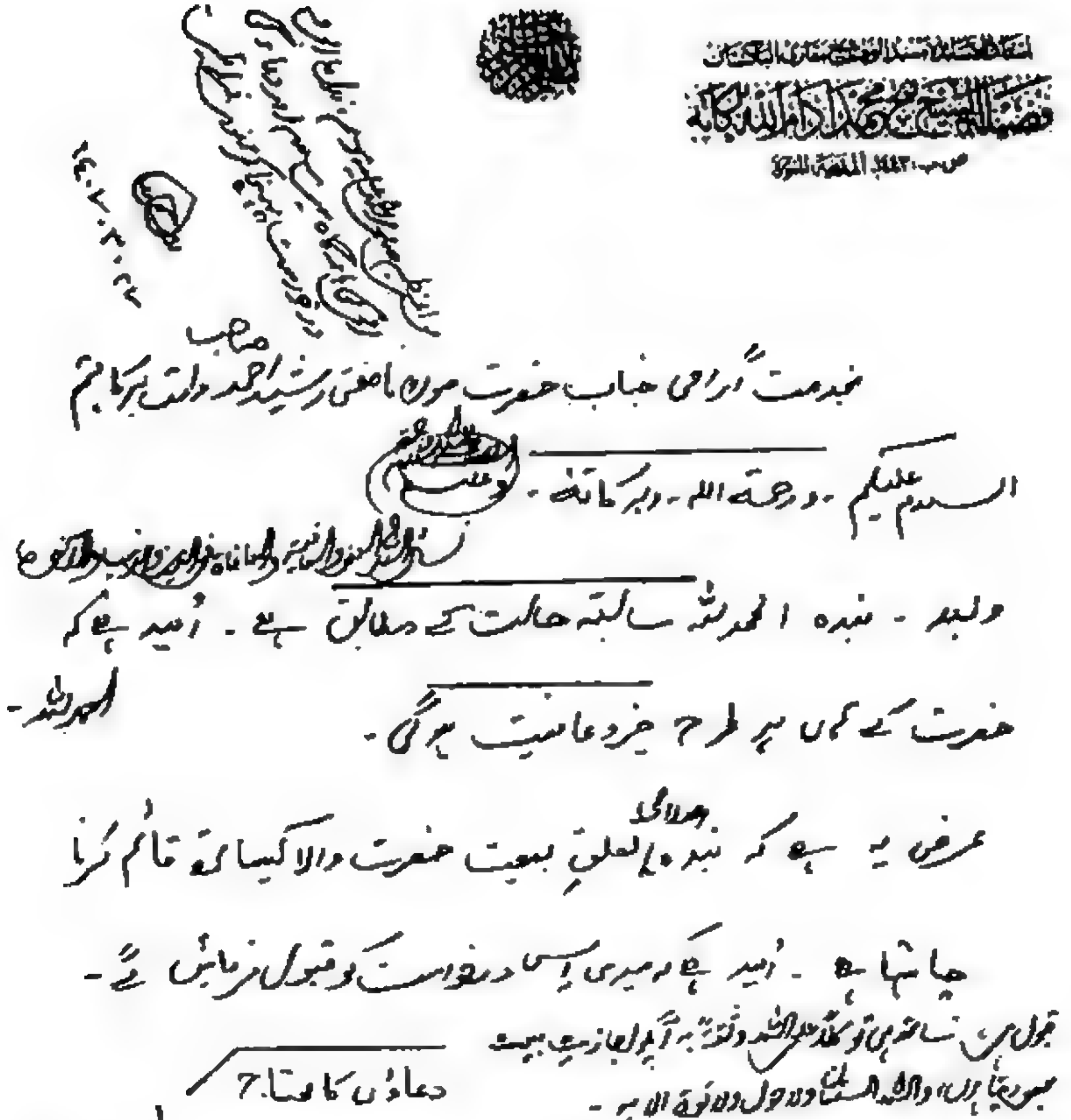

فضيلة الشيخ محمد ادام الله بركاته

المدينة المنورة

خدمت گرامی جناب حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

وبعد۔ بندہ الحمد للہ سابقہ حالت کے مطابق ہے۔ امید ہے کہ حضرت کے یہاں ہر طرح خیر و عافیت ہو گی۔

الحمد للہ۔

عرض یہ ہے کہ بندہ اصلاحی تعلق بیعت حضرت والا کے ساتھ قائم کرنا چاہتا ہے۔ امید ہے کہ میری اس درخواست کو قبول فرمائیں گے۔

قبول ہے، ساتھ ہی توکلا علی اللہ وثقۃ بہ آپ کو اجازت بیعت بھی دیتا ہوں، واللہ المستعان ولا حول ولا قوۃ الا بہ۔

سابقہ معمولات پر مزید یہ معمولات شامل فرمالیں

○ انوار الرشید کم از کم ایک صفحہ۔

○ میرے لئے دعاء حسن خاتمہ

دعاؤں کا محتاج

شیخ محمد پانی پتی

بالمدینۃ المنورۃ

۱۴۰۷/۲/۲۰

اصلاحِ باطن وفکرِ آخرت سے متعلق حضرت قاری صاحب کے کچھ حالات جن میں سے پہلے نو نمبروں کا حاصل حضرت والا کے استفسار پر حضرت قاری صاحب نے خود لکھوا کر بھجوایا ہے۔

۱ — آپ چوراسی سال چار ماہ کی عمر میں حضرت اقدس سے بیعت ہوئے۔

۲ — حضرتِ اقدس سے آپ عمر میں اٹھارہ سال تین ماہ بڑے ہیں۔

۳ — حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ سے بیعت کے بعد دس سال اصلاحی تعلق رہا

۴ — حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کے وصال کے بعد حضرت مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ سے اصلاحی تعلق رکھا۔

۵ — حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے آپ کو خلافت عطاء فرمائی۔

۶ — حضرت مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ کے وصال کے بعد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کیا۔

۷ — حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کے دس سال پانچ ماہ بعد ہمارے حضرت اقدس دامت برکاتہم سے بیعت ہوئے۔

۸ — مقامِ تزکیۂ نفس کا معیار اس قدر بلند کہ شیخِ ثالث کی وفات کے بعد ساڑھے دس سال تک کسی بزرگ سے اصلاحی تعلق قائم نہیں کیا، اتنے طویل عرصہ تک پرکھنے کے بعد ہمارے حضرت دامت برکاتہم سے بیعت ہوئے۔ حالانکہ عمر، شہرت، وجاہت، منصب، قدامت ہر لحاظ سے ہمارے حضرت سے بہت بڑے کئی مشایخ عظام موجود تھے۔

۹ — کسی کو خلافت دینے کے معیار کا یہ عالم کہ شیخِ اوّل سے منصبِ خلافت پر فائز ہونے کے بعد اب تک تیس سال کے طویل عرصہ میں اپنے ہزاروں متوسلین میں سے صرف ایک فرد کو خلافت سے نوازا۔

۱۰۔۔۔ غالباً اکثر لوگ آپ کو صرف فنِ تجوید و قراءات ہی کے بہت بڑے امام سمجھتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام علوم اسلامیہ میں غیر معمولی فضل و کمال سے نوازا ہے۔

۱۱۔۔۔ پاکستان اور دوسرے ممالک میں آپ کے شاگردوں اور مریدوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ شمار سے باہر۔

۱۲۔۔۔ تقویٰ، زہد، عبادات میں بہت سخت مجاہدات۔ رمضان المبارک میں پوری رات تراویح میں قیام اور روزہ تو ہمیشہ ہی، رمضان و غیر رمضان سب برابر، آپ کے یہ کمالات دنیا جانتی ہے اور ان میں آپ کی نظیر تلاش کرنے پر بھی نہیں ملتی۔

اتنے بڑے فضائل و کمالات کے باوجود ہمارے حضرتِ اقدس دامت برکاتہم سے بیعت ہونے میں جہاں حضرتِ والا کے مقامِ عشق کی بلندی ظاہر ہوتی ہے وہاں دوسروں کے لئے فکرِ آخرت و اصلاحِ باطن کی طلبِ صادق کا عبرت آموز نمونہ بھی۔

محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخِ ولادت ۸ ر یا ۹ ر ربیع الاوّل ہے، اور حضرت قاری صاحب نے بیعت کی درخواست ۱۲ ر ربیع الاوّل کو تحریر فرمائی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخِ ولادت میں یا ایک دو روز بعد آپ کے قلب میں حضرت والا سے بیعت ہونے کا القاء فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخِ ولادت میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار میں حضرت والا سے فیضِ نبوت حاصل کرنے کی ہدایت سے معلوم ہوا کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض امت تک پہنچانے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو بہت اعلیٰ و ممتاز مقام سے نوازا ہے۔

اس مضمون کی کتابت مکمل ہو جانے کے بعد دار الافتاء کے دفتر سے بعض اکابر کی تحریرات دستیاب ہوئیں، ان کا اکابر کی ترتیبِ مذکور میں داخل کرنا مشکل تھا اس لئے آخر میں بطورِ الحاق درج کی جاتی ہیں۔

(۵۴) حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ خلیفۂ مجاز حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ نے خط میں حضرتِ والا کے مقامِ باطن کے بارہ میں تحریر فرمایا:

"یہ بڑا قیمتی سرمایہ ہے۔"

(۵۵) حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ خلیفۂ مجاز حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ نے خط میں حضرتِ والا کو لکھا:

"معدنِ تقویٰ و ہدایت۔"

(۵۶) حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرتِ والا کے نام خط میں تحریر فرمایا:

"اخلاص کے ساتھ آپ نے جو دینی کام شروع کیا ہے اس کو شرفِ عظیم حاصل ہے۔"

(۵۷) حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ مجازِ صحبت حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ حضرتِ والا کے نام خط میں آپ کے مقامِ ورع و تقویٰ کا اس طرح اظہار فرماتے ہیں:

"زَادَكُمُ اللهُ وَرَعًا۔"

"اللہ تعالیٰ آپ کو ورع میں اور زیادہ ترقی سے نوازیں۔"

(۵۸) حضرت مولانا بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک خط میں حضرتِ والا کا مقامِ تفقہ یوں تحریر فرمایا:

"حضرت مفتی صاحب کے سامنے کون فتویٰ دے؟"

الاستدراک

(۵۹) حضرت نجم احسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ خلیفۂ مجازِ صحبت حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ نے حضرتِ اقدس کی منقبت میں چند اشعار کہے، جن میں آپ کی نسبتِ باطنہ، سلوک و تصوف اور شانِ اصلاح میں بلند مقام کا ذکر تھا۔

حضرتِ والا نے ان اشعار کو شائع کرنے کی اجازت نہیں دی، فرمایا:

”مجھے اس سے شرم آتی ہے۔“

(۶۰) حضرتِ اقدس کے علم و تقویٰ اور شانِ اصلاح میں کمال پر اکابرِ اُمت کے مکمل اعتماد کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ آپ نے ”دار الافتاء والارشاد“ کی بنیاد رکھی تو مندرجۂ ذیل اکابر نے سرپرستی فرمائی اور اعانتِ مالیہ بھی:

۱۔۔۔ آپ کے استاذِ محترم حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، مفتی اعظم پاکستان، بانی و صدر جامعہ دار العلوم کراچی، خلیفۂ مجازِ بیعت حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ۔

۲۔۔۔ حضرت ڈاکٹر عبد الحیؒ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، خلیفۂ مجازِ بیعت حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ۔

۳۔۔۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ، بانی و صدر جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی، خلیفۂ مجازِ صحبت حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ۔

۴۔۔۔ حضرت نجم احسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، مجازِ صحبت حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ۔

۵۔۔۔ حضرت مولانا شبیر علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کے برادر زادہ اور آپ کی خانقاہ و مدرسہ کے مہتمم۔

حضرتِ والا نے ”دار الافتاء والارشاد“ چلانے کے لئے اہلِ ثروت کو

ارکان بنانے کی بجائے ان اکابر کو سرپرست بنایا، ان کی خواہش بلکہ حضرت مولانا شبیر علی صاحب کے حکم سے کام شروع کیا۔

دار الافتاء والارشاد کی اہمیّت اکابر کی نظر میں:

حضرتِ اقدس کو اکابر نے جس کام کے لئے منتخب فرمایا اس کی اہمیّت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ "دار الافتاء والارشاد" کی بنیاد تک پاک و ہند میں کہیں بھی علماء کے لئے تربیتِ افتاء کا کوئی مستقل شعبہ نہ تھا، جب کہ "افتاء" استحکامِ دین اور اللہ تعالیٰ کے نازل فرمودہ قوانین کی حفاظت اور ان کے اجراء و اشاعت کا دنیا میں واحد ذریعہ ہے، دنیا و آخرت میں مسلمانوں کی فلاح و بہبود اسی سے وابستہ ہے۔ اکابر علماء و مشایخ کی نگاہِ دُور بین اس خطرہ کو بہت شدت سے محسوس کر رہی تھی کہ ملک بھر میں معدودے چند مفتیانِ کرام کی وفات کے بعد حفاظتِ دین کی یہ بنیادی خدمت کون انجام دے گا؟ میدان بالکل خالی نظر آ رہا ہے جس کی مسئولیت سب علماء پر عائد ہوتی ہے۔ حضرتِ والا نے اسی فکر کے تحت "دار الافتاء والارشاد" کی بنیاد رکھی اور اکابر علماء و مشایخ نے دُعاؤں، سرپرستی اور خاص اپنی جیب سے گرانقدر عطایا غرضیکہ ہر قسم کے تعاون سے حوصلہ افزائی فرمائی۔

حضرت مولانا شبیر علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بہت اصرار کے ساتھ فرمایا:

> "قیامِ پاکستان کا واحد مقصد ہی نفاذِ آئینِ اسلام ہے، اللہ کی رحمت سے یہ مقصد حاصل ہو گیا تو ماہرینِ افتاء کے بغیر کیسے کام چلے گا؟ اس لئے آپ تربیتِ افتاء کا ادارہ ضرور قائم کریں۔"

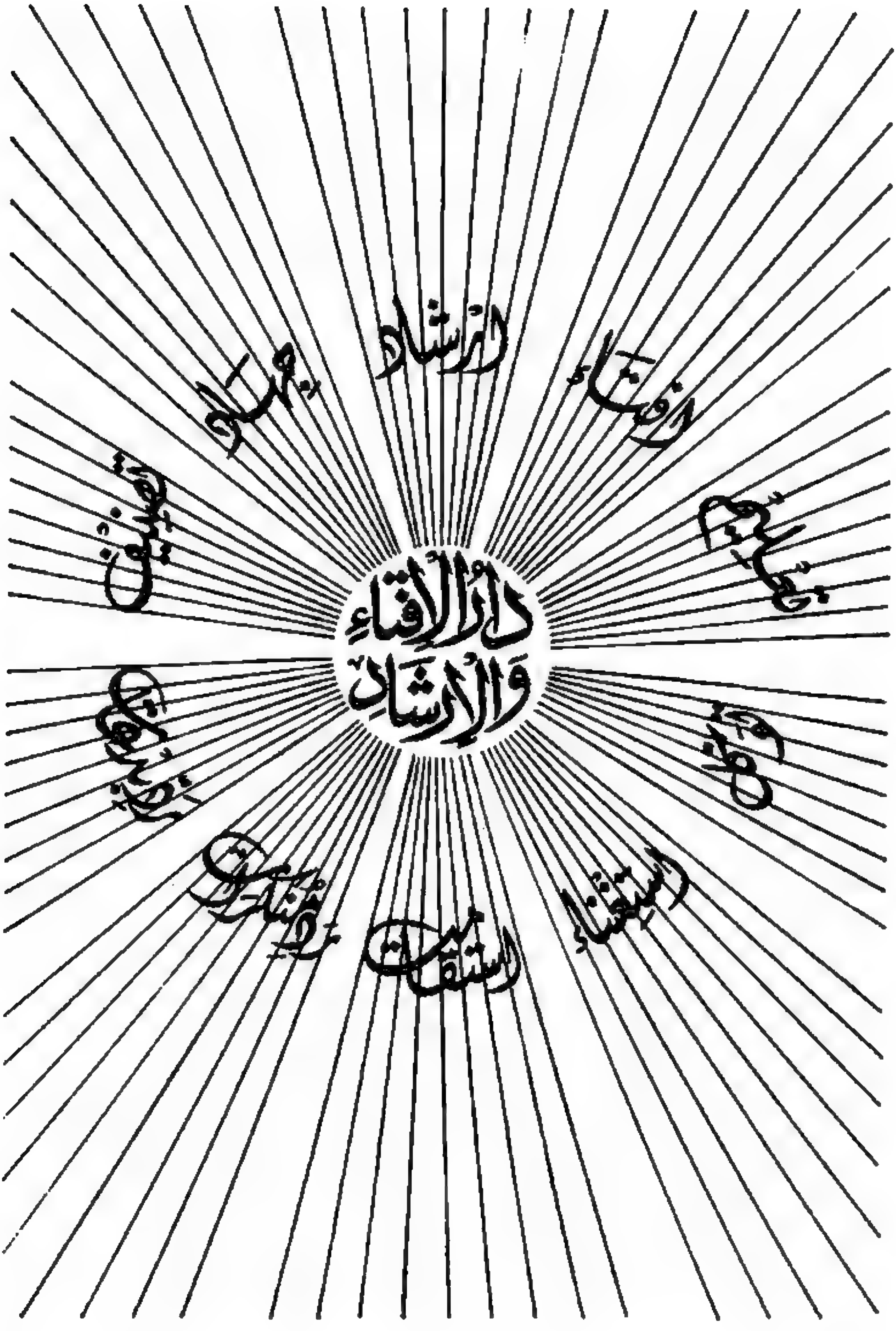
دار الإفتاء والإرشاد
الإرشاد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَأۡتُوا الۡبُیُوۡتَ مِنۡ اَبۡوَابِہَا

كانَ (صلى الله عليه وسلم) إذا اوى الى منزله جزأ
دخوله ثلثة اجزاء جزء الله عزّ وجلّ وجزء الأهله
وجزء النفسه ثم جزأجزءه بينه وبين الناس. (ترمذی)

نظم وضبطِ اوقات

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں
بقولِ حسن کوئی پاتا نہیں

○ نظم وضبطِ اوقات کی شرعاً وعقلاً کیا اہمیّت ہے؟
○ نظمِ اوقات کے بغیر دین کیوں نامکمل رہتا ہے؟
○ نظم وضبط کے بغیر آپ کی ایذاء سے لوگ اور لوگوں کی ایذاء سے آپ کیسے بچ سکتے ہیں؟
○ نظم وضبط کا فقدان بے برکتی، محرومی، ضیاعِ عمر، الجھنوں کا پیش خیمہ کیوں ہے؟

زیرِ نظر مضمون میں حضرتِ والا کے ارشادات وحالات کے آئینہ میں ان سب سوالات کے محقق ومکمل جوابات مل سکتے ہیں۔

نظم وضبطِ اوقات

عنوان	صفحہ
پابندیٔ وقت عیب یا ہنر؟	۴۶۷
پابندیٔ وقت کا اہتمام نہ کرنے کی اصل وجہ	۴۶۸
نظم وضبط کی حقیقت واہمیت پر ایک مثال	۴۶۸
ملاقات کا معیار — افادہ یا استفادہ	۴۶۹
علماءِ کرام کے لئے اُسوۂ حسنہ	۴۶۹
تحریرِ فتاویٰ کے دوران حادثہ اور درسِ عبرت	۴۷۰
پانچ منٹ - پانچ ہزار یا پانچ کروڑ	۴۷۱
استعمال کی چیزیں استعمال کے بعد	۴۷۱
ترتیب وسلیقہ کے فوائد	۴۷۲
سُنتِ نبویّہ	۴۷۲
باکار یا بیکار ہونے کا تھرمامیٹر	۴۷۳
یوم الحوادث	۴۷۳
نظام الاوقات کی تعیین کے فوائد	۴۷۳
حضرتِ والا کے نظم کا ایک عجیب واقعہ	۴۷۴
سیکنڈ بھی تولے جاتے ہیں	۴۷۵

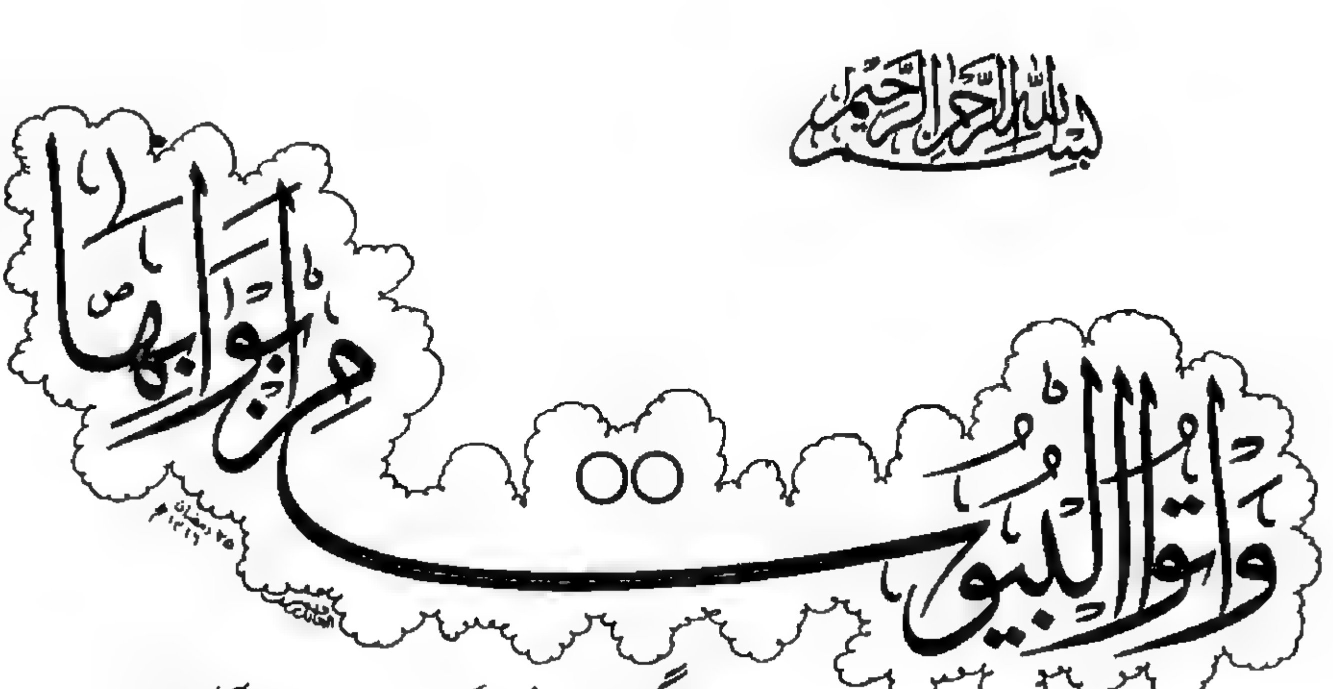
بسم الله الرحمن الرحيم
وأتوا البيوت من أبوابها
۲۵ رمضان ۱۴۱۶ھ

اور گھروں میں اُن کے دروازوں سے آؤ (البقرة، ۱۸۹)

نظم وضبطِ اوقات

شریعتِ مطہرہ نے انسانی حیات کا کوئی شعبہ ایسا نہیں چھوڑا جس سے متعلق واضح ہدایات اور رہنمائی کا سامان مہیا نہ کیا ہو، آج ہم اپنے ہی سرمایہ کو غیروں کے ہاتھوں میں دیکھ کر اور اس کے مصالح وفوائد کا معاینہ کر کے عش عش کر اٹھتے ہیں، لیکن یہ معلوم نہیں کہ غیر اقوام ہمارے ہی رہنما اصولوں کی خوشہ چینی کر کے اس کے عظیم نتائج سے متمتّع ہو رہی ہیں، انہی میں سے پابندیِ وقت اور نظم وضبط کی صفات بھی ہیں، یہ ہماری ہی دولت ہے جو ہم غیروں کے پاس دیکھ کر انہی کی ملکیت سمجھتے ہیں، اور اس پر عمل کرنے کو دوسروں کی نقّالی تصوّر کرتے ہیں۔

پابندیٔ وقت عیب یا ہنر؟

آج اگر کوئی دنیادار بڑا افسر یا غیر ملکی پابندیِ وقت کا اہتمام کرتا ہے تو ہم اسے نظرِ تحسین سے دیکھتے ہیں، لیکن یہی عمل ہم میں سے کوئی کرنے لگے تو اسے غیر ضروری بلکہ معیوب خیال کیا جاتا ہے، اس کی مثال تو روزمرہ دیکھنے میں آتی ہے۔ دنیوی زندگی میں ہر وقت اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ آپ نے کسی کو وقت دیا یا کوئی وقت لے کر آپ سے ملنے کا وعدہ کرتا ہے تو اب وقت کی پابندی کو ایک غیر ضروری امر تصوّر کیا جاتا ہے، اور جانبین کا قیمتی وقت محض انتظار کی مشقّت اور ذہنی کوفت کی نذر ہو جاتا ہے، یا کسی جلسہ یا اجتماع کا وقت مقرر ہے مثلاً ۸ بجے شب۔ اگر آپ اس وقت وہاں پہنچ جائیں تو معلوم ہوگا کہ ابھی دریاں ہی بچھ رہی ہیں۔ یا کسی تقریب میں آپ مدعو ہیں اور بدقسمتی سے بروقت پہنچ جاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے وقت کی پابندی کر کے سخت حماقت کی ہے۔

ہمارے حضرت پابندیِ وقت کا بہت اہتمام فرماتے ہیں۔ کہیں جانا ہوتا ہے تو ٹھیک وقت پر پہنچنے کی کوشش فرماتے ہیں اور کسی سے ملاقات کا وقت مقرر ہو تو اس کی بھی بے حد پابندی کا خیال رہتا ہے۔

پابندیٔ وقت کا اہتمام نہ کرنے کی اصل وجہ:

اصل بات یہ ہے کہ اگر پتا چل جائے کہ وقت کتنا قیمتی سرمایہ ہے اور اسے ضائع کرکے ہم کس قدر اپنا نقصان کر رہے ہیں تو پھر انسان ایک لمحہ بھی اپنے ہاتھ سے کھونا پسند نہ کرے۔ ؎

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں
بقولِ حسن کوئی پاتا نہیں

ہمارے حضرت کا ایک ایک منٹ نظم وضبط کے شکنجہ میں کسا ہوا ہے، روزمرہ کے جو جو معمولات ہیں صبح سے لے کر شام تک اور شام سے لے کر صبح تک، ہر کام کا باضابطہ نظام الاوقات مرتب ہے۔ بعض اوقات لوگ دانستہ یا نادانستہ اس نظم میں دخل انداز ہونے کی کوشش کرتے ہیں، تو حضرت بڑے تحمّل کا مظاہرہ فرماتے ہیں، لیکن اپنے نظام کو بگڑنے نہیں دیتے، خدام کو تلقین فرماتے رہتے ہیں کہ بے وقت اور خلافِ اصول آنے والے لوگوں کے ساتھ سختی سے پیش نہ آئیں، نرمی سے سمجھائیں اور اپنے اصول پر مضبوطی سے قائم رہیں۔ سختی مذموم ہے اور مضبوطی محمود، مضبوطی کا مطلب یہ ہے کہ کسی سے متاثر ہوکر اپنے اصول کے خلاف نہ کیا جائے۔

نظم وضبط کی حقیقت واہمیت پر ایک مثال:

حضرتِ والا نظم وحفظِ اوقات کی مثال یوں بیان فرمایا کرتے ہیں:

"کوئی شیشی خوب اچھی طرح بھر لی جائے کہ اس میں مزید ایک

قطرہ کی بھی گنجائش نہ ہو، اب اگر اس میں کوئی مزید قطرہ ڈالنا چاہے تو شیشی سیدھی، اُلٹی، آڑی، ترچھی جس طرح چاہیں دیکھیں، اس میں کوئی گنجائش نظر نہیں آئے گی، اس کے باوجود آپ نے کوئی قطرہ ڈال دیا تو پہلے قطروں میں سے کوئی قطرہ نکل جائے گا، اس لئے خوب سوچ لیں، نیا قطرہ پہلے قطرہ سے زیادہ قیمتی ہو تو اس کی خاطر پہلا قطرہ ضائع کریں؛ ورنہ نئے قطرہ کو خیرباد کہہ دیں۔"

ملاقات کا معیار — افادہ یا استفادہ :

فرماتے ہیں:

"کہیں جانے یا کسی سے ملاقات کرنے سے پہلے خوب سوچ لیا کریں کہ کسی قسم کے استفادہ یا افادہ کا کوئی موقع ہے یا نہیں؟ اگر کوئی ایسی توقع ہو تو جائیں ورنہ بے سود وقت ضائع نہ کریں، وقت کی قدر کریں اور اس کی قیمت پہچانیں۔"

علماء کرام کے لئے اُسوۂ حسنہ :

ایک بار ارشاد فرمایا:

"میری یہ کوشش رہتی ہے کہ وقت کا کوئی لمحہ بھی ضائع نہ جائے، بسا اوقات کسی کام سے ایسے وقت فارغ ہوتا ہوں کہ اس کے بعد جس کا نمبر ہے اس کے لئے وقت اتنا کم ہے کہ اس میں وہ کام شروع کرنا ممکن نہیں تو ان لمحات کو بھی ضائع نہیں ہونے دیتا بلکہ اس کام کے مقدمات پر صرف کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

مثلاً تلاوت سے فارغ ہوا، اس کے بعد تصنیف کا نمبر ہے مگر نماز کا وقت آگیا، صرف ایک آدھ منٹ باقی ہے، یا کسی کو ملاقات کے لئے وقت دے دیا تھا اس کی ابتداء میں صرف چند لمحات باقی ہیں تو یہ چند سیکنڈ بھی انتظار میں ضائع نہیں کرتا، بلکہ ان لمحات میں تصنیف کے مقدمات میں سے جو کام بھی ممکن ہو اسے نمٹانے کی کوشش کرتا ہوں۔ اگر وقت اتنا کم ہے کہ اس میں تصنیف سے متعلق صرف کتاب ہی اٹھا کر اپنے سامنے رکھ سکتا ہوں تو اسے بھی غنیمت سمجھ کر اتنا ہی کام نمٹا لیتا ہوں۔"

تحریر فتاویٰ کے دوران حادثہ اور درسِ عبرت:

ایک بار دار الافتاء میں بیٹھے ہوئے یہ حادثہ پیش آیا کہ حضرت والا کا گھٹنہ ڈیسک کے کونے سے ٹکرا گیا، شب و روز دماغی محنت کی وجہ سے ضعف بہت ہو گیا تھا، شدّتِ ضرب سے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ○ پڑھا، اور لفظ راجعون کے ساتھ ہی بے ہوش ہو کر پیچھے گر گئے، سر زور سے دیوار میں لگا۔ حاضرین پریشانی کے عالم میں ڈاکٹر کی طرف بھاگے، چار منٹ کے بعد از خود ہوش آگیا۔ حادثہ سے متعلق حاضرین سے بہت مختصر سی بات سُن کر فوراً قلم سنبھالا اور تحریر افتاء میں مشغول ہو گئے۔ حاضرین اس قدر بلند ہمت اور حفاظتِ وقت کی اس قدر اہمیت دیکھ کر حیران رہ گئے۔

حضرت اقدس دامت برکاتہم نے بعد میں ارشاد فرمایا:

"اِس عارضی موت کے وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت نے یوں دستگیری فرمائی کہ ایسے وقت میں بھی اپنی ہی طرف متوجہ رکھا، زبان پر بھی اپنی یاد کے الفاظ جاری کروا دیئے اور کوئی تکلیف بھی نہیں ہوئی۔

رب کریم کی اس رحمت سے امید ہے کہ حقیقی موت کے وقت بھی اِن شاء اللہ تعالیٰ یونہی اس کی دستگیری ہوگی۔

میں نے اس دُعاء کا معمول بنالیا ہے کہ اس وقت جو رحمت ہوئی، اس کے صدقہ سے آخر وقت میں بھی ایسی ہی رحمت بلکہ اس سے بھی زیادہ فضل وکرم فرمائیں ؎

دنیا سے جب ہو رخصت یارب غلام تیرا
دل میں ہو دھیان تیرا لب پر ہو نام تیرا "

پانچ منٹ = پانچ ہزار یا پانچ کروڑ:

ایک بار ایک مولوی صاحب نے کہا:

" فلاں سیٹھ صاحب کہتے ہیں کہ ان کے پانچ منٹ پانچ ہزار روپے سے زیادہ قیمتی ہیں "

حضرتِ والا نے ارشاد فرمایا:

" میں سیٹھا بلکہ اَسیٹھ (سب سے بڑا سیٹھ) ہوں اور لٹھ بھی، میرے پانچ منٹ پانچ کروڑ سے بھی زیادہ قیمتی ہیں، ہوسکے تو کوئی یہ بات اُن تک پہنچا دے "

اسی نظمِ اوقات کی برکت ہے کہ افتاء، تبلیغ، تدریس اور تصنیف وتالیف کے ساتھ ساتھ اصلاح وتربیت کی جو عظیم خدمات اللہ تعالیٰ آپ سے لے رہے ہیں اس کا عشرِ عشیر بھی شاید ہی کوئی دوسرا انجام دے سکے۔

استعمال کی چیزیں استعمال کے بعد:

بعض لوگوں میں یہ عادت ہوتی ہے کہ استعمال کی چیزیں جس جگہ سے اٹھاتے

ہیں استعمال کے بعد انہیں اپنی جگہ پر واپس نہیں رکھتے، بلکہ ادھر اُدھر ڈال دیتے ہیں، پھر جب دوسری بار ضرورت پڑتی ہے تو ڈھونڈھنا شروع کرتے ہیں، اور بعض دفعہ گھنٹوں اس فضول عمل میں ضائع ہوجاتے ہیں اور دماغی کوفت الگ۔ علاوہ ازیں بعض دفعہ وقت پر ضرورت کی چیز نہ ملنے سے بہت نقصان ہوجاتا ہے۔

ہمارے حضرت کی یہ عادتِ مبارکہ ہے کہ جو چیز جہاں سے اٹھائی استعمال کر کے فوراً اس کی مقرر جگہ پر رکھ دی، تاکہ دوبارہ اس کی ضرورت پڑے تو فوراً دستیاب ہوجائے۔

ترتیب وسلیقہ کے فوائد:

اس عادت میں بڑی خوبی یہ ہے کہ وقت کی بچت اور نقصان سے حفاظت کے ساتھ انسان کو راحت بھی ہوتی ہے، تلاش کی مشقت اور ذہنی کوفت سے انسان محفوظ رہتا ہے۔

ہر چیز کو ترتیب اور سلیقہ سے رکھنے میں جو فوائد ہیں اور انسان کو اس سے جو راحت ملتی ہے وہ ظاہر ہے، ہمارے حضرت کا ہمیشہ یہ اہتمام ہوتا ہے کہ ہر چیز کو اس کی مقرر جگہ پر سلیقہ سے رکھا جائے اور کتابوں کو ترتیب اور قاعدہ سے رکھا جائے۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہے کہ آپ کو جب بھی کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ اندھیرے میں بھی بلاتکلف مل جاتی ہے، راحت کے علاوہ ضیاعِ وقت سے حفاظت بھی۔

نظم وضبطِ اوقات کی اہمیت کے بارہ میں حضرتِ والا کے مزید چند ارشادات:

سُنتِ نبویّہ:

① حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نظام الاوقات کی اہمیت کے تحت اپنے

اوقاتِ مبارکہ کو تین حصوں میں تقسیم فرما رکھا تھا:

۱۔ عباداتِ ذاتیہ کے لئے۔

۲۔ اہل و عیال کے لئے۔

۳۔ اشاعتِ اسلام کے لئے۔ (ترمذی)

باکار یا بیکار ہونے کا تھرمامیٹر:

② آپ کسی کام کے ہیں یا بے کار؟ اس کا تھرمامیٹر لیجئے:

"اگر آپ کے روزمرّہ کے معمولات سے زائد کوئی نیا کام آجائے تو کیا آپ کو کچھ پریشانی ہوتی ہے اور سوچنا پڑتا ہے کہ معمولات کے غیر منقطع سلسلہ میں اسے کہاں گھسیڑوں؟

اگر آپ کو اس فیصلہ کے لئے غور و فکر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو آپ باکار ہیں ورنہ بے کار۔

یوم الحوادث:

③ بحمد اللہ تعالیٰ میرے اوقات اس قدر منظم ہیں کہ معمولاتِ متعینہ سے زائد کوئی ذرا سا ہی کام پیش آجائے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی حادثہ ہوگیا، کسی روز متعدد لوگوں کو وقتِ ملاقات دینا پڑ جائے تو میں اس دن کو "یوم الحوادث" کہا کرتا ہوں۔

نظام الاوقات کی تعیین کے فوائد:

④ نظام الاوقات کی تعیین میں یہ فائدے ہیں:

۱۔ معمولات میں ناغہ سے حفاظت رہتی ہے۔

۲۔ ہر کام میں یکسوئی رہتی ہے، ذہن منتشر نہیں ہوتا۔

۳۔ متعلقین کو سہولت رہتی ہے۔

حضرتِ والا کے نظم کا ایک عجیب واقعہ:

ایک بار حضرتِ والا غسل خانہ کی طرف تشریف لے جارہے تھے، ایک خادم نے کوئی بات شروع کر دی جس کی وجہ سے چند لمحے تأخیر ہو گئی، اتنی ذرا سی تأخیر کا نتیجہ یہ ہوا کہ غسل سے فارغ ہونے تک دوپہر کی مجلس میں جانے کا وقت ہو گیا، آپ نے اتنی تأخیر بھی گوارا نہ فرمائی کہ کرتے کے بٹن لگالیں، ویسے ہی چل دیئے، ہاتھ فارغ نہ ہونے کی وجہ سے راستہ میں بھی نہ لگا سکے، دفتر پہنچنے کے بعد اپنی نشست پر بیٹھ کر بٹن لگائے۔ پھر حاضرین کو پورا قصہ بتا کر ارشاد فرمایا:

> "یہ نظم وضبط کی پابندی نہ کرنے کا نتیجہ ہے، انہوں نے بے وقت بات کرکے پریشان کیا، میں نے ان کو بروقت اس بدنظمی پر تنبیہ کرکے مزید بات کرنے سے روک دیا، اگر میں پوری بات سن کر اس پر غور کرتا، پھر کوئی فیصلہ کرکے اس سے متعلق کوئی کارروائی کرتا تو دفتر پہنچنے میں کتنی تأخیر ہوتی اور افتاء سے متعلقہ کاموں کا کتنا حرج ہوتا؟ جو شخص اہم وغیر اہم میں تمیز نہیں کرپاتا اور اوقات میں نظم وضبط کا سلیقہ نہیں رکھتا وہ کبھی بھی صحیح دیندار نہیں بن سکتا، کبھی اپنے اور دوسروں کے اہم مشاغل میں خلل ڈالے گا، کبھی اپنی اور دوسروں کی اذیت کا باعث بنے گا جو حرام ہے، ایذاء سے بچنے بچانے کے لئے عدمِ قصدِ ایذاء کافی نہیں قصدِ عدمِ ایذاء ضروری ہے، ہر وقت ایسا ہوشیار رہے کہ کبھی غفلت سے غیر شعوری طور پر بھی ایذاء کا سبب نہ بنے۔"

سیکنڈ بھی تولے جاتے ہیں :

حضرتِ اقدس کے ہاں وقت کی قدر و قیمت اور نظم و ضبط کا اس قدر اہتمام ہے کہ سیکنڈوں تک کا بھی حساب رکھا جاتا ہے، آپ کی پوری زندگی اس پر شاہد ہے، اس وقت ایک تازہ مثال سامنے آگئی جو تحریر کی جاتی ہے :

آپ سے فون پر ملاقات کے اوقات بوقتِ صبح ساڑھے نَو سے ساڑھے دس بجے تک اور رات کو پونے دس سے سوا دس تک ہیں۔ نظمِ اوقات میں دفتر تشریف لے جانے کے لئے صبح ساڑھے دس بجے کا وقت مقرر کرلیا گیا، مگر اس میں یہ نقص سامنے آیا :

> "اگر ٹھیک ساڑھے دس بجے تک فون پر رہتے ہیں تو دفتر میں ساڑھے دس بجے نہیں پہنچ سکتے، اور اگر دفتر میں ساڑھے دس بجے پہنچیں تو فون پر ساڑھے دس بجے تک نہیں رہ سکتے، دونوں جانب میں سے کسی ایک جانب کا چند سیکنڈ کا نقصان لازمًا ہوگا، اور اگر دونوں پر تقسیم کر دیا جائے تو دونوں طرف نقصان"۔

آپ کے کمرے سے دفتر تک صرف پچیس سیکنڈ کا راستہ ہے، ان کو جانبین پر تقسیم کر دیا جائے تو فون کے وقت اور دفتر کے وقت میں ساڑھے بارہ سیکنڈ کا نقص رہ جاتا ہے۔

حضرتِ والا نے اوقات کے مقرر نظم میں بارہ سیکنڈ کی تقدیم و تأخیر اور اتنے معمولی سے نقص کو بھی گوارا نہیں فرمایا، اس لئے دفتر تشریف لے جانے کا وقت ساڑھے دس کی بجائے پونے گیارہ کر دیا۔

صفائیٔ معاملات

صفائیٔ معاملات، حکمِ شرعی اور حضرت کا معمول؛

حضرتِ والا صفائیٔ معاملات کا بہت اہتمام فرماتے ہیں۔ کسی کا کوئی برتن وغیرہ آجائے تو اب یہ فکر کہ استعمال کے بعد جلد سے جلد اسے واپس لوٹا دیا جائے یا کسی سے کوئی چیز منگوائی تو قیمت فوراً ادا کرنے کی کوشش۔

کرۂ ارضیہ (گلوب) حکمتیں اور مصلحتیں؛

حضرتِ والا کے کمرے میں آپ کے پلنگ کی بغل میں میز پر ایک قلمدان ہے اس کے اوپر ایک قطب نما رکھا رہتا ہے جو چھوٹے سے خوبصورت کرۂ ارضیہ (گلوب) کی شکل میں ہے، اسے قلمدان کے اوپر بہت سلیقہ کے ساتھ ایسی ہیئت سے رکھا ہے کہ ہر وقت قلم کے زیرِ سایہ رہتا ہے۔

حضرتِ والا فرمایا کرتے ہیں؛

> ”اس کرۂ ارضیہ کو اس طرح قلم کے زیرِ سایہ رکھنے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ مالک الملک کے احکام تحریر کرنے والے قلم کی حکمرانی پوری دنیا پر ہے۔“

حضرتِ والا کو صفائیٔ معاملات کے علاوہ دوسرے عام حالات میں بھی اس کا اہتمام رہتا ہے کہ آپ کے کسی قول یا فعل سے غیر ارادی طور پر بھی کسی کو ایذا نہ پہنچنے پائے۔ اس مقصد کے لئے کبھی کوئی یادداشت رکھنے کی ضرورت پیش آتی ہے تو کرۂ مذکورہ کو اس کے مقام سے کسی جانب سرکا کر فرماتے ہیں؛

”زمین اپنے مرکز سے ہٹ گئی ہے جب تک یہ کام نہیں ہوجاتا اس وقت تک زمین اپنے مرکز پر واپس نہیں جائے گی۔“

حضرتِ والا فرماتے ہیں:

”صفائی معاملات جیسی خوبی اور ایسے مؤکد حکمِ شرعی کو لوگ فسادِ زمان وفتورِ اذہان کی وجہ سے بہت بڑا عیب اور انتہائی ذلت کا باعث سمجھنے لگے ہیں، حالانکہ اس حکمِ الٰہی پر عمل کرنے سے آخرت کی راحت کے علاوہ دنیا میں بھی جان و مال اور عزت کی حفاظت ہوتی ہے، راحت وسکون کی دولت نصیب ہوتی ہے، اور اس میں غفلت وسہل انگاری سے دین و دنیا دونوں برباد، دنیا کے ساتھ آخرت بھی تباہ، دونوں جہانوں میں رسوائی و ذلت۔

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا سب سے پہلا حملہ عقل پر ہوتا ہے، دل و دماغ پر اس کا ایسا وبال پڑتا ہے کہ عقل بالکل مسخ ہوجاتی ہے اور اس کا ایسا دیوالا نکلتا ہے کہ اپنے نفع و نقصان میں تمیز نہیں کرپاتا۔

ان کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے:

نَسُوا اللّٰهَ فَاَنۡسٰهُمۡ اَنۡفُسَهُمۡ ؕ (۵۹ - ۱۹)

”انہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اس نے ان کو ان کا نفع ونقصان بھلوا دیا۔“

مسموم وماؤف دماغ عزت کو ذلت اور ذلت کو عزت سمجھنے لگتا ہے، ایسے شخص کے سامنے صفائی معاملات کی بات کی جائے تو وہ اس کا مذاق اڑانے لگتا ہے، مثلاً:

اگر کسی کو سمجھایا جائے کہ گھر میں میاں بیوی کے سامان میں امتیاز رکھنا ضروری ہے، ہر چیز کے بارہ میں یہ علم ہونا چاہئے کہ یہ دونوں میں سے کس کی ہے؟

تو وہ بہت تعجب سے کہتا ہے:

"اجی میاں بیوی تو دونوں ایک ہی ہوتے ہیں۔"

اور کوئی اس سے بھی بڑھ کر یوں کفر بکتا ہے:

"ایسا معاملہ تو کہیں پسماندہ لوگوں میں ہوتا ہوگا، معزز اور شریف خاندانوں میں تو اس قسم کا بٹوارا بہت معیوب سمجھا جاتا ہے۔"

ایسے ہی احمقوں کے بارہ میں حضرت رومی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؎

آخر آدم زادۂ اے ناخلف
چند پنداری تو پستی را شرف

"ارے نالائق بیٹے! آخر تو آدم زادہ ہے، تو کب تک ذلت کو عزت و شرف سمجھتا رہے گا۔"

پھر جب طلاق ہو جاتی ہے تو مفتیوں کے پاس بھاگے آتے ہیں، حضور! یہ سامان کس کو ملے گا؟ میں ان سے پوچھتا ہوں:

"آپ بتائیں کہ اس کا مالک کون ہے؟ بس جو مالک ہے اسی کو ملے گا۔"

اگر طلاق نہ بھی ہوئی تو بہر حال موت سے تو کوئی مفر ہے ہی نہیں، جب کسی چیز کا مالک ہی معلوم نہیں تو وراثت کیسے تقسیم ہوگی؟"

حضرت دامت برکاتہم کے قلب میں صفائی معاملات اور دوسروں کو اذیت سے بچانے کی کس قدر فکر ہے؟ اس کی تفصیل آیندہ عنوان "آدابِ معاشرہ" میں آرہی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتًا غَیۡرَ بُیُوۡتِکُمۡ حَتّٰی تَسۡتَاۡنِسُوۡا وَ تُسَلِّمُوۡا عَلٰۤی اَہۡلِہَا (۲۴-۲۷)

وَ اِذَا قِیۡلَ لَکُمۡ تَفَسَّحُوۡا فِی الۡمَجٰلِسِ فَافۡسَحُوۡا یَفۡسَحِ اللّٰہُ لَکُمۡ

اَلۡمُسۡلِمُ مَنۡ سَلِمَ الۡمُسۡلِمُوۡنَ مِنۡ لِسَانِہٖ وَ یَدِہٖ۔ (صحیح بخاری)

بہشت آن جا کہ آزاری نباشد
کسی را با کسی کاری نباشد

آداب المعاشرہ

آج دینداروں میں بھی باہمی اُلفت و اتفاق کی بجائے نفرت و اختلاف ہے، اس کا بڑا سبب سُوءِ معاشرت ہے، یعنی حُسنِ معاشرت سے متعلق اَحکامِ شرعیہ سے رُوگردانی۔ سُوءِ معاشرت بذاتِ خود بھی بے دینی ہے اور دیگر تمام دینی شعبوں کی تباہی کے لئے مرکزی کردار بھی، ایسے وقت میں جبکہ دینداروں نے بھی اس شعبہ کو اعتقادًا و عملاً ترک کر رکھا ہے۔

یہ مضمون تمام مسلمانوں کے لئے بالعُموم اور دیندار گھرانوں اور اہلِ علم کے لئے بالخصوص سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے خصُوصًا حضرتِ والا کا یہ ارشاد:

”عدمِ قصدِ ایذاء کافی نہیں قصدِ عدمِ ایذاء ضروری ہے۔“

آدابِ معاشرہ

عنوان	صفحہ
آداب المعاشرہ کا ایک زرّیں اصول	۴۸۳
خادم کو انتظار کی زحمت سے بچانا	۴۸۴
خادم اور ٹیلیفون کا بِل	۴۸۵
بازار سے چیز لانے والے کو فوراً قیمت دینا	۴۸۶
تفریح کے دوران منڈیر پر لگی گیلی مٹی	۴۸۷
کِسی کے سامنے مسواک کرنے سے احتراز	۴۸۸
کِسی کے سامنے چلمچی میں ہاتھ دھونے سے احتراز	۴۸۸
خلال کے لئے تنہائی کی تلاش	۴۸۸
چھلکے چُوسنے کے بعد اُلٹے رکھنا	۴۸۹
دو شخص کتنے فاصلہ سے بیٹھیں	۴۸۹
حرمین شریفین میں موزوں کے استعمال میں حکمت	۴۸۹
اپنے شاگردوں سے معذرت	۴۹۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

المسلم من سلم المسلمون

من لسانه ويده

مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے تمام مسلمان محفوظ رہیں (صحیح بخاری)

۱۴-۲-۹۶

آدابِ معاشرہ

آج کل عوام و خواص ہر ایک نے آدابِ معاشرہ کو دینداری اور انسانیت کی فہرست سے باہر نکال پھینکا ہے۔ لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ آدابِ معاشرہ کے بارہ میں شریعت کی طرف سے نہ کوئی حکم ہے نہ کسی قسم کی کوئی تعلیم دی گئی ہے، اچھے اچھے دیندار لوگ اس بات کی فکر اور اہتمام نہیں کرتے کہ ہمارے کسی قول یا فعل سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔

حضرتِ والا جس طرح شریعت کی دوسری تعلیمات پر مضبوطی سے عمل پیرا ہیں اسی طرح آدابِ معاشرہ کا بھی خاص خیال رکھتے ہیں اور اس بات کا بہت اہتمام فرماتے ہیں کہ اپنی طرف سے دوسروں کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچنے پائے خواہ اپنا کوئی شاگرد، مرید اور خادم ہی کیوں نہ ہو، آپ دوسروں کو بھی بہت اہمیت سے اس کی تاکید فرماتے رہتے ہیں اور اس کی تفصیل یوں بیان فرماتے ہیں:

”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ۔

”مسلمان وہ ہے کہ اس کے کسی قول یا فعل سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے۔“

آداب المعاشرہ کا ایک زریں اصول:

کسی کو تکلیف سے بچانے کے لئے عدمِ قصدِ ایذاء کافی نہیں بلکہ قصدِ عدمِ ایذاء فرض ہے، یعنی اتنا کافی نہیں کہ آپ نے قصداً تکلیف نہیں پہنچائی بلکہ اس گناہ سے آپ تب بچ سکتے ہیں کہ آپ ایسے

ہشیار رہیں اور ایسا اہتمام رکھیں کہ غیر شعوری طور پر بھی آپ کے کسی قول یا فعل سے کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، مثلاً آپ گاڑی چلا رہے تھے غیر ارادی طور پر گاڑی کہیں لگ گئی جس سے کوئی جانی یا مالی نقصان ہوگیا، یا آپ سو رہے تھے کروٹ بدلنے سے کسی کا کوئی نقصان ہوگیا تو آپ یہ کہہ کر نہیں چھوٹ سکتے کہ میں نے قصداً گاڑی نہیں لگائی اور قصداً نقصان نہیں کیا، بلکہ اس کی وجہ سے آپ پر دنیا میں بھی مؤاخذہ ہوگا اور آخرت میں بھی، اس لئے کہ آپ نے احتیاط اور ہشیاری سے کیوں کام نہیں لیا، آپ کی غفلت کی وجہ سے نقصان ہوا ہے۔ ان دو مثالوں پر اپنی پوری زندگی میں اپنے ہر قول و فعل کو قیاس کرلیں۔“

حضرتِ والا خود اس پر کتنا عمل فرماتے ہیں؟ اور دوسروں کو ایذا سے بچانے کا کس قدر اہتمام فرماتے ہیں؟ اس سے متعلق بطور نمونہ صرف چند واقعات تحریر کئے جاتے ہیں:

خادم کو انتظار کی زحمت سے بچانا:

① حضرتِ والا نے کسی کو جمعرات کی شام کا وقت دیا ہوا تھا۔ بعد میں خیال آیا کہ جمعرات کی شام کو عصر کے بعد بغرضِ تفریح شہر سے باہر جانے کا معمول ہے، مغرب کے بعد واپسی ہوتی ہے۔ یہ بات اُس وقت یاد نہ رہی ورنہ ان سے فرما دیتے کہ وہ دیر سے آئیں۔ جب تفریح پر جانے کا وقت قریب آیا تو اچانک اُنہیں وقت دینا یاد آگیا اور یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر تفریح کے لئے چلے جائیں اور وہ اس دوران آجائیں تو انھیں انتظار کی زحمت ہوگی، لہٰذا انہیں اس زحمت سے بچانے کے لئے باہر جانے کا ارادہ ترک فرما دیا۔ حالانکہ انہوں نے صرف شام کا وقت بتایا

تھا اور شام کا وقت مغرب کے بعد بھی ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ حضرتِ والا کے مرید اور خادم بھی تھے کہ حضرتِ والا سے اگر ملاقات نہ ہوتی تو انہیں کوئی تکلیف بھی نہ ہوتی۔ جیسا کہ انہوں نے آنے کے بعد بتایا۔ اور یہ بھی احتمال تھا کہ شاید وہ دیر سے آئیں جیسا کہ ہوا کہ وہ عشاء کے کافی دیر بعد آئے۔ ان سب باتوں کے باوجود حضرتِ والا نے بہت بعید احتمال پر نظر رکھتے ہوئے دوسروں کو تکلیف سے بچانے کی خاطر اپنا معمول ترک فرما دیا۔ پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ باہر جانے کا یہ معمول صرف تفریح کی خاطر نہیں بلکہ آپ کے لئے یہ اس قدر ضروری ہے کہ آپ کی جسمانی صحت و دماغی صلاحیت اس پر موقوف ہے، علاوہ ازیں آپ کے ساتھ جانے کے لئے کچھ دوسرے لوگ بھی بہت دور سے آتے ہیں، مگر ایک خادم کو ذرا سے انتظار کی زحمت سے بچانے کے لئے سب کچھ قربان کر دیا۔

ایسا اہتمام وہی کر سکتا ہے جس کے دل میں فکرِ آخرت ہو۔

خادم اور ٹیلیفون کا بل:

② ایک خادم کو ٹیلیفون کا بل جمع کرانے دینا تھا لیکن درمیان میں جمعہ آنے والا تھا جس کی وجہ سے بل جمع نہیں کرایا جا سکتا تھا۔ اور اگر جمعرات کے روز ہی خادم کو بل دے دیا جاتا تو ہفتہ تک بل جمع کرانے کا خیال ان کے دماغ پر بوجھ بنا رہتا۔ اس تکلیف سے انہیں بچانے کے لئے حضرتِ والا نے اس خیال کا بوجھ خود ہی برداشت فرمایا اور ہفتہ آنے تک بل اپنے ہی پاس رکھا، انہیں نہیں دیا۔

بات تو معمولی نظر آتی ہے لیکن جس کے دل میں فکرِ آخرت ہو اس کے نزدیک معمولی بات بھی بڑی بن جایا کرتی ہے۔

بازار سے چیز لانے والے کو فوراً قیمت دینا،

③ حضرتِ والا بازار میں آمد ورفت رکھنے والے خدّام کے ذریعہ جب کوئی چیز بازار سے منگواتے ہیں تو انہیں تاکید فرماتے ہیں کہ وہ بازار سے جب مطلوب چیز لائیں تو دار الافتاء میں جسے بھی وہ چیز پکڑائیں اس سے اسی وقت اس کے دام وصول کرلیں، اگر کسی وجہ سے اس وقت دام نہ لے سکیں تو کم ازکم اتنا تو ضرور کریں کہ اس چیز کی قیمت بتادیں تاکہ ان تک پہنچانے میں آسانی ہو۔ اسی طرح دار الافتاء میں مقیم طلبہ وخدام کو بہت تاکید سے یہ ہدایت فرماتے رہتے ہیں کہ جب بھی کوئی شخص میرے لئے بازار سے کوئی چیز لاکر دے اسے اسی وقت اس کے دام دے دیا کریں، بعد میں مجھ سے لے لیا کریں، اگر کسی وجہ سے اس وقت دام نہ دے سکیں تو اس چیز کی قیمت ان سے دریافت کرلیا کریں، اگر کبھی کوئی چیز لاکر دینے والے اور اس سے لینے والے دونوں سے اس معاملہ میں غفلت ہوجاتی ہے تو اس سے حضرت اقدس کو بہت تکلیف ہوتی ہے اور اس پر یوں تنبیہ فرماتے ہیں:

> ”معاشرہ اتنا بگڑ چکا ہے کہ لوگ وقت پر پیسے طلب کرنے یا قیمت بتانے میں بے مروّتی اور اسے تعلقِ محبّت کے خلاف سمجھتے ہیں حالانکہ محبّت کی حقیقت یہ ہے کہ آپ جس کی خدمت کر رہے ہیں اسے آپ سے تکلیف نہ پہنچے، دیکھئے اس معاملہ میں غفلت سے کتنی تکلیف پہنچتی ہے، اب کسی کے ذمہ لگایا جائے کہ چیز لانے والے کو تلاش کرکے اسے قیمت ادا کرے، اگر وہ اس کے مکان پر گیا اور وہ وہاں بھی نہ ملا تو کیا کرے؟ فکرِ ادا کے بوجھ سے سکونِ قلب غارت، پھر اگر رقم کی مقدار بھی معلوم نہیں تو اور دردِ سر، پہلے اس تردد کی کوفت برداشت

کرے کہ کتنی رقم اٹھائے پھر صاحبِ حق کی تلاش میں پریشان رہے؟

اگر چیز خود منگوانے والے کے ہاتھ میں دی ہے تو منگوانے والے کا فرض ہے کہ اسی وقت قیمت دریافت کرکے ادا کرے، اور اگر اس کے کسی خادم کو دی ہے جیسا کہ یہاں ہوتا ہے تو بروقت معاملہ صاف کرنا خادم کا فرض ہے، اگر اس سے غفلت ہوجائے تو چیز لانے والا خود اس سے رقم طلب کرے، اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو وہ بزعمِ خود تو اپنے مخدوم سے تعلقِ محبت ظاہر کررہا ہے مگر درحقیقت اسے تکلیف پہنچا رہا ہے، بازار سے سامان لاکر دینے کی خدمت کی مگر ساتھ ہی رقم ادا کرنے کی فکر مخدوم کے دماغ پر مسلط کرکے اسے بہت سخت اذیت پہنچائی۔"

حضرت اقدس دامت برکاتہم کے اس قول وعمل سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ادائے حقوق وصفائی معاملات کا آپ کے قلبِ مبارک میں کس قدر اہتمام ہے اور اس کی کتنی فکر ہے۔ بظاہر عوام وخواص کی نظر میں یہ کوئی بڑی بات نہیں، یوں سمجھتے ہیں کہ صاحبِ حق سے جب کبھی ملاقات ہوگی اس وقت اسے رقم دے دیں گے، اور اگر ہم بھول گئے تو وہ خود طلب کرلے گا۔ مگر جس قلب میں فکرِ آخرت ہے اسے ادائے حق کے بغیر سکون کہاں؟ اس لئے حضرتِ اقدس اکثر فرماتے رہتے ہیں:

"انسان کو آخرت کے لئے ہر وقت اس طرح تیار رہنا چاہئے کہ کسی وقت بھی اچانک مَلک الموت آجائے تو ایک منٹ کی بھی مہلت کی ضرورت محسوس نہ کرے۔"

تفریح کے دوران منڈیر پر لگی گیلی مٹی:

④ حضرتِ والا نمازِ فجر کے بعد تفریح کے لئے باغ میں تشریف لے جاتے

ہیں، وہاں بسا اوقات جوتے کے تلے میں گیلی مٹی بھر جاتی ہے، بلاکوں کی منڈیر کے ذریعہ باغ کو مختلف حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے، حضرتِ والا کبھی بضرورت اس منڈیر سے جوتے کا تلا صاف کرتے ہیں تو منڈیر پر لگی ہوئی گیلی مٹی اس پر سے صاف کر دیتے ہیں، فرماتے ہیں کہ منڈیر پر اس طرح لگی ہوئی گیلی مٹی دیکھ کر طبعِ سلیم کو گھن آتی ہے، اس لئے اسے صاف کر دیتا ہوں۔

کسی کے سامنے مسواک کرنے سے احتراز:

⑤ آپ کسی کے سامنے ناک صاف کرنے، تھوکنے اور مسواک سے زبان، تالو اور گلا صاف کرنے سے بہت احتراز فرماتے ہیں اس لئے کہ اس سے دیکھنے والے کو گھن آتی ہے۔

کسی کے سامنے چلمچی میں ہاتھ دھونے سے احتراز:

⑥ آپ حتی الامکان چلمچی وغیرہ میں ہاتھ نہیں دھوتے، اگر کبھی کسی کے ہاں بمجبوری چلمچی وغیرہ میں ہاتھ دھونے ہی پڑ گئے تو اس میں کلی کرنے سے احتراز فرماتے ہیں، بسا اوقات کسی کے یہاں بیسن کے نیچے کا پائپ ٹوٹ جاتا ہے تو اس کے نیچے بالٹی وغیرہ رکھ دیتے ہیں جس میں پانی جمع ہوتا رہتا ہے، آپ ایسے بیسن میں بھی کلی نہیں کرتے۔

خلال کے لئے تنہائی کی تلاش،

⑦ آپ کسی وقت بھی کوئی چیز کھاتے ہیں تو اس کے بعد کلی کے ساتھ دانتوں میں خلال کا التزام فرماتے ہیں اور اس مقصد کے لئے تنہائی کی جگہ تلاش کرتے ہیں، کسی کے سامنے خلال نہیں کرتے تاکہ اسے دیکھ کر کسی کو طبعی اذیت نہ پہنچے۔

چھلکے چوسنے کے بعد اُلٹے رکھنا:

⑧ آم یا موسمی وغیرہ کھاتے ہیں تو اس کے چھلکے چُوسنے کے بعد اُلٹے رکھتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے ہیں اس لئے کہ چھلکے سیدھے رکھنے سے ان پر لگی ہوئی رطوبت دیکھ کر طبعِ سلیم کو اذیت پہنچتی ہے۔

دو شخص کتنے فاصلہ سے بیٹھیں:

⑨ حضرت اقدس دامت برکاتہم اس ادب کی بہت تاکید فرماتے ہیں کہ دو شخص آمنے سامنے بیٹھ کر آپس میں کوئی بات کرنا چاہیں تو دونوں کے درمیان کم از کم ایک میٹر فاصلہ رکھنا ضروری ہے تاکہ بات کرنے والے کے سانس کی ہوا دوسرے تک نہ پہنچے اور اس کی ناگواری کا باعث نہ بنے۔ ایک طرف بیٹھیں تو بھی زیادہ قریب نہ ہوں بالخصوص بات کرتے وقت منہ زیادہ قریب نہ کریں۔

حرمین شریفین میں موزوں کے استعمال میں حکمت:

⑩ حضرتِ والا حرمین شریفین میں موزے نہیں پہنتے تھے، بعض خدام نے موزے پہننے کی درخواست کی تو فرمایا:

> ”میں حرمین شریفین کے فرش سے برکت حاصل کرنے کے لئے اس پر برہنہ پاؤں رہنا چاہتا ہوں، فرش اور پاؤں کے درمیان موزے کا پردہ گوارا نہیں۔“

اس کے بعد ایک بار فرمایا:

> ”حرمین شریفین میں خشکی اور زیادہ وقت مسجد میں برہنہ پاؤں رہنے بالخصوص طواف میں برہنہ پاؤں چلنے سے بہت سے لوگوں کے پاؤں

کے تلوے بہت پھٹے ہوئے ہوتے ہیں، بالخصوص ایڑیوں کی حالت بہت خراب ہوتی ہے، ان پر نظر پڑتی ہے تو دل میں کچھ بدنمائی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ ایک بار خیال آیا کہ خود اپنے پاؤں کے تلوے تو دیکھوں کہ ان کا کیا حال ہے؟ دیکھا تو ایڑیوں پر بہت معمولی سی پھٹن کے کچھ نشان نظر آئے، اس سے مجھے دو سبق ملے۔

ایک یہ کہ اگر کبھی دوسروں کے عیوب کی طرف نظر جائے تو فوراً اپنے نفس کا محاسبہ کر کے اپنے عیوب کی اصلاح کی طرف متوجہ ہو جانا چاہئے۔

بحمد اللہ تعالیٰ میں اصلاحِ نفس کے اس اصول پر عمل کرنے کا اہتمام کرتا ہوں، اس واقعہ سے اس کی افادیت کا تازہ ظہور ہوا۔

دوسرا سبق یہ ملا کہ جیسے مجھے دوسروں کے پاؤں دیکھ کر کچھ انقباض ہوتا ہے، اسی طرح ممکن ہے کہ میرے پاؤں کی ایڑیوں میں پھٹن کے بہت معمولی سے نشان بھی کسی نازک طبع کی نظر میں کھٹکتے ہوں، اس لئے میں نے اسی وقت طے کر لیا کہ آئندہ حرمین شریفین میں موزے پہن کر حاضر ہوا کروں گا، تبرک حاصل کرنے کی بنسبت دوسروں کو ایذاء سے بچانے کی فکر زیادہ اہم ہے اور اس کا زیادہ ثواب ہے۔“

اپنے شاگردوں سے معذرت:

(۱۱) حضرتِ والا کا معمول ہے کہ زیرِ تربیت علماء کی اصلاحِ ظاہر و باطن کے علاوہ ان سے علمی سؤالات کا سلسلہ بھی بکثرت جاری رکھتے ہیں، اس کے تین فائدے ارشاد فرماتے ہیں:

۱ — زیر تربیت علماء کی علمی ترقی۔

۲ — اپنے علوم تازہ رہتے ہیں۔

۳ — کبھی کسی عالم سے کوئی نئی بات مل جاتی ہے جس سے اپنے علم میں ترقی ہوتی ہے۔

ایک بار سفر میں حضرتِ والا کی خدمت میں علماء کا مجمع تھا جن میں سے بعض حضرتِ والا کے شاگرد تھے، ان کی طرف توجہ ہوئی تو غلبۂ شفقت کی وجہ سے دوسرے علماء سے نظر ہٹ گئی اور یوں سمجھنے لگے کہ اپنے شاگردوں ہی کی مجلس ہے، اس لئے حسبِ عادت ان سے سوالاتِ علمیہ کا سلسلہ شروع فرما دیا۔

بعد میں احساس ہوا کہ اغیار کے سامنے اپنے شاگرد علماء سے بھی اس قسم کے سوالات کرنے میں ان کی خفت ہے، جو آداب المعاشرہ کے خلاف ہے، اگرچہ یہ فعل قصداً نہیں کیا مگر قاعدہ یہ ہے:

"عدمِ قصدِ ایذاء کافی نہیں قصدِ عدمِ ایذاء ضروری ہے۔"

یعنی ایذاءِ غیر کے گناہ سے بچنے کے لئے یہ کافی نہیں کہ آپ نے قصداً ایذاء نہیں پہنچائی بلکہ ایسے ہوشیار رہنا ضروری ہے کہ کسی کو آپ کے کسی قول یا فعل سے بلا قصد غیر شعوری طور پر بھی کوئی ایذاء نہ پہنچنے پائے۔

حضرتِ والا نے اپنے ان شاگردوں سے معافی چاہی، انہوں نے عرض کیا:

"ہمیں کوئی خفت محسوس نہیں ہوئی بلکہ حضرت کی شفقت سے بہت مسرت ہوئی۔"

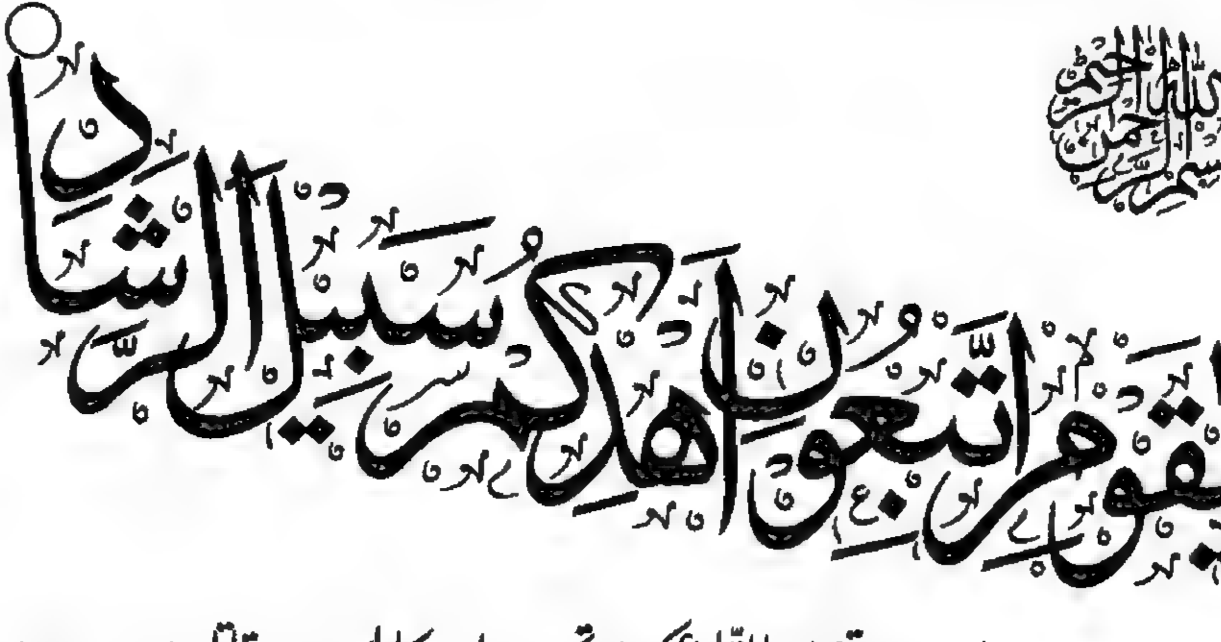
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ

اے میری قوم! میرا اِتّباع کرو میں تمہیں ہدایت کا راستہ بتاتا ہوں (۴۰-۳۸)

نظافتِ ونزاکتِ ظاہرہ وباطنہ

حدیث میں نظافتِ ظاہرہ کی بھی بہت تاکید آئی ہے۔

حضرتِ والا کے یہاں نظافتِ ظاہرہ وباطنہ دونوں کا بہت زیادہ اہتمام ہے، اپنے احباب ومتعلقین کو بھی اس کی بہت تاکید فرماتے رہتے ہیں۔ نظافتِ باطنہ یعنی گناہوں سے بچنے اور کثرتِ توبہ واستغفار کی تلقین وتبلیغ تو آپ کی زندگی کا جزء اور آپ کی روزانہ وہفتہ وار مجالسِ رُشد وہدایت کا محور ہے، بالخصوص عوام کو ایسے گناہوں سے بچانے کی فکر جو معاشرہ میں اس طرح داخل ہوچکے ہیں کہ انہیں گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا۔ علماء وصلحاء اور دیندار گھرانے بھی ان میں مبتلا ہیں۔

آپ کے مطبوعہ مواعظ مثلاً ''ترکِ گناہ''، ''حفاظتِ نظر''، ''ایمان کی کسوٹی''، ''علم کے مطابق عمل کیوں نہیں ہوتا؟''، ''بدعاتِ مروجہ''، ''ترکِ منکرات سے کیسے ہر پریشانی اور مشکل دور ہوجاتی ہے؟''، ''شرعی پردہ''، ''زندگی کا گوشوارہ'' وغیرہ پڑھنے والے حضرات پر واضح ہے کہ ان مواعظ میں ترکِ منکرات پر کس قدر زور دیا گیا ہے، آپ بار بار بہت قوت وشدت سے بیان فرماتے ہیں کہ نیکی کا معیار اور جہنم سے نجات کا مدار اوراد ووظائف اور تسبیحات ونوافل پر نہیں، بلکہ ترکِ معاصی اور توبہ واستغفار پر ہے۔ اس پر قرآن وحدیث کی نصوص، اللہ تعالیٰ اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح ارشادات کی بہت طویل فہرست پیش فرمانے کے بعد عقلی دلائل سے بھی ثابت فرماتے ہیں، اور پھر مختلف مثالوں سے اس حقیقت کو دلوں میں اتار دیتے ہیں۔ ڈاڑھی کٹانا یا منڈانا، تصویر رکھنا، گانا بجانا، غیبت کرنا یا سننا، ساری جائیداد بیٹوں کو دے کر

بیٹیوں کو محروم کر دینا، بہنوں کو حصّۂ وراثت نہ دینا، سودی لین دین، بنک اور بیمہ وغیرہ جیسی ناجائز اور حرام ملازمت، ایسی حرام آمدنی والوں کی دعوت یا ہدیّہ قبول کرنا، خلافِ شرع لباس، فضول ولایعنی کام وکلام، عورتوں میں بے پردگی، دیور، جیٹھ، نندوئی، بہنوئی، خالہ زاد، ماموں زاد، چچازاد، پھوپھی زاد وغیرہ سے پردہ نہ کرنا وغیرہ منکرات اور کسی کی موت وایصالِ ثواب کے موقع پر مروّجہ بدعات کے خلاف جہاد میں آپ کو ایسا امتیاز وانفرادیّت حاصل ہے کہ جو شخص بھی ان گناہوں سے متعلق کچھ کہے گا اس کے بارہ میں عوام وخواص سب کو یقین ہو جاتا ہے کہ اس کا حضرتِ والا کے ساتھ تعلق ہے۔

عِلاوہ ازیں اللہ تعالیٰ پر توکل واعتماد اور غیر اللہ سے استغناء وقطعِ نظر پر بھی آپ بکثرت بیان فرماتے ہیں، اور غضب، حسد، عُجب، کبر، ریاء، حُبِّ مال، حُبِّ جاہ وغیرہ رذائل سے تزکیۂ باطن وتنظیفِ قلب آپ کے مطبِ روحانی ومجالسِ رشد وہدایت کا خاص حصّہ ہے۔

اس نظافتِ باطنہ کے ساتھ نظافتِ ظاہرہ کا بھی بہت اہتمام فرماتے ہیں، اور احباب ومتعلقین کو بھی بہت اہمیّت کے ساتھ اس کی تلقین وتبلیغ فرماتے رہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد:

نَظِّفُوْٓا اَفْنِيَتَكُمْ ۔ رَوَاهُ التِّرمذی۔

"اپنے گھروں کی فِنا صاف رکھو۔"

بکثرت نقل فرماتے ہیں اور اس کی تشریح یوں فرماتے ہیں:

> "جب گھر کی فنا یعنی مکان کی حدود سے باہر قرب وجوار میں مکان سے ملحق حصہ صاف رکھنے کا حکم ہے تو مکان کے صحن کی صفائی کا حکم اس سے بھی زیادہ مؤکد ہوگا، اور کمروں کی صفائی اس سے بھی

زیادہ مؤکّد، بستروں کی صفائی اس سے زیادہ مؤکّد، لباس کی صفائی اس سے زیادہ مؤکّد، جسم کی صفائی اس سے زیادہ مؤکّد اور قلب کی صفائی اس سے بھی زیادہ مؤکّد، اس لئے بیت الخلاء، غسل خانہ، باورچی خانہ، کمرے، برآمدہ اور صحن وغیرہ کے فرش یا در و دیوار وغیرہ پر کہیں بھی کسی قسم کا کوئی داغ دھبّا نظر آئے تو اسے فوراً صاف کیجئے اور ساتھ ساتھ قلب کی صفائی کے لئے استغفار بھی کرتے رہیئے۔

فرش اور در و دیوار جیسی ظاہری چیزوں پر داغ دھبّے دیکھ کر اگر کسی بے حس کے دماغ پر چوٹ نہیں لگتی اور وہ انھیں جلد از جلد صاف کرنے کے لئے بے تاب نہیں ہو جاتا تو اسے اپنے قلب کے داغ دھبّے صاف کرنے کی کیا فکر ہو گی؟

شہر میں مختلف مقامات پر لگے ہوئے بورڈ:

"اپنے شہر کو آئینہ کی طرح صاف رکھئے۔"

پر جیسے ہی نظر پڑے فوراً استغفار کر کے اپنے دل کے آئینہ کو صاف کر لیا کریں۔

ظاہر کی صفائی اس لئے بھی ضروری ہے کہ ظاہر کا باطن پر اثر پڑتا ہے۔"

آپ کے مکان میں صفائی کا اس قدر اہتمام ہے کہ دنیوی لحاظ سے بہت اونچے طبقہ اور بہت ترقی یافتہ گھرانوں اور مغربی تہذیب والوں بلکہ یورپ میں رہنے والوں کے ہاں اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں۔ ایک بار ایک نواب صاحب کی اہلیہ آپ کے مکان میں آئیں، صفائی و حُسنِ سلیقہ دیکھ کر ایسی متأثر ہوئیں کہ گھر جا کر بتایا:

"حضرت کے مکان میں تو ماشاء اللہ انوار برس رہے ہیں"۔

آپ فرمایا کرتے ہیں؛

"مغرب زدہ لوگوں کی صفائی پوشاک پر استری اور چہرہ پر پھاوڑا (سیفٹی) چلانے تک محدود ہے"۔

صفائی کے خلاف چیزوں کا اس قدر احساس کہ اگالدان کی صورت بلکہ اس کے تصور سے بھی شدید نفرت ہے، جی متلانے لگتا ہے۔ آپ اگالدان کو "محیض الرجال" (مردوں کے حیض کی جگہ) کہتے ہیں۔ حضرت اقدس جب دار العلوم کورنگی میں شیخ الحدیث تھے اُس زمانہ میں دوسرے اساتذۂ حدیث کی ضرورت کے لئے دار الحدیث میں اگالدان رکھا رہتا تھا، حضرت جب درسِ صحیح بخاری کے لئے دار الحدیث میں تشریف لاتے تو وہاں سے اگالدان اُٹھوا دیتے تھے، بلکہ ایک خادم کے ذمہ لگا رکھا تھا کہ وہ دار الحدیث میں حضرتِ اقدس کی تشریف آوری سے قبل ہی اگالدان نکال دیا کریں۔

آم وغیرہ کھاتے ہیں تو چھلکے الٹے رکھتے ہیں۔

حتی الامکان رومال سے ناک صاف نہیں کرتے، پانی سے دھوتے ہیں۔

پانی نہ ملنے کی صورت میں ناک صاف کرنے کے لئے پہلے کپڑے کا رُومال استعمال کرتے تھے، جسے ایک بار استعمال کرنے کے بعد دھوئے بغیر جیب میں نہیں رکھتے تھے۔ اب ٹشو استعمال کرتے ہیں، اسے بھی استعمال کے بعد جیب میں نہیں ڈالتے اور نہ ہی کہیں ایسی جگہ پھینکتے ہیں جہاں کسی کی نظر پڑے۔

اوپر آپ کے مخصوص کمرے میں بیسن لگا ہوا ہے، اس کا پانی نیچے پودوں کی کیاری میں گرتا ہے، آپ اس بیسن میں کبھی بھی ناک صاف نہیں کرتے بلکہ لعاب کی رطوبت بھی نہیں ڈالتے۔

آپ نے ایک بار اس کی یہ وجوہ بیان فرمائیں؛

۱ — یہ پانی گٹر میں نہیں جاتا کیاری میں پھیلتا ہے اس لئے اس میں کسی قسم کی رطوبت شامل ہونے سے کیاری میں تعفّن پیدا ہوگا جس سے دوسروں کو ایذاء پہنچے گی۔

۲ — تعفّن سے مختلف امراض پیدا ہوتے ہیں۔

۳ — ممکن ہے کہ کسی وقت کیاری میں رطوبت کا کسی قسم کا کوئی نشان ظاہر ہو، اس پر کسی کی نظر پڑ گئی تو اسے تکلیف ہوگی۔

۴ — مالی کو تکلیف ہوگی۔

۵ — میری کسی قسم کی کوئی رطوبت کسی کے سامنے ظاہر ہو، اس سے مجھے بہت شرم آتی ہے۔

آپ نزلہ و زکام کی شدت میں بھی اس بیسن میں ناک یا گلے کی رطوبت نہیں ڈالتے۔ یہ بھی اوپر لکھا جا چکا ہے کہ آپ کو اگالدان سے سخت نفرت ہے اور چلمچی وغیرہ میں بھی کلی تک نہیں کرتے۔ اوپر یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ جب تک پانی میسّر ہو آپ رومال سے ناک صاف نہیں کرتے، بلکہ پانی سے دھوتے ہیں۔ ان عاداتِ نظیفہ و خصائلِ لطیفہ کی بنا پر آپ اپنے کمرے سے باہر دور صحن میں جا کر ناک اور گلے کی رطوبت گٹر میں بہاتے ہیں اور پانی سے ناک صاف کرتے ہیں۔ نزلہ و زکام کی شدت میں بھی بار بار کمرے سے اٹھ کر باہر دور جانے کی زحمت گوارا فرما لیتے ہیں مگر نظافتِ طبع و لطافتِ مزاج کے خلاف مذکورہ صورتوں میں سے کسی پر عمل کرنا گوارا نہیں۔

لباس پر کہیں بہت معمولی سا اور بہت ہی باریک دھبا نظر آ جائے تو بے قرار ہو جاتے ہیں اور ساتھ ہی یوں بھی ارشاد فرماتے ہیں:

”دل کے دھبوں کو صاف کرنے کی فکر اس سے بھی کئی گنا زیادہ ہونا چاہئے۔“

مزید فرماتے ہیں:

"جنہیں ظاہری دھبے نظر نہیں آتے ان کی نظر دل میں پوشیدہ دھبوں تک کیسے پہنچ سکتی ہے؟ جب وہ نظر ہی نہیں آتے تو انہیں صاف کرنے کی کیا فکر ہوگی؟"

عام طور پر لوگ مصلّی اس طرح لپیٹتے ہیں کہ جس جگہ پاؤں رکھے جاتے ہیں اسے اٹھا کر سجدہ میں پیشانی کی جگہ کے اوپر رکھ دیتے ہیں۔ حضرت والا اس سے احتراز فرماتے ہیں اور دوسروں کو بھی ہدایت فرماتے ہیں کہ اس میں دو قباحتیں ہیں:

۱ ـــ یہ لطافتِ طبع کے سخت خلاف ہے۔

۲ ـــ پاؤں کا مقام اوپر اور موضعِ سجود اس کے نیچے، یہ خلافِ ادب ہے۔

پھر صحیح تہ لگانے کی دو صورتیں ارشاد فرماتے ہیں:

۱ ـــ مصلّی کے سر کی جانب اٹھا کر درمیان تک لائیں، پھر پاؤں کی جانب اٹھا کر اس کا کنارہ سر والی جانب کے کنارہ سے ملادیں۔

۲ ـــ مصلّی کی پوری لمبائی میں دائیں جانب اٹھا کر بائیں جانب پر رکھیں۔

آپ ٹوپی کسی کرسی یا بستر یا خالی چارپائی یا مصلّی وغیرہ پر بیٹھنے کی جگہ اور پاؤں کی طرف نہیں رکھتے، بلکہ سرہانے کی طرف یا تکیہ پر یا کرسی کے بازو پر رکھتے ہیں۔

موزے خواہ دُھلے ہوئے یا نئے ہی کیوں نہ ہوں مصلّی یا بستر بلکہ خالی چارپائی پر بھی سرہانے کی طرف نہیں رکھتے۔

آپ نہانے کے بعد جو تولیا استعمال فرماتے ہیں اس کی ایک طرف سر اور چہرہ کے لئے مخصوص ہے اور دوسری طرف سینہ، شکم، بازو اور پیٹھ کے لئے، پھر سر اور چہرہ ہر ایک کے لئے الگ الگ حصہ متعین ہے۔ نچلا دھڑ ٹشو سے خشک کرتے ہیں، تولیا نہیں لگنے دیتے، اس کے باوجود نظافت کا یہ عالم کہ تولئے کی جو

طرف سینہ اور شکم پر لگتی ہے اسے سر اور چہرہ سے نہیں چھونے دیتے۔

علاوہ ازیں ناک کے سامنے سے وضو یا غسل کا پانی خشک کرنے کے لئے تولئے کی ایک جگہ متعین ہے، جسے بدن کے کسی دوسرے حصّہ سے نہیں چھونے دیتے۔

ایک بار آپ نے اپنے خادم خاص کو اپنی رزائی کی ایک طرف پر مخصوص قسم کے علامتی نشان دکھلا کر ان سے دریافت فرمایا:

”بتائیے یہ نشان کس مقصد کے لئے لگوائے گئے ہیں؟“

ان سے یہ معمّیٰ حل نہ ہوا تو ارشاد فرمایا:

”رزائی کی پائنتی کی طرف یہ نشان بطورِ علامت لگوائے ہیں تاکہ کبھی پاؤں والی جانب سَر کی طرف نہ آجائے۔“

آپ رزائی میں چہرہ نہیں چھپاتے اس کے باوجود آپ کی نظافتِ طبع کو اس کا تحمّل نہیں کہ رزائی کی جو جانب کبھی پاؤں پر آئی ہے وہ سر کی طرف چہرہ کے قریب بھی آئے، حالانکہ آپ کے پاؤں نہایت صاف ستھرے ہوتے ہیں۔ مندرجۂ ذیل لطیفہ میں آپ کے جوتوں کی نظافت کا حال ملاحظہ فرما کر اس سے اندازہ لگائیں کہ پیروں کی نظافت کا آپ کے ہاں کتنا اہتمام ہوگا۔

لطیفہ:

ایک بار سفر میں آپ کے جوتوں پر کچھ ہلکا سا غبار نظر آنے لگا، ایک جگہ آپ نے جوتے اتارے تو آپ کے خادمِ خاص نے موقعِ غنیمت پاکر بصد اشتیاق اپنی جیب سے بہت قیمتی، نیا اور نہایت صاف ستھرا رومال نکالا اور اس سے جوتے صاف کرنے لگے۔

حضرتِ والا نے عجیب دلکش مسکراہٹ سے فرمایا:

”ارے رومال میں کہیں پالش تو نہیں لگی ہوئی؟“

حضرتِ والا مسجد کی صفوں میں سجدہ کی جگہ پاؤں رکھنے سے احتراز فرماتے ہیں، دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے ہیں۔

عام لوگ تو مصلی پر بھی سجدہ کی جگہ پاؤں نہ رکھنے کی احتیاط نہیں کرتے، مگر حضرت اقدس دامت برکاتہم کے قلبِ مبارک میں نظافت کا اہتمام اور سجدہ کے مقام کا احترام دیکھئے کہ فرش پر بھی سجدہ کی جگہ پاؤں نہیں رکھتے۔

"دار الافتاء والارشاد" کے دفتر میں حضرت والا کی نشست سے دائیں جانب مشرق کی طرف آپ کے نائب کی نشست ہے، درمیان میں ایک ڈیسک ہے جس پر اصلاحی ڈاک اور فتاویٰ سے متعلقہ کاغذات رکھے رہتے ہیں، حضرتِ والا کبھی دفتر میں نفل پڑھنا چاہتے ہیں تو اپنی نشست پر ہی پڑھتے ہیں، جس کی وجہ سے شرقی جانب میں ڈیسک پر رکھے ہوئے کاغذات کی طرف پشت ہوتی ہے، اس محظور سے بچنے کی غرض سے ان کاغذات کو چھپانے کے لئے کوئی صاف کپڑا منگوا کر ان پر ڈلواتے ہیں، اس قدر تکلف گوارا فرمالیتے ہیں مگر اپنی نشست سے ہٹ کر دوسری جگہ قالین پر نماز نہیں پڑھتے، اس تکلف کی وجہ یوں ارشاد فرماتے ہیں:

> "یہاں لوگ بیٹھتے ہیں، ان کی مقعد کی جگہ سجدہ کرنے کو دل نہیں چاہتا۔"

لطیفہ:

حضرت والا سردیوں میں سر اور گردن پر رومال لپیٹتے ہیں، ایک بار گاڑی میں جاتے ہوئے یہ رومال خادم خاص کے سپرد فرما دیا، ایک جگہ گاڑی سے اُترے تو خادم نے رومال گاڑی میں اپنی نشست پر رکھ دیا، آپ نے فرمایا:

> "ارے نالائق! اپنی "انگیٹھی" کی جگہ میرا رومال رکھ دیا، اٹھا! اب اسے اپنے سر پر رکھ۔"

آپ کبھی بھی، پانی کے بغیر خشک خلال نہیں کرتے، ہمیشہ کلی کے ساتھ خلال کرتے ہیں۔ خلال منہ سے نکالنے کے بعد دھوئے بغیر دوبارہ دانتوں میں نہیں لگاتے، منہ سے نکال کر دھوتے ہیں، کلی کرتے ہیں، اس کے بعد دوبارہ خلال کرتے ہیں، جب تک دانتوں کی پوری صفائی نہیں ہو جاتی یہی سلسلہ رہتا ہے کہ خلال کو منہ سے نکالا، دھویا، کلی کی اور پھر خلال کیا۔ آپ کو بغیر پانی کے خشک خلال کے ذریعہ دانتوں کو کرید کر ان سے غذا کے ذرات نکالنے سے بہت گھن آتی ہے، حتیٰ کہ آپ کلی والا خلال بھی کسی کے سامنے نہیں کرتے، خلوت میں کرتے ہیں۔

آپ پہننے کے کپڑے اس ترتیب سے رکھتے ہیں:

"سب سے نیچے موزے، ان کے اوپر شلوار، اس کے اوپر کرتا، اس پر بنیان، اس کے اوپر ٹوپی۔"

مستعمل کپڑے اتارتے ہیں تو ان کی تہ لگا کر ان کو بھی اسی ترتیب کے ساتھ سلیقہ سے رکھتے ہیں۔

دھلنے کے لئے اتارے ہوئے کپڑے کھلے نہیں چھوڑتے، فوراً کپڑے دھونے کی مشین میں ڈال دیتے ہیں یا تہ لگا کر ترتیبِ مذکور کے مطابق رکھ کر کسی تھیلی وغیرہ میں ڈال دیتے ہیں۔

پاؤں کو بلا ضرورت ہاتھ نہیں لگاتے، اگر کبھی کسی ضرورت سے ہاتھ لگانا پڑتا ہے تو فوراً دھونے کی فکر۔

ناک کے سوراخ کو انگلی چھو جائے تو دھوئے بغیر چین نہیں آتا۔

آپ بنوٹ کی ورزش کے لئے کپڑے کا بند جوتا پہنتے ہیں، جوتا اتارتے ہیں تو جوتا پہننے کا آلہ جوتے کے دائیں پاؤں میں اور صاف کرنے کا برش بائیں پاؤں میں رکھتے ہیں۔

بعض لوگ کاغذوں میں لگانے کی سوئی یا کلپ منہ میں پکڑ لیتے ہیں، حضرت والا ان کو یوں ہدایت فرماتے ہیں:

"یہ عقل و نظافت دونوں کے خلاف ہے، واللہ اعلم یہ سوئیاں کس کس کے منہ میں ہو کر آتی ہیں، مردوں، عورتوں، بھنگیوں، شرابیوں کے لعابِ دہن میں نہا کر۔"

بعض لوگ نوٹ گنتے وقت انگلی کو لعاب لگاتے ہیں، حضرتِ والا ارشاد فرماتے ہیں:

"نوٹ کو کیسے کیسے ہاتھ اور کیسے کیسے لعاب لگے ہوں گے جو آپ اپنے منہ میں لے جا رہے ہیں۔"

بعض لوگ لفافہ بند کرتے وقت گوند پر انگلی سے لعاب لگاتے ہیں، حضرتِ والا فرماتے ہیں:

"یہ نظافت کے سخت خلاف ہے اور اس سے بڑی حماقت تو کیا ہوگی کہ زبان سے گوند کو چاٹ کر تر کر کے چپکایا جائے، واللہ اعلم یہ گوند کیسے کیسے مراحل سے گزرا ہے۔"

حضرتِ والا فرماتے ہیں:

"اِس زمانہ کا "بزعمِ خود ترقی یافتہ انسان" دکھلاوے کے فیشن تو بہت کرتا ہے مگر اس کو نظافت کا کچھ خیال نہیں، بلکہ ان کے حالات سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کو نظافت سے سخت نفرت ہے۔"

اس بارہ میں حضرتِ والا دو عجیب قصے مجالس میں بیان فرماتے ہیں:

۱ــــ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی زمین کے لئے ٹریکٹر خریدا،

کمپنی نے کچھ۔ ن کے لئے ایک مکینک بھی ساتھ دے دیا، ایک بار وہ ٹریکٹر کے پاس لیٹ کر اس کے نیچے کام کر رہا تھا، بوشرٹ کی آستین سے میری نظر اس کی بغل پر پڑ گئی، اتنے بڑے بال کہ متلی ہونے لگی، اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دوسرے پوشیدہ مقامات کا کیا حال ہوگا؟ چہرہ پر سیفٹی اور کپڑوں پر استری روزانہ بلاناغہ اور اندر کالا۔

۲۔ ایک بار مکہ مکرمہ میں میرے شقہ کے ساتھ والے شقہ میں لندن میں رہنے والے لوگ مقیم ہوئے، حمام مشترک تھا، میں خوش ہوا کہ یہ "ترقی یافتہ انسان" صفائی کا خوب اہتمام رکھیں گے، مگر حالات بالکل برعکس، بیت الخلاء میں پانی نہیں بہاتے تھے، سرمایہ زیادہ سے زیادہ جمع رکھتے تھے۔ میں نے بیت الخلاء کے دروازہ پر لکھوایا کہ پانی بہایا کریں، کچھ اثر نہ ہوا تو زبانی کہلوایا، مگر معلوم ہوتا ہے کہ پاخانہ سونگھنے کے نشہ سے مجبور تھے۔ ان کے ساتھ ایک بچہ تھا جو اپنی خالہ کو "آنٹی" کہتا تھا، ہر وقت "آنٹی، آنٹی" کی رٹ لگائے رکھتا تھا، میں نے ان لوگوں کی غلاظتِ طبع کو دیکھ کر یہ اصطلاح بنالی کہ ہر گندی چیز کو "لیٹرین آنٹی آف لنڈن" کہنے لگا۔

حضرتِ والا گرمیوں میں بھی مسجد یا دفتر تشریف لاتے وقت موزے پہنتے ہیں، ایک بار مجلسِ خدام میں اس کی یہ وجوہ ارشاد فرمائیں:

۱۔ موزے کے بغیر جوتا پاؤں کے درمیان ابھری ہوئی ہڈی پر چبھتا ہے، جس سے زخم ہو جانے کا خطرہ ہے۔

حالانکہ آپ کے جوتے نہایت نفیس اور بہت نرم ہوتے ہیں۔

اس قدر نزاکتِ جلد کے ساتھ فنونِ جہاد میں کمال اور محیّر العقول مجاہدانہ کارنامے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اعجوبہ اور اس کی طرف سے عنایتِ خاصہ و

کرامتِ ظاہرہ ہے۔

۲— خالی فرش پر برہنہ پاؤں رکھنے سے پاؤں کے تلوے میں غبار لگ جاتا ہے، پھر اسی طرح مصلیٰ اور قالین پر چلے جائیں تو وہ میلے ہوں گے، موزے کے نیچے لگے ہوئے غبار کا مصلیٰ پر اتنا اثر نہیں ہوتا۔

۳— بعض مرتبہ کسی چپکنے والی چیز کا کوئی ذرہ پاؤں کے تلوے میں چپک جاتا ہے جس کا پتا نہیں چلتا، اسی طرح وضو کر لیا تو وضو نہ نماز۔

ایک بار حضرتِ والا دفتر میں تشریف فرما تھے، تلامذہ میں سے ایک مولوی صاحب کی نظر آپ کے قدم مبارک کے تلوے پر پڑی تو بغور کا ذرہ چپکا دیکھا، انہوں نے حضرتِ والا کو اس کی خبر دی تو آپ نے فرمایا:

من جانب اللہ یہ حادثہ پیش آنے سے تین سبق ملے:

۱— آیندہ موزے پہننے کا مزید اہتمام کیا جائے، اگر اس وقت اس دھبے کا علم نہ ہوتا تو وضو کیسے ہوتا، نماز برباد۔

۲— آیندہ ہر وضو سے قبل پاؤں کے تلوے دیکھنے کا اہتمام کروں گا۔

۳— دل کو دھبوں سے بچانے کے لئے اس سے بھی زیادہ ہشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

حضرتِ والا اپنی گاڑی کی صفائی کا بھی بہت خیال رکھتے ہیں۔ اندر، باہر، نیچے، اوپر صفائی کا خوب اہتمام فرماتے ہیں، نظافت و صفائی کے ساتھ گاڑی کے ہر معاملہ میں حسنِ سلیقہ بھی سب سے ممتاز، مثلاً گاڑی لگانے میں امورِ ذیل کا اہتمام:

۱— گاڑی بالکل اس طرح سیدھی کہ چاروں زاویئے برابر۔

۲— اگلے پہیئے بالکل سیدھے۔

۳— اسٹیرنگ بالکل سیدھا۔

گاڑی چلانے میں بھی حضرتِ والا ٹریفک کے قواعد و ضوابط کا پورا خیال

رکھتے ہیں، مزید بریں نہایت سلیقہ اور بہترین طریقہ سے چلاتے ہیں، دوسروں کو بھی قواعد وضوابط کی پابندی اور بہتر طریقہ سے چلانے کی بار بار ہدایات فرماتے رہتے ہیں، اس بارہ میں آپ کے ارشادات کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے:

"بے قاعدہ گاڑی چلانے کی عموماً دو وجوہ ہوتی ہیں:

۱- حُبِّ مال، چند ٹکوں کا پٹرول بچانے یا چند ٹکے کمانے کی ہَوَس میں قانون کی خلاف ورزی اور تیز رفتاری کے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں، چند پیسوں کی خاطر اپنی اور دوسروں کی گاڑیوں کو اور جانوں کو خطرہ میں ڈالتے ہیں۔

۲- یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا وبال ہے، نافرمانی کے وبال کا سب سے پہلا حملہ عقل پر ہوتا ہے، ایسے نافرمانوں کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ (۵۹-۱۹)

"انہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے اس کی پاداش میں ان کو ان کے نفوس کے نفع وضرر سے غافل کر دیا۔"

ان میں اتنی عقل نہیں رہتی کہ اپنے نفع ونقصان کو سوچ سکیں، عقل پر اللہ تعالیٰ کی بغاوت اور نافرمانیوں کا پردہ چڑھ جاتا ہے۔"

حضرتِ والا ایسے ڈرائیوروں کے حالات، گاڑی لگانے اور چلانے میں بے اصولی اور ہر موقع پر عقل وقانون کی خلاف ورزی دیکھ کر صحیح ڈرائیور بننے کا نسخہ یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"متی تکون سائقا صحیحا؟ اذا خالفت السائقین جمیعا.

"تو صحیح ڈرائیور کب بنے گا؟ جب سب ڈرائیوروں کے خلاف کرے گا۔"

نزاکتِ ظاہرہ و باطنہ کی بھی یہی کیفیت ہے۔ کوئی چیز بے سلیقہ رکھی ہو یا اپنے مقام سے ذرا سی ہٹ جائے یا رکھنے کی ہیئت میں ذرا سی تبدیلی آجائے تو اسے دیکھ کر آپ کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ آپ کی غیر موجودگی میں آپ کے کمرے میں کوئی شخص خواہ کتنی ہی احتیاط سے جائے اور کسی چیز کو نہ چھونے کا خواہ کتنا ہی اہتمام کرے تو بھی آپ کمرے میں داخل ہوتے ہی فورًا بلکہ کبھی اندر داخل ہونے سے قبل دروازہ سے باہر ہی فرماتے ہیں:

”کمرے میں کون آیا تھا؟“

ٹیلیفون، اس کا اسٹینڈ، ریسیور اور وائر رکھنے کا ایک مخصوص انداز ہے، ناواقف کو اس کا قطعًا کوئی احساس نہیں ہوسکتا کہ یہ سب چیزیں کسی خاص سلیقہ کی پابند ہیں۔

جیب کے قلم کے علاوہ قلمدان میں بہت قیمتی پانچ قلم تعمیلِ حکم کے لئے ہر وقت مستعد کھڑے رہتے ہیں۔ ایک قلم کی لمبائی ذرا سی کم تھی، اسے اونچائی میں دوسروں سے برابر کرنے کے لئے اس قدر اہتمام فرمایا کہ جس خانہ میں یہ قلم کھڑا ہے اس میں پلاسٹک کا ایک مخصوص قسم کا خوبصورت خول رکھ کر اس قلم کو اتنا اونچا کیا کہ اس کا سَر دوسرے قلموں کے سَروں سے بالکل برابر ہوگیا۔

ان قلموں کے بارہ میں ایک بار ارشاد فرمایا:

> ”میرے قلمدان میں پانچ قلم کھڑے ہیں، ان میں حسنِ سلیقہ کے لحاظ سے سات چیزوں کی رعایت رکھی گئی ہے۔“

ایک بار اپنے خادمِ خاص سے فرمایا:

> ”آپ میرے پاس چار سال سے رہ رہے ہیں، آج دیکھنا چاہتا ہوں کہ آپ نے سلیقہ کتنا سیکھا، میرے بستر پر تکیہ سلیقہ سے رکھیں۔“

خادم نے تکیہ کئی طرح اُلٹ پلٹ کر بار بار رکھا، مگر حتی المقدور محنت کے باوجود حضرتِ والا کے معیار کے مطابق حُسنِ سلیقہ کے امتحان میں کامیاب نہ ہوسکے تو حضرتِ والا نے فرمایا:

"آپ نے تو چار سال میں تکیہ رکھنا بھی نہ سیکھا۔"

آپ کے حُسنِ سلیقہ کا یہ عالم ہے کہ شیشی میں دواء کی گولیوں تک کی بالائی سطح برابر رکھتے ہیں۔

کہیں تھوڑی دیر کے لئے بھی گاڑی کھڑی کرتے ہیں تو اس کے پہیئے سیدھے کر کے کھڑی کرنے کا اہتمام فرماتے ہیں۔ عموماً لوگ اس کا خیال نہیں کرتے۔ حضرتِ والا کو کھڑی گاڑی کے ٹیڑھے پہیئے دیکھ کر بہت کوفت ہوتی ہے۔

کپڑے یا کاغذ کی تہ لگاتے ہیں تو بہت اہتمام سے دونوں طرف کے کنارے آپس میں بالکل برابر کرتے ہیں، کیا مجال کہ بقدرِ سرِ مو بھی فرق رہ جائے۔ سر پر ٹوپی رکھنے کا ایک خاص انداز ہے، اس میں بھی حُسنِ سلیقہ سے متعلق کئی چیزیں ملحوظ رکھتے ہیں۔

جس کرسی پر بیٹھ کر وعظ فرماتے ہیں، اس کے بارہ میں خدام کو ہدایت دے رکھی ہے کہ اسے رکھتے وقت ایک خاص ہیئت اور اس کے چاروں زاویوں کی استقامت کا اہتمام کریں۔

ترقی یافتہ ممالک کی دنیا بھر میں مشہور کمپنیوں کی مصنوعات پر دُور ہی سے محض ایک سرسری ہی سی نظر ڈال کر فوراً ان میں کئی عیوب بتا دیتے ہیں، بلکہ حاضرین کو دکھا بھی دیتے ہیں۔

چنانچہ ابھی چند ہی روز کا قصہ ہے کہ آپ نے مشہورِ عالم جاپانی کمپنی "شارپ" کا ریفریجریٹر خریدا۔ دوکاندار آپ کا واقف بلکہ عقیدتمند تھا، اس لئے آپ نے اس سے

فرمادیا کہ فلاں نوعیت کا اور فلاں سائز کا ریفریجریٹر بھجوادیں، ساتھ ہی اسے اس بات کی بار بار بہت زیادہ تاکید فرمائی کہ سامنے سے اس کے دروازہ کو خوب اچھی طرح دیکھ لیں کہ اس میں کوئی عیب نظر نہ آئے۔

دوکاندار نے پورا اطمینان دلایا کہ ایسی مشہور کمپنیوں کی باضابطہ درآمد کردہ مصنوعات میں ایسا کوئی عیب ہو ہی نہیں سکتا، مع ہٰذا وہ بھیجنے سے پہلے خوب اچھی طرح دیکھ بھی لے گا۔

اس کے باوجود ریفریجریٹر مکان پر پہنچا تو حضرتِ والا نے اس کے بند دروازہ پر دور ہی سے ایک نظر ڈالتے ہی فوراً اس میں چار عیب حاضرین کو دکھا دیئے، ایسے مواقع میں حضرت دامت برکاتہم عموماً یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے عیوب دیکھنے کی صلاحیت اور ان کی اصلاح کی فکر عطا فرمائیں۔"

آپ نے ایک بار دیوار میں نصب کردہ ایک بریکٹ پر نظر ڈال کر فرمایا:

"اس میں کچھ کجی محسوس ہو رہی ہے۔"

کسی دوسرے کو اس کا قطعاً کوئی احساس نہیں ہو رہا تھا، پیمائش کی گئی تو ایک میٹر کے فاصلہ پر صرف دو ملی میٹر کا فرق نکلا۔ یعنی بریکٹ کی ایک جانب زمین سے ایک میٹر بلند تھی مگر دوسری جانب کی بلندی اس سے دو ملی میٹر کم تھی۔ صرف نظر ڈالنے سے اتنے فاصلہ پر اتنے باریک فرق کا احساس؟ اس دقتِ نظر پر جتنا بھی تعجب کیا جائے کم ہے۔

حضرتِ اقدس دامت برکاتہم اکثر ارشاد فرماتے رہتے ہیں:

"ظاہری کجی کا احساس نہ ہونا باطنی کجی کی علامت ہے، علاوہ ازیں ظاہر کا باطن پر اثر پڑتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَکُمْ اَوْ لَیُخَالِفَنَّ اللّٰہُ بَیْنَ وُجُوْہِکُمْ۔
رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

”نماز میں صفیں سیدھی رکھا کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے اندر پھوٹ ڈال دیں گے۔“

اِسْتَوُوْا وَلَا تَخْتَلِفُوْا فَتَخْتَلِفَ قُلُوْبُکُمْ۔ رواہ مسلم۔

”صف میں سیدھے کھڑے ہوا کرو، آگے پیچھے نہ ہوا کرو، ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔“

اس لئے ہر چیز کو سلیقہ کے ساتھ سیدھی رکھنے کی کوشش کیا کریں اور ساتھ ہی اس سے یہ سبق بھی حاصل کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر دل کی استقامت اور زیغ وکجی سے حفاظت کی کوشش کرنا اس سے بھی بدرجہا زیادہ ضروری ہے، یہ سوچ کر اس کے لئے ہمت بلند کیا کریں اور اللہ تعالیٰ سے اس کی دُعا بھی کیا کریں۔“

حضرتِ والا کے کمرے کی ہر چیز میں حُسنِ سلیقہ تو ہے ہی، اس کے علاوہ بیشتر چیزوں کے مقام اور ہیئت وغیرہ میں اور بھی کئی مصلحتیں ہوتی ہیں مثلاً بسا اوقات کسی چیز کو کہیں رکھنے یا اس کی خاص ہیئت سے کوئی یادداشت مقصود ہوتی ہے، کوئی ناواقف اسے ذرا سا بھی ہاتھ لگا دیتا ہے تو مقصد فوت ہو جانے کی وجہ سے حضرتِ والا کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔

اس زمانہ کے عوام تو کیا خواص کی بھی بے شعوری اور بے حسی کا یہ حال ہو گیا ہے کہ کسی کے پاس جاتے ہیں تو وہاں رکھی ہوئی چیزوں کی چھیڑ چھاڑ کو بہت معمولی سی بات سمجھتے ہیں، کسی چیز کو صرف چھونے سے بھی صاحبِ خانہ کا کوئی نقصان ہو سکتا ہے اور اس سے اسے تکلیف ہوگی، یہ حقیقت تو اُن کے دماغ میں اُتارنے

کی کوشش کرنے سے بھی نہیں اُتر سکتی۔

ایک بار حضرت دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا:

> "چلنے کی ابتداء دائیں پاؤں سے کرنا اور زینہ پر پہلے دایاں پاؤں رکھنا مستحب ہے، مگر دار الافتاء سے مکان کی طرف جاتے وقت اس پر عمل کرنے میں مجھے عرصہ تک بہت دقت پیش آتی رہی، دار الافتاء سے چلنے کی ابتداء میں دایاں پاؤں پہلے اٹھاتا تو مکان کے زینہ کی پہلی سیڑھی پر بائیں پاؤں کی باری آتی، اس لئے دایاں پہلے رکھنے میں تکلف ہوتا۔ ایک روز میں نے یہ تدبیر کی کہ زینہ پر پہلے بایاں پاؤں رکھا پھر اسے واپس نیچے اتار کر دایاں پاؤں زینہ پر رکھا، بس اتنی سی مشقت کی بدولت آیندہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یوں دستگیری ہوئی کہ از خود ہی زینہ کی پہلی سیڑھی پر دائیں پاؤں کی باری آنے لگی، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے میرے قدم کا فاصلہ کچھ کم و بیش فرمادیا یا دار الافتاء سے مکان کے زینہ تک کی زمین کو قدرے سکیڑ دیا یا پھیلا دیا۔"

اس قصہ سے ثابت ہوا کہ حضرتِ والا کی ہر ادا، کی طرح آپ کی رفتار میں بھی ایسا سلیقہ ہے کہ اتنا طویل فاصلہ طے کرنے پر بھی آپ کے قدموں کی تعداد میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو پاتی۔

آپ کی نزاکت و ذہانت کا ایک لطیفہ سنئے۔ آپ کے یہاں ایک مہمان نے بیسن میں ہاتھ دھوئے، آپ نے ان سے فرمایا:

> "آپ کے مکان میں ٹونٹیوں کے واشر گھسے ہوئے ہیں۔"

انھوں نے اس کا اقرار کیا اور تعجب سے پوچھا:

"حضرت کو کیسے معلوم ہوا؟"

آپ نے فرمایا:

"آپ نے بیسن کی ٹونٹی ضرورت سے زیادہ کس دی ہے۔"

آپ کی نزاکتِ طبع کو دیکھ کر حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمہ اللہ تعالیٰ کے قصے یاد آجاتے ہیں۔

نزاکتِ ظاہرہ سے بھی بڑھ کر نزاکتِ باطنہ ہے، کوئی منکر (گناہ) دیکھ کر آپ کی صحت پر بہت برا اثر پڑتا ہے، اور کئی روز تک طبیعت سخت مضمحل رہتی ہے۔

غلبۂ حیاء

حضرت اقدس کی طبع مبارک میں پیدائشی طور پر اللہ تعالیٰ نے غلبۂ حیاء کی صفت ودیعت فرمائی ہے۔

ایک بار بچپن میں آپ کے والدِ محترم آپ کو اپنے گاؤں سے قریبی قصبہ میاں چنوں لے گئے، واپسی پر والد صاحب نے آپ کو اپنے مزارعین کے سپرد فرما دیا جو بیل گاڑی پر قصبہ سے اپنے گاؤں کی طرف آرہے تھے، راستہ میں مزارعین نے دوپہر کا کھانا کھایا اور حضرت سے بھی کھانے پر بہت اصرار کیا، مگر حیاء کی وجہ سے حضرت نے ایک لقمہ بھی نہیں اٹھایا، دن بھر بھوکے رہے، شام میں گھر پہنچ کر کھانا کھایا۔

استنجاء کے لئے مجلس سے اٹھ کر جانے میں گرانی محسوس ہوتی ہے، کسی کے سامنے بیت الخلاء میں داخل ہونے سے شرم آتی ہے، اسی لئے حضرتِ والا حالتِ اعتکاف میں استنجاء کے لئے دارالافتاء کے بیت الخلاء میں جانے کی بجائے اپنے مکان میں تشریف لے جاتے ہیں۔

کسی کی موجودگی میں ناک صاف کرنے بلکہ تھوکنے سے بھی حیاء مانع ہے، اسی لئے جب کبھی آپ کو زکام کی زیادہ تکلیف ہو اور ناک بار بار صاف کرنے کی ضرورت پڑتی ہو تو نماز کے لئے آپ مسجد میں تشریف نہیں لاتے بلکہ اپنے کمرے ہی میں امام کی اقتداء میں نماز ادا فرماتے ہیں۔

اس سلسلہ میں ارشاد فرمایا:

> "بحمد اللہ تعالیٰ میرے لئے جماعت میں شریک ہونے کی یہ صورت موجود ہے، اگر خدانخواستہ کہیں ایسی صورت نہ ہو تو میں اپنی اس حالت کو ایسا عذر سمجھتا ہوں کہ اس کی وجہ سے میرے لئے ترکِ جماعت جائز ہے، دوسروں کے سامنے بار بار ناک صاف کرنے سے سخت گرانی کے علاوہ یہ خیال بھی مسجد میں حاضری سے مانع بنتا ہے کہ دیکھنے والوں کو میرے اس فعل سے بہت گھن آئے گی اور انھیں سخت اذیّت پہنچے گی۔"

حضرتِ والا پر غلبۂ حیاء کا ایک اثر یہ بھی ہے کہ اپنی اولاد کے سامنے بھی کبھی بنیان نہیں اتارتے، بلکہ بلاضرورت کرتا اتارنے سے بھی پرہیز۔ گرمیوں میں گھر میں بنیان کے اوپر باریک کرتا پہنتے ہیں، باریک کرتے کے نیچے بنیان ہونے کے باوجود اس کرتے میں باہر نہیں نکلتے۔

اسی غلبۂ حیاء کی وجہ سے آپ نے اپنے وصیت نامہ نمبر ۳ کی وصیت نمبر ۱۱ میں تحریر فرمایا ہے:

> "میت کو غسل دیتے وقت جو کپڑا ناف سے زانو تک ڈالا جاتا ہے وہ تر ہونے کے بعد جسم کے ساتھ چپک جاتا ہے جس سے جسم کی رنگت اور حجم نظر آنے لگتا ہے، اس لئے مجھے غسل دیتے وقت ناف سے

زانو تک کے حصہ پر کوئی چارپائی وغیرہ رکھ کر اس کے اوپر چادر ڈال دی جائے یا چارپائی کی بجائے چادر کو دونوں طرف سے دو آدمی پکڑ کر جسم سے ذرا اونچی کھینچ کر رکھیں۔"

ایک بار مجلس وعظ میں اپنے بارہ میں اس وصیّت کی تاکید فرماتے ہوئے آپ پر شدید گریہ طاری ہوگیا، اور اس حالت میں یوں دُعاء فرمائی،

"یا اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے آج تک کسی کے سامنے بنیان بھی نہیں اُتاری، مرنے کے بعد جب میرا کوئی اختیار نہ رہے گا مجھے غسل دینے کے لئے ایسے افراد مقدر فرما جو مجھے رُسوا نہ کریں۔"

علم و اہل علم کا ادب و احترام

ادب و احترام کے فوائد و برکات لا محدود ہیں، خاص طور پر علم اور اس کی حامل کتابیں بہت زیادہ ادب و احترام کی مستحق ہیں، ادب و احترام کے انوار کے مشاہدہ کی بناء پر بزرگوں میں اس کا بہت زیادہ اہتمام پایا جاتا ہے، ان حضرات قدسی صفات کو جو کچھ بھی ملا وہ ادب و احترام ہی کا صلہ ہے ؎

از خدا جوئیم توفیقِ ادب
بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

"ہم اللہ تعالیٰ سے ادب کی توفیق مانگتے ہیں، بے ادب اللہ تعالیٰ کے فضل سے محروم رہتا ہے۔"

ہمارے حضرت اقدس دامت برکاتہم اس معاملہ میں بہت اہتمام فرماتے ہیں۔ کوئی دینی خدمت مثلاً تدریس، افتاء، تصنیف اور اصلاحی ڈاک کا کام کرتے وقت چار زانو نہیں بیٹھتے، اسی طرح علماء کی مجلس میں بھی چار زانو بیٹھنے کو خلافِ

ادب سمجھتے ہیں، حتی کہ اپنے ہم عمر علماء کی مجلس میں بھی چار زانو نہیں بیٹھتے۔

ٹیلیفون پر بھی اپنے کسی بڑے سے بات کرتے ہیں تو ایسی ہیئت سے بیٹھتے ہیں کہ جیسے حاضرِ خدمت ہو کر بالمشافہہ بات کر رہے ہیں۔

طلبہ کو بھی ہمیشہ یہ ہدایت فرماتے رہتے ہیں کہ علم اور اس میں برکت کا مدار علماء بالخصوص اساتذہ اور کتابوں کے احترام میں مضمر ہے۔

کتابوں کے احترام سے متعلق امورِ ذیل کا خود بھی بہت اہتمام فرماتے ہیں اور طلبہ کو بھی بہت تاکید فرماتے ہیں۔

① کتابوں کے ساتھ جو چیز لگ جائے اسے بھی بے حرمتی سے بچاتے ہیں، مثلاً کتاب میں نشان کے طور پر رکھا ہوا کاغذ کا پرزہ، جس کاغذ میں کتاب لپیٹی گئی، جو ڈوری وغیرہ کتاب باندھنے کے کام آئی، ایسی کوئی چیز بھی کوڑے میں ہرگز پھینکنے نہیں دیتے، بلکہ کتابوں ہی کے کسی کام میں آنے کی توقع ہو تو اسے محفوظ رکھنے ورنہ جلا دینے کی ہدایت فرماتے ہیں۔

② کتابوں پر سے گرد و غبار صاف کرنے کے لئے جو کپڑا استعمال فرماتے ہیں، اسے کوئی دوسری چیز صاف کرنے میں ہرگز استعمال نہیں کرتے، اور فرنیچر وغیرہ کی جھاڑ پونچھ کے لئے جو کپڑا ہے، اسے کسی کتاب پر ہرگز نہیں لگاتے۔

③ کبھی کتابیں نیچے اوپر رکھنے کی ضرورت پیش آئے تو ان کے مراتب کا لحاظ فرماتے ہیں، مثلاً پہلے فنون کی کتابیں، ان کے اوپر فقہ، پھر حدیث، پھر تفسیر، قرآن مجید سب سے اوپر، اسی طرح ایک ہی فن کی مختلف کتابیں بھی حسبِ مراتب رکھتے ہیں۔

④ کتاب ہمیشہ دائیں ہاتھ میں لینے کا اہتمام فرماتے ہیں، بلکہ کسی پرچہ میں کوئی دینی بات لکھی ہوئی ہو تو وہ بھی دائیں ہاتھ میں لیتے ہیں۔

⑤ اُمورِ ذیل میں کتابوں کی اور علمِ دین کی سخت بے حرمتی ہے، اس لئے

ان سے بہت سختی سے منع فرماتے ہیں۔

① کتاب سے کوئی برتن وغیرہ ڈھانکنا۔
② کتاب پر ہاتھ یا کہنی سے ٹیک لگانا۔
③ کتاب کی طرف پشت کرنا۔
④ کتاب پر کاغذ وغیرہ رکھ کر اس پر کچھ لکھنا۔
⑤ کتاب پر چشمہ وغیرہ رکھنا۔
⑥ کتاب کو چارپائی یا کرسی پر یا نیچے بچھائے ہوئے فرش مثلاً دری، چاندنی، قالین وغیرہ پر رکھنا۔
⑦ کتاب کو پائنتی کی طرف رکھنا۔

انگریزی خواندہ طبقہ میں بہت سے ایسے لوگ نظر آتے ہیں جو بظاہر تو بہت دیندار ہیں، مگر احترام علم دین کے بارہ میں ان ہدایات کی کوئی پروا نہیں کرتے، کتاب پر چشمہ رکھنا اور کتاب نیچے فرش پر رکھنا تو ان کے ہاں ہمیشہ کا معمول ہے، علم دین کی اس قدر بے حرمتی انگریزی تعلیم کے بُرے ماحول کا وبال ہے، اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت عطاء فرمائیں۔

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

العلماء ورثة الانبياء

(الحدیث

عُلماء ہی انبیاء کرام کے وارث ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (۶۵-۳)

نہ لالچ دے سکیں ہرگز تجھے سکوں کی جھنکاریں
ترے دستِ توکّل میں ہیں استغناء کی تلواریں

توکل اور اس کی برکات

کردار و گفتار میں درس آموز توکل کے حیرت انگیز واقعات

> توکّل کی آیات واحادیث کی عملی تفسیر اور جیتی جاگتی تصویر
> جس سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہوتی ہے کہ
> ہر زمانے میں دین پر قائم رہنے والے
> اور اسلام کی صحیح رہبری کرنے والے رہیں گے۔

توکّل اور اُس کی برکات

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
بناء "دار الافتاء والارشاد" کے بعد	۵۲۱	کتب خانہ کے لئے اسٹیل کی الماریوں کے لئے پیشکش	۵۲۸
فتح وکامرانی کی بشارت	۵۲۱	منت لانے والے سے فرمائش نہ کرنا	۵۲۹
عطیات کی تھیلیوں میں برکت	۵۲۲	مسجد کے فرش کے لئے ایک تختی اور اس پر استغفار	۵۲۹
وزارتِ صنعت کے ایک اعلیٰ افسر کی طرف سے چندہ کی کوشش ناکام	۵۲۲	دینی اداروں کی شوریٰ میں اہلِ ثروت کی بجائے اہلِ علم وصلاح	۵۳۰
شعبۂ حفظ قرآن کے لئے عطیہ	۵۲۳	ایک طالب علم کو نماز و دُعاء کی تلقین اور غیب سے حاجت برآری	۵۳۲
ایک اعلیٰ سرکاری عہدہ دار کا اپنے دفتر میں چندہ کی اجازت طلب کرنا	۵۲۴	ایک بڑی جامع مسجد میں خطبہ کا معمول اور چندے کے خیال کا علاج	۵۳۲
"رقم دینا آپ کا کام ہے میں نہ یاد رکھتا ہوں نہ یاد دلاؤں گا۔"	۵۲۵	نچلی منزل کی تکمیل کے مصارف پر غیبی مدد	۵۳۴
مدِ زکوٰۃ سے تنخواہ اور مروّجہ حیلۂ تملیک	۵۲۵	احسن الفتاوی کی طباعت	۵۳۶
"یہ رقم مدِ زکوٰۃ سے ہے مستحقین پر خرچ کی جائے" لکھنے والے کو جواب	۵۲۶		
دینی کاموں کے لئے بھی استقراض سے احتراز	۵۲۷		

عنوان	صفحہ
"رقم دینا آپ کا کام ہے اور اطمینان کرنا بھی آپ کا کام"	۵۳۷
چار فتاؤں کا مجموعہ	۵۳۸
مسئلہ	۵۳۹
دارالافتاء کے لئے مکانوں، دوکانوں اور پلاٹوں کی پیشکش	۵۴۰
ایک ایکڑ کی پیشکش	۵۴۰
حکومت کی پیشکش	۵۴۰
قومی اسمبلی کے ممبران کی پیشکش	۵۴۱
"یہ ہماری اُفتادِ طبع کے خلاف ہے"	۵۴۱
اصحابِ معاملات کے ساتھ معمولات	۵۴۲
ہنگامی حالت میں ذخیرہ اندوزی سے احتراز	۵۴۳
حکومتِ سعودیہ کی پیشکش	۵۴۵

عنوان	صفحہ
تجارتی بحران اور انفاق فی سبیل اللہ	۵۴۵
"جس کا کام ہے وہ بلا چندہ بھی چلائے گا"	۵۴۶
دارالافتاء کے ابتدائی بے سروسامانی کے حالات	۵۴۶
بہت بڑے جامعہ کی تعمیر اور جامعہ چلانے کے پورے مصارف کے لئے وقف کی پیشکش	۵۴۷
تعدد یا تبدد؟	۵۴۸
بہت بڑے جامعہ کے لئے ڈیڑھ سو ایکڑ کی پیشکش	۵۵۰
اِنفاق فی سبیل اللہ کی برکت	۵۵۰
اختتام	۵۵۲

توکل اور اس کی برکات

بناءِ "دار الافتاء والارشاد" کے بعد:

رمضان ۱۳۸۳ھ میں جب "دار الافتاء والارشاد" کی بنیاد رکھی گئی تو حضرتِ والا نے طے فرما لیا کہ کبھی بھی چندے کی ترغیب خاص یا عام کسی صورت میں بھی نہیں دیں گے، اشارۃً وکنایۃً بھی کہیں اس کا ذکر نہیں فرمائیں گے۔ ان ایام میں روزانہ ازدیادِ توکل کے لئے مدتِ دراز تک حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کا وعظ "تَأْسِيْسُ الْبُنْيَانِ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ" زیرِ مطالعہ رکھا، اور اس کے خاص خاص مقامات جو توکل سے متعلق تھے ان پر نشان لگائے تھے، ان مقامات کو بار بار پڑھا کرتے تھے، اور یہ کتاب ہر وقت آپ کے تکیہ پر رکھی رہتی تھی تاکہ اس پر نظر پڑنے سے مضامینِ توکل کا استحضار ہوتا رہے، اس سلسلہ کے چند واقعات تحریر کئے جاتے ہیں:

فتح وکامرانی کی بشارت:

① فرمایا، میں نے خواب میں دیکھا کہ جناب ظفر احمد صاحب تھانوی مجھے پانچ روپے دے رہے ہیں۔ تعبیر یہ ذہن میں آئی کہ ان کی شخصیت مراد نہیں بلکہ "ظفر" سے فتح وکامرانی کی بشارت ہے، اور "تھانوی" سے سلسلہ حضرت حکیم الامۃ تھانوی قدس سرہ مراد ہے، اس سلسلہ کی برکت اور حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کے ارشادات پر عمل کرنے سے فتح وکامرانی ہوگی۔

اور پانچ کا عدد اسلام کے ارکانِ خمسہ کی طرف اشارہ ہے، یہ نوٹ بھی بہت

پُرانے تھے، اس میں ارکانِ خمسہ کی قدامت دکھائی گئی ہے۔

عطیات کی تھیلیوں میں برکت:

② حضرتِ والا نے "دارالافتاء والارشاد" کی رقوم کے لئے دو تھیلیاں متعیّن فرما رکھی تھیں، ایک تھیلی میں عطیّات اور دوسری میں صدَقات کی رقم رکھی جاتی تھی، آپ ان رقوم کو شمار نہیں فرماتے تھے بلکہ بقدرِ ضرورَت دونوں میں سے صَرف فرماتے رہتے تھے مگر یہ تھیلیاں ختم نہ ہوتی تھیں۔

ایک بار عمَلہ کو تنخواہ دیتے وقت عطیّات والی تھیلی کچھ ہلکی محسوس ہوئی، اس لئے آپ نے اس تھیلی کی رقم گن لی، تنخواہوں کی ضرورت سے تین سو روپے کم نکلے، تھوڑی سی فکر پیدا ہوئی، مگر فوراً اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی۔ یہ واقعہ صبح دس گیارہ بجے پیش آیا اور ظہر کی نماز کے وقت ایک نامعلوم صاحب حضرتِ والا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تین سو روپے بطورِ ہدیہ پیش کئے۔ حضرتِ والا نے اسی وقت طے فرمالیا:

"آیندہ ان تھیلیوں کی رقوم کبھی نہیں گنوں گا۔"

بس حسَبِ ضرورَت تھیلیوں سے رقوم نکالتے رہے، اللہ تعالیٰ نے ان میں ایسی برکت عطاء فرمائی کہ تھیلیاں کبھی خالی نہ ہوئیں۔

وزارت صنعت کے ایک اعلیٰ افسر کی طرف سے چندہ کی کوشش ناکام:

③ وزارتِ صنعت کے ایک بہت بڑے افسر جن کے تحت کراچی کے سب کارخانے ہیں، ساتھ ہی دینی لحاظ سے بھی لوگوں میں معروف ہیں، انھوں نے بہت زور دے کر حضرتِ والا سے کہا:

"آپ "دارالافتاء والارشاد" کے لئے چندہ کیوں نہیں کرتے؟"

حضرتِ والا نے جواب میں ارشاد فرمایا:

"حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کے طریق پر عمل کر رہا ہوں۔"

انھوں نے کہا:

"یہ صرف انہی کا مقام تھا ع

ناز را روئے بباید ہمچو ورد۔"

"ناز کے لئے گلاب جیسا چہرہ چاہئے۔"

پھر بہت اصرار کے ساتھ کہا:

"آپ مجھے ایک رسید بُک دے دیں، میں چندہ کروں گا۔"

حضرتِ والا نے ان کے دینی منصب کی رعایت فرما کر انھیں ایک رسید بُک دے دی۔ دو تین ماہ کے بعد معلوم ہوا کہ وہ رسید بُک ہی کہیں گم ہوگئی ہے۔ کافی جستجو کے بعد رسید بک مل گئی، لیکن چندہ ایک روپیہ بھی نہ ہوا۔ بلکہ خود انھوں نے بھی اس وقت کچھ نہ دیا۔ اس سے متعلق حضرتِ والا نے ارشاد فرمایا:

"یہ چندہ کرنے کی کوشش پر منجانب اللہ تنبیہ کا معاملہ تھا کہ چندے کے لئے اصرار کر کے رسید بک لے جانے والے کے اپنے قلب سے بھی اس وقت کچھ دینے کا خیال اللہ تعالیٰ نے محو فرما دیا، حالانکہ وہ اس سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی تعاون کرتے رہے ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ چندے سے جبرًا روک دیتے ہیں۔"

شعبۂ حفظِ قرآن کے لئے عطیہ:

④ ایک بار مذکورِ بالا افسر نے کہا:

”ہمارا ہندوستان میں ایک دینی ادارہ تھا، اس کی رقم ہمارے پاس ہے، اب یہاں دینی مدارس میں تقسیم کر رہے ہیں، اس کے سب ممبروں کی منظوری سے ”دارالافتاء والارشاد“ کے شعبۂ حفظِ قرآن کے لئے دو ہزار روپے مخصوص کئے گئے ہیں۔“

حضرتِ والا نے فرمایا:

”ہمیں اس شعبہ میں ضرورت نہیں۔“

انھوں نے کہا:

”آیندہ کی ضرورت کے لئے رکھ لیں۔“

حضرتِ اقدس دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا:

”ذخیرہ کر کے رکھنے کو میں درست نہیں سمجھتا۔“

اس پر انھوں نے پھر سب ممبروں سے مشورہ کیا، اور شعبۂ حفظِ قرآن کی تخصیص ختم کر کے دو ہزار روپے بھیج دیئے۔

ایک اعلیٰ سرکاری عہدہ دار کا اپنے دفتر میں چندہ کرنے کی اجازت طلب کرنا:

⑤ ایک اعلیٰ سرکاری عہدہ دار نے حضرتِ والا کی خدمت میں درخواست کی:

”مجھے ”دارالافتاء والارشاد“ کے لئے چندہ کرنے کی اجازت دی جائے، ہمارے دفتر میں ہر مذہب کے لوگ اپنے اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے چندہ کرتے ہیں، اس لئے ہمیں بھی کرنا چاہئے۔“

حضرتِ والا نے ارشاد فرمایا:

”یہ طریقہ بالکل ناجائز ہے، اس لئے کہ لوگ آپ کے منصب اور

وجاہت کی وجہ سے آپ کو دیں گے، علاوہ ازیں اس طمع سے دیں گے کہ اس ذریعہ سے وہ آپ سے اپنے مقاصد حاصل کرسکیں گے۔"

انھوں نے کہا:

"ثواب وعذاب مجھ پر چھوڑ دیں۔"

حضرتِ والا نے ارشاد فرمایا:

"ناجائز کام کی اجازت دینا بھی ناجائز ہے، اس کی تو مجھ سے باز پرس ہوگی۔"

انہی صاحب نے اپنے دفتر میں ضرورت سے آنے والے کسی سیٹھ کو "دارالافتاء والارشاد" کے لئے گرانقدر عطیہ دینے پر آمادہ کیا، لیکن حضرتِ والا نے اسے بھی ناجائز قرار دے کر قبول کرنے سے انکار فرمادیا۔

"رقم دینا آپ کا کام ہے میں نہ یاد رکھتا ہوں نہ یاد دلاؤں گا":

⑥ ایک صاحب چھ ہزار روپے سالانہ "دارالافتاء والارشاد" کو دیا کرتے تھے، ایک دفعہ انھوں نے حضرتِ والا سے گزارش کی:

"سال پورا ہونے پر مجھے یاد دلا دیا جائے۔"

حضرتِ والا دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا:

"رقم دینا آپ کا کام ہے اس لئے اس کا یاد رکھنا بھی آپ ہی کا کام ہے، میں نہ یاد رکھتا ہوں نہ یاد دلاؤں گا۔"

مدِ زکوٰۃ سے تنخواہ اور مروّجہ حیلۂ تملیک:

⑦ ایک بزرگ نے اپنے کسی مخلص سے دوہزار روپے مدِ زکوٰۃ سے حضرتِ والا

کی خدمت میں بھجوائے اور فرمایا:

"ان میں حیلۂ تملیک کرکے حفظِ قرآن کے اساتذہ کی تنخواہوں پر خرچ کئے جائیں۔"

حضرت اقدس دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا:

"میں مروجہ حیلوں کو ناجائز سمجھتا ہوں، اس لئے آپ کی رقم تنخواہ پر خرچ ہوگی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اور اس سے زکوٰۃ ادا کرنا ہے تو تنخواہ پر خرچ نہیں ہوگی، دونوں صورتوں میں سے آپ جو پسند فرمائیں آپ کو اختیار ہے۔"

تقریباً دو ماہ تک انھوں نے کوئی فیصلہ کرکے مطلع نہیں کیا، آپ نے بھی رقم کو جوں کی توں رہنے دیا، بعد میں آپ نے یہ رقم بھیجنے والے کو ٹیلیفون پر فرمادیا:

"آج ہی اس کا فیصلہ کرکے مجھے بتائیں، ورنہ آج شام کو میں یہ رقم واپس بھیج دوں گا۔"

اس کے بعد انہوں نے مدِ زکوٰۃ پر خرچ کرنے کی اجازت دے دی۔

"یہ رقم مدِ زکوٰۃ سے ہے مستحقین پر خرچ کی جائے"
لکھنے والے کو جواب:

⑧ بعض لوگ حضرتِ والا کی خدمت میں بذریعہ منی آرڈر رقوم بھیجتے ہیں اور کوپن پر یوں لکھ دیتے ہیں:

"یہ رقم مدِ زکوٰۃ سے ہے، مستحقین پر خرچ کی جائے۔"

حضرتِ والا ایسے منی آرڈر واپس لوٹا دیتے ہیں اور اس کی وجہ یہ تحریر فرماتے ہیں:

"جب آپ نے مدِ زکوٰۃ سے ہونے کی تصریح کردی تو مستحقین

پر خرچ کرنے کی تلقین کی کیا ضرورت پیش آئی؟ یہ بے اعتمادی کی دلیل ہے، اس لئے منی آرڈر واپس کیا جاتا ہے۔"

اس قسم کے مواقع میں حضرتِ اقدس ارشاد فرماتے ہیں:

"اہلِ ثروت میں یہ مرض مولویوں نے پیدا کیا ہے، ان کے دروازوں پر کاسۂ گدائی لئے پھرتے ہیں، اس لئے وہ مولویوں کو ذلیل و خائن سمجھتے ہیں۔"

دینی کاموں کے لئے بھی استقراض سے احتراز:

⑨ "دارالافتاء والارشاد" کی بالائی منزل کی تکمیل ہوگئی، مگر دروازے کھڑکیاں اور رنگ وروغن وغیرہ کا کام باقی تھا، جس پر پانچ ہزار روپے کے مصارف کا اندازہ تھا، تجویز یہ تھی کہ اس کی تکمیل کے بعد حضرتِ والا اوپر قیام فرمائیں گے اور طلبہ نچلی منزل میں جہاں حضرتِ والا کی عارضی رہائش تھی۔

حضرتِ اقدس دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا:

"مجھے خیال آیا کہ اس وقت طلبہ گرمی اور کمروں کی تنگی کی وجہ سے تکلیف میں ہیں، پانچ ہزار روپے قرض لے کر بالائی منزل مکمل کر کے میں اوپر منتقل ہو جاؤں تو طلبہ کو آرام ہو جائے گا۔

یہ خیال آتے ہی میرے ربِّ کریم نے دستگیری فرمائی، اس کے فضل سے قلب میں یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ طلبہ کے ساتھ میری محبت و شفقت سے بدرجہا زیادہ اللہ تعالیٰ کو ان کے ساتھ محبت و شفقت ہے۔ آج تک میں نے نہ کبھی اپنے لئے قرض لیا ہے اور نہ ہی کبھی کسی دینی کام کے لئے، مخلصین کی پیشکش کو بھی قبول نہ کیا، اگر آج قرض لے لیا تو کہیں ربِّ کریم کو غیرت آجائے اور وہ ہمیشہ

کے لئے مجھے غیروں کے دروازوں پر چھوڑ دے۔

اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ انعام ہوا کہ چند ہی روز گزرنے کے بعد ایک صاحب دس ہزار روپے لائے جن سے ضروریات کے علاوہ خوب آسائش بلکہ آرائش کا بھی انتظام ہوگیا، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔"

کتب خانہ کے لئے اسٹیل کی الماریوں کی پیشکش:

⑩ ایک صاحب کئی بار مختلف اوقات میں حضرتِ والا کی خدمت میں حاضر ہوکر پوچھتے رہے:

"صدقہ کا بہترین مصرف کیا ہے؟"

آپ جواب میں ارشاد فرماتے رہے:

"اپنے اعزہ واقارب اور محلہ کے مساکین۔"

وہ پھر دریافت کرتے:

"دینی اداروں میں کہاں خرچ کیا جائے؟"

آپ دارالعلوم کورنگی وغیرہ کچھ مشہور اداروں کے نام بتا دیتے۔

بالآخر وہ ایک بار ایک مولوی صاحب کو بطورِ سفارش ساتھ لائے اور پھر سوال کیا۔ آپ کی طرف سے پھر وہی جواب ملا تو مولوی صاحب بولے:

"یہ آپ کے "دارالافتاء والارشاد" کو دینا چاہتے ہیں، اور مجھے سفارش کے لئے لائے ہیں۔"

آپ نے ارشاد فرمایا:

""دارالافتاء والارشاد" کے کتب خانہ کے لئے اسٹیل کی الماریوں کی

ضرورت ہے۔"

انھوں نے کہا:

"جتنی الماریاں درکار ہوں میں بنوا دیتا ہوں۔"

آپ نے اس وقت کی ضرورت کے مطابق تین الماریوں کا فرمادیا۔ بعد میں خیال آیا کہ کتب خانہ ان شاء اللہ تعالیٰ بڑھتا رہے گا، بار بار ایک ہی نمونہ کی الماریاں بنوانا مشکل ہوگا، اس لئے دو الماریاں مزید بنوالی جائیں۔ چنانچہ آپ نے پانچ الماریاں بنوائیں، مگر اُن صاحب سے چونکہ تین کا تذکرہ ہوا تھا اس لئے بقیہ دو الماریوں کا ان سے کوئی ذکر نہیں فرمایا، ان کا انتظام اللہ تعالیٰ نے دوسری طرف سے فرما دیا۔

مفت لانے والے سے فرمائش نہ کرنا:

⑪ حضرت اقدس دامت برکاتہم کا معمول ہے کہ اپنی ذات کے لئے یا "دار الافتاء والارشاد" کے لئے کوئی چیز درکار ہو تو اس کا تذکرہ کسی ایسے شخص سے نہیں فرماتے جس سے یہ توقع ہو کہ یہ مفت لا دے گا، حالانکہ بعض دفعہ یہ چیزیں اس سے خریدنے میں یا اس کی معرفت خریدنے میں سہولت ہوتی ہے۔ زحمت اور تکلیف گوارا فرما لیتے ہیں مگر ایسی جگہ اپنی یا "دار الافتاء والارشاد" کی ضرورت ظاہر نہیں ہونے دیتے، البتہ بعض خدام کا مسلسل مخلصانہ تعلق دیکھ کر ان کی خاطر سے ان سے کبھی کبھار کچھ فرما دیتے ہیں۔

مسجد کے فرش کے لئے ایک تختی اور اس پر استغفار:

⑫ "دار الافتاء والارشاد" کی مسجد کے فرش پر موزائیک کروانا تھا، بعض احباب نے حضرتِ والا کی خدمت میں عرض کیا:

"اس کا زبان سے اظہار تو حضرتِ والا کے اصول کے خلاف

ہے، اس لئے آپ کسی سے اس ضرورت کے بارہ میں کوئی تذکرہ نہیں فرما رہے مگر تختی پر لکھ کر لٹکا دینے میں کوئی حرج نہیں۔ ایک تختی پر لکھوائیں:

> ”تین ہزار روپے کی برائے فرشِ مسجد ضرورت ہے“

یہ تختی وضوخانہ کے سامنے کی دیوار پر آویزاں کر دی جائے۔“

اس پر انہوں نے بہت اصرار کیا، حضرتِ والا نے ان کے اصرار پر تختی آویزاں کرنے کی اجازت تو دے دی مگر تختی لگنے کے بعد فوراً ہی ارشاد فرمایا:

> ”مجھ سے یہ بڑی سخت غلطی ہوگئی، اس سے استغفار کرتا ہوں، مجھے یہ بھی یقین ہے کہ اس طریقہ سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا، مگر اب یہ تختی ایک مہینے تک لگی رہے، اس میں مصلحت یہ ہے کہ جب اتنی طویل مدت تک تختی لگی رہنے کے باوجود کچھ نہیں ملے گا تو نفس کو سرزنش ہوگی، آیندہ کبھی ایسی حرکت نہیں کرے گا۔“

چنانچہ ایسا ہی ہوا، جب تک تختی لٹکتی رہی کچھ نہیں ملا، اتار دی گئی، تو تھوڑی ہی مدت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس ضرورت کا انتظام فرما دیا۔

دینی اداروں کی شوریٰ میں اہلِ ثروت کی بجائے اہلِ علم و صلاح:

⑬ ”دارالافتاء والارشاد“ کی بنیاد کے وقت حضرتِ والا کا یہ خیال تھا کہ رابطہ کے بزرگوں سے اہم اُمور میں مشورہ لیتے رہیں گے، باضابطہ مجلسِ شوریٰ کے ارکان متعین کرنے کی ضرورت نہیں، مگر احباب نے رقوم دینے والوں کو انکم ٹیکس سے استثناء کا فائدہ پہنچانے کی غرض سے مشورہ دیا کہ ”دارالافتاء والارشاد“ کا باقاعدہ رجسٹریشن ہونا چاہئے، رجسٹریشن کروانا حضرتِ والا کو سخت ناگوار تھا مگر احباب کے اصرار کی وجہ سے اس کی اجازت دے دی۔

رجسٹریشن کے لئے مجلسِ شوریٰ کا انتخاب قانوناً ضروری ہے، اس پر حضرت اقدس دامت برکاتہم نے یہ فیصلہ فرمایا:

"اہلِ ثروت کی بجائے علماء وصلحاء کو رکنیت کے لئے منتخب کیا جائے۔"

اس فیصلہ کے مطابق آپ نے ایک مولوی صاحب کو رکن نامزد فرمایا، مگر انھوں نے یہ حرکت کی کہ کئی ایک اہلِ ثروت کو رکن بنا کر ان سے دستخط لے کر ان کی فہرست حضرتِ والا کی خدمت میں پیش کی۔

حضرت اقدس دامت برکاتہم کو ان کی یہ حالت دیکھ کر بہت افسوس ہوا اور یہ انکشاف ہوا کہ آپ نے مولوی کے ظاہر کو دیکھ کر جو اسے منتخب کر لیا، اس میں بہت سخت غلطی ہو گئی ہے، اس لئے آپ نے ان کی بھی رکنیت ختم کر دی اور اہلِ ثروت کی جو فہرست وہ لائے تھے ان میں سے بھی کسی کو رکن نہ بنایا۔

قانوناً تو اس صورتِ حال کی تمام لوگوں کو اطلاع کرنا انہی مولوی صاحب کے ذمہ تھا مگر اس میں ان کی خفت ہوتی، اس لئے حضرتِ والا نے ان سے فرمایا:

"ان حضرات کے نام ردّ کرنے کی اطلاع میں خود انہیں کر دوں گا۔"

چنانچہ حضرت اقدس دامت برکاتہم نے ان سب حضرات کو یوں ہدایت فرمائی:

"اُمورِ دینیہ میں اور دینی اداروں کے چلانے میں صرف علماء وصلحاء ہی کو رائے دہی کا حق ہے اور یہ صرف انہی کا مقام ہے، محض اغنیاء اور اہلِ ثروت کو اُمورِ دینیہ وعلمیہ میں رائے دینے کا حق نہیں، ان کا تو صرف یہ کام ہے کہ جہاں انہیں اطمینان ہو وہاں مالی امداد کریں اور بس۔"

ایک طالب علم کو نماز و دعاء کی تلقین اور غیب سے حاجت برآری،

⑭ "دار الافتاء والارشاد" کے شعبۂ حفظِ قرآن میں بیرونی طلبہ کو داخل نہیں کیا جاتا تھا۔ ایک بار ایک طالبِ علم نے داخلہ کی درخواست کی، ان کی صلاحیت دیکھ کر حضرتِ والا کو خیال ہوا کہ انھیں داخل کرلیا جائے مگر "دار الافتاء والارشاد" کی طرف سے طعام کا انتظام خلافِ ضابطہ، اور کسی دوست کو ترغیب دینا خلافِ طبع، اس لئے حضرتِ اقدس دامت برکاتہم نے اس طالبِ علم کو یہ حقیقت سمجھا کر فرمایا:

> "دو رکعت نفل پڑھ کر دُعاء کیجئے کہ اللہ تعالیٰ غیب سے کوئی سامان پیدا فرما دے۔"

انھوں نے اس پر عمل کیا، اسی روز حضرتِ والا کے ایک صالح عقیدتمند نے حاضر ہو کر درخواست کی کہ ایک طالب علم کا کھانا وہ اپنے ذِمہ لینا چاہتے ہیں۔

ایک بڑی جامع مسجد میں خطبہ کا معمول اور چندے کے خیال کا علاج،

⑮ جب "دار الافتاء والارشاد" کی مسجد کی تعمیر لطیفۂ غیبیہ کے طور پر مکمل ہو گئی، مگر اب تک اس میں پنکھے نہیں لگے تھے، اُن دنوں حضرتِ والا ایک بڑی جامع مسجد میں بلامعاوضہ جمعہ پڑھایا کرتے تھے اور وعظ بھی فرمایا کرتے تھے۔

حضرت اقدس دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا:

> "مجھے خیال آیا کہ بوقتِ جمعہ بہت مختصر خطابِ عام سے پورے استغناء کے ساتھ اس کا اظہار کر دوں، مگر فوراً اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی، اور قلب میں یوں القاء فرمایا:
>
> "اگر آج تو نے غیر کے سامنے زبان کھولی تو ہم ہمیشہ کے لئے تجھے

غیر کے سپرد کر دیں گے۔"

فوراً اس خیال سے توبہ کی۔

اس کے بعد دو تین روز ہی بمشکل گزرے ہوں گے کہ ایک صاحب بہت بڑی رقم لے کر آئے اور کہا:

"اس سے پہلے مسجد میں پنکھے لگائے جائیں اس سے جو کچھ بچے وہ "دار الافتاء والارشاد" کے دوسرے کاموں پر خرچ کیا جائے۔"

اس قصہ میں "بلا معاوضہ جمعہ پڑھانے اور وعظ فرمانے" کی جو وضاحت کی گئی ہے اس میں دو مصلحتیں ہیں:

۱۔۔۔ حضرتِ والا فرماتے ہیں:

"خدماتِ دینیہ میں محبوس حضرات کو بقدرِ ضرورت ہی وظیفہ لینا چاہئے، اگر اس کا انتظام ہو تو زیادہ کی ہوس جائز نہیں۔"

حضرت اقدس دامت برکاتہم کے پاس اس زمانہ میں مال و دولت کی فراوانی نہیں تھی بس قناعت کے ساتھ گزر ہو رہی تھی، اس کے باوجود آپ بفضلہ تعالیٰ یہ دونوں خدمتیں مفت انجام دیتے تھے۔

۲۔۔۔ جس مسجد میں حضرت اقدس دامت برکاتہم اتنی بڑی خدمتیں مفت انجام دے رہے تھے وہاں کے اپنے مقتدیوں سے بھی دینی کام میں مالی تعاون کے لیے کسی قسم کا اشارہ کرنے سے بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی۔

ایسے مواقع پر حضرت اقدس دامت برکاتہم عموماً حضورِ اکرم محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں:

وَمَنْ يَّسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ وَمَنْ يَّسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللّٰهُ.

"جو شخص غیر اللہ سے مستغنی رہنا چاہے گا اللہ اسے مستغنی رکھے گا

اور جو غیر اللہ سے سؤال سے بچنا چاہے گا اللہ اسے بچائے گا۔“

نچلی منزل کی تکمیل کے مصارف پر غیبی مدد:

⑯ ”دار الافتاء والارشاد“ کی تعمیر کے سلسلہ میں ایک صاحبِ ثروت نے ازخود حضرتِ والا کی خدمت میں پیشکش کی:

> ”دار الافتاء والارشاد کی نچلی منزل کی تکمیل کے مصارف کا تخمینہ لگوا کر مجھے بتا دیا جائے میں یہ پورے مصارف اداء کروں گا۔“

تخمینہ لگوایا گیا، سات ہزار کا اندازہ ہوا، انھوں نے دو ہزار روپے اسی وقت دے کر کہا:

> ”ان سے کام شروع کروا دیا جائے، باقی رقم میں چند روز کے بعد اداء کر دوں گا۔“

جب تعمیر کا کام چھت تک پہنچ گیا اور چھت کی بھرائی کے لئے سٹرنگ مکمل ہوگئی، اس وقت اُن کا ٹیلیفون آیا:

> ”میں باقی رقم ایک مہینے کے بعد دوں گا۔“

حضرتِ اقدس دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا:

> ”اس خبر سے میں کچھ پریشان ہوا اس لئے کہ اگر سٹرنگ نہ ہوئی ہوتی تو کوئی بات نہ تھی، اب سٹرنگ والے کہاں تک انتظار کریں گے اور اگر انہیں سٹرنگ اتارنے کو کہا جائے تو ان کا کتنا نقصان ہوگا اور یہ کیا کہیں گے کہ اگر رقم نہیں تھی تو کام کیوں شروع کروایا؟ اپنی کس قدر خفت اور سبکی ہوگی؟ اس کشمکش میں نفس نے ایک مفصل تقریر کر کے یہ باتیں سمجھائیں:

۱ــــ یہ صاحب حضرت تھانوی اور حضرت پھولپوری قدس سرہما کے صحبت یافتہ ہیں، مخلص ہیں۔

۲ــــ ہمارے ساتھ محبت اور بے تکلفی کا تعلق رکھتے ہیں۔

۳ــــ اتنے بڑے مالدار ہیں کہ مذکور رقم ان کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

۴ــــ انہوں نے ہی وعدہ کرکے اس پریشانی میں مبتلا کیا ہے۔

ان وجوہ کی بناء پر اُن کے سامنے ضرورت اور پریشانی کا اظہار کر دینا چاہیے۔

نفس کی تقریر ابھی ختم ہوئی ہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی، اس کا کرم ہے کہ بڑی قوت کے ساتھ قلب میں یہ وارد ہوا:

"اگر آج میں نے غیر اللہ کے سامنے زبان ہلائی تو ہو سکتا ہے کہ اس کی نحوست سے ہمیشہ کے لئے غیر اللہ کی احتیاج میں مبتلا ہو جاؤں۔"

اس خیال سے فوراً توبہ کی، اور پریشانی کا علاج اس مراقبہ سے کیا:

"رقم کی ضرورت میں ابھی چوبیس گھنٹے باقی ہیں، خدانخواستہ اس درمیان میں کوئی سبب نہ بنا تو اس وقت جو کچھ صورت ہوگی اس کے مطابق غور کر لیا جائے گا۔"

اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضرت اقدس دامت برکاتہم کے اس راز و نیاز کا کسی کو قطعاً کوئی علم نہیں تھا، اس کے بعد صرف ایک رات گزری، دوسرے روز علی الصباح انہی صاحب کا اتنی اہمیت سے ٹیلی فون آیا کہ ٹیلی فون پر بیٹھنے والے مولوی صاحب کے ذریعہ پیغام پہنچانا کافی نہ سمجھا بلکہ براہِ راست حضرتِ والا سے بات کرنے پر اصرار کیا، ان دنوں اسٹینو ٹیلی فون نہیں تھا، فون پر بات کرنے کے لئے حضرتِ والا کو دارالافتاء

کے دفتر میں جانا پڑتا تھا، حضرتِ والا وہاں تشریف لے گئے تو انھوں نے کہا:

"وہ پانچ ہزار روپے ابھی بھیج رہا ہوں، اور اس سے مزید بھی اگر تعمیر پر کچھ خرچ آئے تو وہ سب بھی میں ادا کروں گا۔"

اس کے بعد تعمیر پر آٹھ ہزار روپے مزید خرچ ہوئے، مگر حضرتِ اقدس دامت برکاتہم نے ان کے حتمی وعدہ کے باوجود اس کا ان سے تذکرہ نہیں کیا، اس رقم کا انتظام اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ سے فرما دیا۔

احسن الفتاویٰ کی طباعت:

⑰ دوپہر کے وقت ساڑھے گیارہ بجے کے قریب ایک صاحب حضرتِ والا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دس ہزار روپے کی رقم چھپا کر پیش کی۔ حضرت والا نے یہ رقم مجلس میں اپنے خدام کے سامنے کھول دی، اور فرمایا:

"یہ چھپانے کی چیز نہیں، بلکہ متوسلین کی تربیت کے لئے متوکلین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے معاملہ کا مظاہرہ کرنا ضروری ہے۔"

پھر اس کی حقیقت یوں بیان فرمائی:

"یہ صاحب تقریباً تیرہ سال سے ہم سے تعلق رکھتے ہیں، دو تین روز قبل یہ تشریف لائے اور از خود پیشکش کی کہ "دار الافتاء والارشاد" میں کسی کام کے لئے رقم کی ضرورت ہو تو میں دینا چاہتا ہوں۔

میں نے بتایا:

"احسن الفتاویٰ" کی تبویب ہو رہی ہے، اس میں اگر آپ رقم لگانا چاہیں تو بہتر مصرف ہے۔"

اس وقت انھوں نے یہ رقم اسی مقصد کے لئے پیش کی ہے، عام

> نظر اسے اتفاقی واقعہ سمجھتی ہے، مگر یہ غلط ہے، حقیقت یہ ہے کہ ”احسن الفتاوی“ کی طباعت کے لئے رقم کی ضرورت پیش آئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ڈالا کہ یہاں پہنچ کر دریافت کریں۔
>
> پھر ان کے ساتھ ہمارا معاملہ یہ ہے کہ ذرہ بھر رعایت نہیں، چنانچہ اب انھوں نے آنے سے قبل ٹیلی فون پر مجھ سے دریافت کیا کہ میں رقم پہنچانا چاہتا ہوں، کس وقت آؤں؟ میں نے عام اصول کے مطابق انھیں بھی وہی وقت دیا جو عام ملاقاتیوں کے لئے متعین ہے۔
>
> حقیقت یہ ہے کہ یہ ہمارے کام سے نہیں آئے بلکہ اپنے کام سے آئے ہیں، انھیں کسی نیک کام میں رقم لگانے کی ضرورت تھی، یہ غرض انہیں لائی ہے۔“

”احسن الفتاوی“ کی تبویب و ترتیب کے وقت حضرتِ والا کا خیال تھا کہ اس کی اشاعت کسی ناشر کے سپرد نہ کی جائے، اس لئے کہ کتابت کی کاپیاں دوسرے کی ملک ہونے کی صورت میں ان میں حسبِ منشا ترمیم و اصلاح کا کام مشکل ہوتا ہے، اور کتابوں کی خود تجارت کرنا بھی خلافِ طبع تھا، اس لئے یہ تجویز ہوئی کہ کتابیں طبع کروا کر ذی استعداد طلبہ و علماء کو مفت دی جائیں۔ چنانچہ کچھ وقت یہ سلسلہ چلا، اس کے بعد اشاعت کا کام ایک ناشر کے سپرد فرما دیا مگر کتابت کی کاپیاں ”دار الافتاء والارشاد“ ہی کی ملک ہیں، ناشر کی ملک میں نہیں دیں۔

حضرتِ والا اپنی تصانیف کا کوئی دنیوی معاوضہ قطعاً نہیں لیتے، بلکہ دینی اداروں، عُلماء، طَلبہ اور احباب کو کتابیں ناشر سے خرید کر ہدیہ دیتے ہیں۔

”رقم دینا آپ کا کام ہے اور اطمینان کرنا بھی آپ کا کام“:

⑱ ایک خاتون نے حضرتِ والا سے ٹیلیفون پر کہا:

"میں ڈرائیور کے ہاتھ "دار الافتاء والارشاد" کے لئے رقم بھیج رہی ہوں، آپ رقم پہنچنے کی اطلاع لکھ کر ڈرائیور کو دے دیں تاکہ مجھے اطمینان ہو جائے۔"

حضرتِ والا نے فرمایا:

"جب ڈرائیور آپ کے پاس واپس پہنچ جائے تو آپ اطمینان کے لئے دوبارہ ٹیلیفون کرکے مجھ سے دریافت کرلیں۔"

پھر خدام سے فرمایا:

"رقم دینا اور اس کے پہنچنے کا اطمینان حاصل کرنا ان کا کام ہے، وہ اپنا کام میرے ذمہ کیوں لگا رہی ہیں؟ ہاں اگر ان کے پاس ٹیلیفون نہ ہوتا تو انھیں معذور سمجھ کر میں لکھ دیتا۔ اگرچہ پھر بھی یہ صورت ممکن تھی کہ کسی قابلِ اعتماد ذریعہ سے بھیجتیں، مع ھٰذا میں اُن کی رعایت کرتا اور تحریر لکھ دیتا۔ ایسی مراعات کے باوجود لوگ مجھے سخت کہتے ہیں، مگر میں لوگوں کے طعن کے خوف سے اصول کے خلاف نہیں کرسکتا اور دوسروں کے کام اپنے ذمہ لے کر اپنے دینی مشاغل کا حرج نہیں کرسکتا۔"

چار فتاؤں کا مجموعہ:

⑲ "دار الافتاء والارشاد" رہائشی پلاٹ میں ہے، قانوناً رہائشی پلاٹ میں مسجد بنانے کی اجازت نہیں، مزید یہ کہ پڑوس میں قادیانی ہے وہ بھی تعمیرِ مسجد رکوانے کی کوشش کر رہا تھا، اس وقت ایک صاحب اپنے ایک دوست کو حضرتِ والا کی خدمت میں لائے اور عرض کیا:

"شاید حضرت کو کبھی خیال گزرتا ہو کہ خدانخواستہ کبھی خلافِ قانون تعمیر کو منہدم کرنے کا حکم نہ آجائے اس لئے میں اپنے اس

دوست کو حضرت کی خدمت میں لایا ہوں، یہ خلافِ قانون تعمیرات منہدم کرنے والے محکمہ کے اعلیٰ افسر ہیں، اور اس مسجد کی تعمیر میں یہ خود رقم لگا رہے ہیں، اس لئے کوئی خطرہ کی بات نہیں۔"

حضرت اقدس دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا:

"آپ نے اپنے خیال کے مطابق صحیح کیا، اللہ تعالیٰ آپ کا جذبہ قبول فرمائیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ فانی، آپ کے یہ دوست فانی، ان کا یہ منصب فانی، اور آپ دونوں میں دوستی فانی۔ آپ چار فناؤں کا مجموعہ لے کر مجھے مطمئن کرنے آئے ہیں، مجھے تو صرف اس اللہ پر اعتماد ہے جو ہمیشہ کے لئے باقی ہے۔ کریم ما بس، باقی ہوس۔"

مسئلہ:

مباحات کی دو قسمیں ہیں:

۱ــــ مباحات اصلیہ، جیسے ٹریفک وغیرہ کے انتظامات، ان سے متعلق حکومت کے قوانین کی تعمیل واجب ہے اور اس کے خلاف کرنا گناہ ہے۔

۲ــــ مباحات شرعیہ، جیسے ایک سے زائد شادیاں کرنا، اور صغر سنی میں نکاح کرنا، ان سے متعلق حکومت کے لئے کوئی قانون بنانے اور پابندی لگانے کا کوئی جواز نہیں، اس لئے ان میں حکومت کے قانون کی رعایت واجب نہیں۔

اپنی مملوک زمین وقف کرنا تو مباحِ شرعی سے بڑھ کر بہت بڑی عبادت ہے، اس لئے حکومت کا اس پر پابندی لگانا جائز نہیں اور نہ ہی اس بارہ میں حکومت کا قانون واجب العمل ہے۔

دار الافتاء کے لئے مکانوں، دوکانوں اور پلاٹوں کی پیشکش؛

(۲۰) ”دار الافتاء والارشاد“ کے لئے مختلف لوگ اوقاف کی درخواستیں پیش کرتے رہتے ہیں، وسیع مکانوں، دکانوں اور پلاٹوں کی بطورِ وقف پیشکشیں خدمتِ اقدس میں آتی رہتی ہیں اور اس قسم کی درخواستوں کا سلسلہ روز بروز بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔

حضرتِ والا پیشکش کرنے والوں کو دوسرے دینی اداروں کے لئے وقف کرنے کا مشورہ عنایت فرما دیتے ہیں، ”دار الافتاء والارشاد“ کے لئے قبول نہیں فرماتے۔

ایک ایکڑ کی پیشکش؛

(۲۱) ایک شخص نے ایک ایکڑ زمین کا پلاٹ دینے کی درخواست کی جو حضرتِ والا نے قبول نہیں فرمائی، بعد میں یہ پلاٹ ایک مولوی صاحب نے قبول کر لیا جو کراچی سے تقریباً ڈیڑھ ہزار کلومیٹر کے فاصلہ پر رہتے ہیں۔ اس وقت خیال ہوا کہ ماشاء اللہ! بہت ہی باہمت آدمی ہیں جو اتنی دور بیٹھ کر انتظام سنبھال لیں گے، مگر پلاٹ تقریباً بیس سال سے جوں کا توں ہی پڑا ہوا ہے۔

حکومت کی پیشکش؛

(۲۲) حضرت والا چاہتے تو ”دار الافتاء والارشاد“ کے لئے حکومت سے بہت وسیع زمین بہت آسانی سے حاصل کر سکتے تھے، بلکہ ایک بار حکومت نے از خود بہت وسیع رقبہ کی پیشکش کی جو حضرت والا نے قبول نہیں فرمائی۔

آپ نے متعدد دینی اداروں کو حکومت سے بڑے بڑے رفاہی پلاٹ دلائے

ہیں مگر خود خدماتِ دینیہ کے لئے حکومت سے کبھی کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ نفع لینا بھی گوارا نہیں فرمایا۔

قومی اسمبلی کے ممبران کی پیشکش:

(۲۳) حکومت کی طرف سے "دار الافتاء والارشاد" اور دوسرے دینی کاموں کے لئے بارہا مالی تعاون کی پیشکش کی گئی مگر حضرت والا نے قبول کرنے سے انکار فرمادیا، حتیٰ کہ قومی اسمبلی کے ایک رکن چند علماء کو ساتھ لے کر بصورتِ وفد حضرتِ والا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حکومت کی طرف سے "دار الافتاء والارشاد" کے لئے بہت بڑے رقبہ پر بہت وسیع تعمیر کی پیشکش کی، حضرت والا نے حسبِ معمول اس سے بھی انکار فرمادیا۔

اس قصہ کی قدرے تفصیل عنوان "قبولِ مناصب سے انکار" میں آرہی ہے۔

"یہ ہماری اُفتادِ طبع کے خلاف ہے":

(۲۴) حضرتِ والا صاحبزادوں کی خواہش پر کراچی کے ایک پُر فضا مقام میں ان کا رہائشی پلاٹ دیکھنے تشریف لے گئے، وہاں چند مولوی صاحبان بغرضِ تفریح پہنچے ہوئے تھے جنہوں نے بہت بڑی سفارشوں کے ذریعہ حکومت سے رفاہی پلاٹ لیا ہوا تھا۔

وہ لپکتے ہوئے حاضرِ خدمت ہوئے اور بہت پُر تپاک انداز میں مشورہ دیا:

> "حضرت 'دار الافتاء والارشاد' کے لئے یہاں حکومت سے بہت بڑا رفاہی پلاٹ لے کر اس پر وسیع تعمیر کروائیں۔"

حضرت اقدس دامت برکاتہم نے بلہجۂ تبسم ارشاد فرمایا:

> "یہ ہماری اُفتادِ طبع کے خلاف ہے۔"

مولوی صاحبان پر شرمندگی کی خاموشی چھا گئی، انہیں نشۂ ہوس میں اتنا ہوش بھی نہ رہا کہ حکومت کی بار بار پیشکش کو ٹھکرا دینے والا از خود حکومت سے درخواست کیسے کر سکتا ہے؟

اصحابِ معاملات کے ساتھ معمولات:

۲۵ ایک کاتب صاحب حضرتِ والا کی تصانیف و مواعظ کی کتابت کر رہے تھے، جو فنِ کتابت میں مہارت و شہرت کی وجہ سے لوگوں میں بہت مقبول تھے، لوگ بہتر اور معیاری کام کی خاطر ان کی ہر قسم کی نازبرداری برداشت کرتے، دینی و دنیوی لحاظ سے بڑے بڑے اصحابِ وجاہت ان کے مکان پر حاضر ہو کر خوشامدیں کرتے۔

ادھر حضرتِ والا کو معیاری کتابت کی سخت ضرورت، اور آپ کے معیار کے مطابق کوئی دوسرا کاتب ملنا بظاہر بہت مشکل و متعسّر بلکہ متعذّر نظر آتا تھا۔

ان حالات میں کاتب صاحب کے ایک خط کا حضرتِ والا نے جو جواب تحریر فرمایا شاید اس سے کسی کو توکل، استغنا، اور حسنِ سلوک و ایثار کا کچھ سبق مل جائے، اس لئے حضرتِ والا کی تحریر ہدیۂ ناظرین ہے:

> ”بحمد اللہ تعالیٰ مجھے اس کا بہت خیال رہتا ہے کہ میری وجہ سے کسی کو کوئی پریشانی نہ ہو، بلکہ راحت رسانی کی فکر رہتی ہے، بالخصوص اصحابِ معاملہ کو زیادہ سے زیادہ خوش رکھنے کا خیال رہتا ہے، اب جب کہ آیندہ کام سے متعلق آپ کا معذرت نامہ موصول ہوا تو اصولِ بالا کے تحت اصحابِ معاملات کے ساتھ اپنے معمولات تحریر کر رہا ہوں:

① کسی صاحبِ معاملہ کو میں خود کام سے نہیں ہٹاتا، اگرچہ مجھے اس سے بہتر ماہر دستیاب ہو یا اس سے کم قیمت پر کام ہو سکتا ہو۔

② کوئی صاحبِ معاملہ خود کام چھوڑنا چاہے تو میں اسے مزید کام کے لئے نہیں کہتا۔

③ اللہ تعالیٰ مجھ سے دین کے جو کام بھی لے رہے ہیں یہ سب اُسی کے کام ہیں، میرا کوئی نہیں، اس لئے مجھے کام کے بارہ میں کوئی فکر نہیں ہوتی، وہ جانے اور اس کا کام۔"

ہنگامی حالات میں ذخیرہ اندوزی سے احتراز:

(۳۶) اللہ تعالیٰ پر توکّل واعتماد کی کمی کا یہ اثر بہت عام نظر آتا ہے کہ ہنگامی حالات میں لوگ گھروں میں راشن زیادہ سے زیادہ بھرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

حضرتِ والا ہنگامی حالات میں بھی عام حالات سے زیادہ راشن نہیں منگواتے، اس حرکت کو نہایت ہی قبیح سمجھتے ہیں، اس کی قباحت کی چار وجوہ ارشاد فرماتے ہیں:

۱ــــ یہ اللہ تعالیٰ پر توکل واعتماد کے خلاف ہے۔

۲ــــ راشن کی دوکانوں پر ہجوم، بھگدڑ اور کثرتِ آمد و رفت و نقل و حمل کی وجہ سے پریشانیوں میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔

۳ــــ قیمتیں بہت بڑھ جاتی ہیں۔

۴ــــ بسا اوقات خورونوش کی ضروری اشیاء مارکیٹ سے بالکل غائب ہی ہو جاتی ہیں۔

ایک بار بہت شدید ہنگامی حالات میں لوگوں نے اسی حرکت کا خوب مظاہرہ کیا، بعض نے حضرتِ والا کی خدمت میں بھی نہایت دردمندانہ انداز سے

یوں درخواست پیش کی:

”حالات بہت خطرناک ہیں، جلدی بحال ہونے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا، اس لئے حضرتِ والا بھی راشن کی وافر مقدار منگوالیں۔“

حضرتِ والا نے ارشاد فرمایا:

”میں ایسی حماقت ہرگز نہیں کرسکتا، مجھے اپنے اللہ پر اعتماد ہے۔“

چند روز کے بعد مارکیٹ سے گھی بالکل غائب، لوگ بہت پریشان۔ کراچی سے تقریباً دو سو کلومیٹر دور ایک گاؤں سے ایک شخص حضرتِ والا کے لئے اصلی گھی لے کر چلا، راستہ میں گھی اس کی شلوار پر گرتا رہا، اسے پتا نہ چلا، شلوار گھی سے لت پت۔

اس حالت میں حضرتِ والا کی خدمت میں حاضر ہو کر گھی پیش کیا تو حضرتِ والا نے ارشاد فرمایا:

”کراچی میں راشن سے گھر بھرنے والے بناسپتی گھی کو ترس رہے ہیں اور ہمارے لئے اللہ تعالیٰ اتنی دُور سے اصلی گھی اتنا بھیج رہے ہیں کہ لانے والے کی شلوار بھی اصلی گھی پی رہی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ یہ اسی شلوار میں پورے شہر میں گشت کریں اور یوں اعلان کرتے جائیں:

”اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اتنا دیتا ہے کہ ان کے لئے دو سو کلومیٹر سے اصلی گھی آرہا ہے حتی کہ لانے والے کی شلوار بھی اصلی گھی پی رہی ہے جبکہ کراچی میں لوگوں کو کھانے کو بھی اصلی گھی تو کیا بناسپتی گھی بھی نہیں مل رہا۔““

حکومتِ سعودیہ کی پیشکش:

(۲۷) ریاض میں حکومتِ سعودیہ کے ایک ادارہ نے "دارالافتاء والارشاد" کے لئے بہت بڑی مقدار میں مالی تعاون کی پیشکش کی حضرتِ والا نے انکار فرمادیا۔

تجارتی بحران اور انفاق فی سبیل اللہ:

(۲۸) حضرتِ والا اب تو بفضل اللہ تعالیٰ ذاتی مصارف سے کئی گنا زیادہ اشاعتِ دین پر خرچ کررہے ہیں، کبھی سَو گنا سے بھی زیادہ۔ اس سے پہلے کسی زمانہ میں آمدنی کی کم از کم ایک تہائی اشاعتِ دین پر لگانے کا معمول تھا۔

آپ کی زرعی اراضی کی سالانہ آمدنی آپ کے سالانہ مصارف کے برابر تھی۔ آمدنی کا بڑا ذریعہ تجارت تھی جو ایک تجارتی کمپنی کے حصص کی صورت میں تھی۔

کمپنی پر بہت سخت قسم کا بحران آنے کی وجہ سے آپ کی تجارتی آمدنی بالکل بند ہوگئی اور صرف زرعی اراضی کی آمدنی پر انحصار رہ گیا، اب اگر آپ ایک تہائی اُمورِ دین پر صرف کرنے کا معمول جاری رکھتے ہیں تو اپنے سالانہ مصارف کی ایک تہائی یعنی چار ماہ کے مصارف کا کوئی انتظام نہیں، منجانب اللہ قلبِ مبارک میں القاء ہوا:

> "بحمد اللہ تعالیٰ آٹھ ماہ کے مصارف کا سامان موجود ہے، جبکہ زندگی کا تو ایک لمحہ کے لئے بھی اعتبار نہیں۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

> "جو شخص امن وعافیت میں ہے اور اس کے پاس ایک دن کا رزق ہے، گویا کہ اس کے پاس پوری دنیا کی دولت جمع ہے۔"
>
> (ترمذی)

چنانچہ آپ نے اس حال میں بھی ایک تہائی نکالنے کا معمول جاری رکھنے کا

فیصلہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس توکل کے بہترین ثمرات سے اتنی جلدی نوازا کہ تاحال زمین کی آمدنی موصول نہ ہونے کی وجہ سے اس کی تہائی نکال بھی نہ پائے تھے کہ اس سے دس گنا سے بھی زیادہ عطاء فرما دیا۔

جس کا کام ہے وہ بلا چندہ بھی چلائے گا:

﴿۲۹﴾ حضرتِ والا نے "دار الافتاء والارشاد" کی بنیاد بالکل بے سروسامانی کی حالت میں رکھی تھی، اس حالت میں یہ عزم تازہ کرتے رہتے تھے:

"کسی حال میں بھی چندہ ہرگز نہیں کروں گا۔"

ایک بزرگ نے فرمایا:

"بدوں چندہ کام کیسے چلے گا؟"

حضرتِ والا نے ارشاد فرمایا:

"یہ میرا کام تو ہے نہیں کہ مجھے چلنے یا نہ چلنے کی فکر ہو، جس کا کام ہے اس کو منظور ہے تو وہ بلا چندہ ہی چلائے گا، اور اگر اس کو منظور نہیں تو میں کون ہوں چلانے والا؟ چھوڑ دوں گا۔"

دار الافتاء کے ابتدائی بے سروسامانی کے حالات:

﴿۳۰﴾ "دار الافتاء والارشاد" کے پلاٹ میں تعمیر کی ابتداء:

"حضرتِ والا علم وتقویٰ کے تمام تر مناصبِ جلیلہ اور کمالاتِ ظاہرہ وباطنہ کے باوجود بنفسِ خود بذریعہ بس لی مارکیٹ تشریف لے گئے۔ بانس، ترپال اور رسیاں وغیرہ خریدیں۔ سامان گدھا گاڑی پر رکھا، خود بھی اسی گدھا گاڑی پر سامان کے اوپر بیٹھ کر تشریف لائے، بانسوں

اور ترپالوں کے سایہ میں افتاء و ارشاد جیسے مقدس و مبارک کام کا افتتاح فرمایا، کبھی ہوا سے کوئی بانس گر رہا ہے کبھی کوئی۔"

آپ کے ایک بہت قریبی رشتہ دار بہت بڑے زمیندار آپ سے ملاقات کے لئے آئے انہوں نے مندرجۂ بالا حالات دیکھ کر کچھ تعاون بطورِ عطیہ کیا اور بہت بھاری رقم بطورِ قرض دینے کی یوں پیشکش کی:

"آپ یہ رقم کام میں لگائیں، جب کبھی وسعت ہو تو واپس کر دیں۔"

حضرتِ والا نے مروۃً قبول فرمالی، بعد میں ان کو خط لکھ دیا:

"آپ کی رقم بطورِ امانت محفوظ ہے، جب چاہیں لے جائیں۔"

③① بہت بڑے جامعہ کی تعمیر اور جامعہ چلانے کے پورے مصارف کے لئے وقف کی پیشکش:

"دار الافتاء والارشاد" کے حالاتِ مذکورہ بالا کے زمانہ میں ایک بڑے زمیندار نے اپنی نہایت زرخیز زرعی زمین بہت بڑا جامعہ تعمیر کرنے کے لئے حضرتِ والا کی خدمت میں پیش کی، زمین اتنی زیادہ کہ جامعہ کی تعمیرات سے زائد زمین کی پیداوار جامعہ کے پورے مصارف کی ہمیشہ کے لئے کفیل رہے اور کسی دوسرے ذریعۂ آمدن کی کبھی کوئی حاجت پیش نہ آئے۔

انہوں نے حضرتِ والا کے والد ماجد رحمہ اللہ تعالیٰ سے سفارش بھی کروائی کہ حضرتِ والا ان کی اس پیشکش کو قبول فرمالیں۔

حضرتِ اقدس دامت برکاتہم نے جواب میں ارشاد فرمایا:

"جامعات تو ملک میں پہلے ہی ضرورت سے بہت زیادہ ہیں، ضرورت ایسے مکاتب کی ہے جن میں تعلیم قرآن با تجوید، تحفیظ قرآن

اور عوام کو دین کے عام احکام کی تعلیم دی جائے، ایسے مکاتب کی بہت سخت ضرورت ہے، ہر گاؤں میں اور ہر شہر کے ہر محلہ میں قائم کئے جائیں۔

یہ دین کی بہت بڑی خدمت ہے، آپ ایسے مکاتب زیادہ سے زیادہ قائم کریں اور اس ذخیرۂ آخرت کے لئے زمین وقف کریں، اللہ تعالیٰ آپ کی اس خدمت کو قبول فرمائیں۔“

تعدّد یا تبدّد؟:

حضرتِ والا فرماتے ہیں:

”تعدّد محمود ہے اور تبدّد مذموم، کئی لوگ ایک ہی مقصد کے الگ الگ متعدّد ادارے ضرورتِ واقعیہ کے پیشِ نظر کھولیں تو یہ تعدّد جائز بلکہ مستحسن ومحمود ہے، مگر بلا ضرورت ایسا کرنا تعدّد نہیں بلکہ تبدّد ہے جو ناجائز اور مذموم ہے۔

ضرورت وعدمِ ضرورت کا معیار یہ ہے کہ اگر کوئی ادارہ ایک نظم کے تحت ہو اور اس کے سب مصارف بھی ایک ہی فرد یا ایک ہی جماعت برداشت کرتی ہو، پھر یہی لوگ کسی دوسرے ادارہ کی ضرورت محسوس کریں تو یہ ضرورتِ واقعیہ ہے ورنہ نہیں۔

چنانچہ دنیوی فنون کے جامعات (یونیورسٹیاں) اور کالج، اسکول اسی قانونِ مذکور کے تحت چل رہے ہیں، اسی لئے یونیورسٹیاں الگ الگ شعبوں میں تقسیم ہونے کے باوجود پورے ملک میں صرف معدودے چند ہیں اور جامعاتِ اسلامیہ ایک ایک شہر میں

کئی کئی، حالانکہ طالبینِ فنونِ دُنیویہ کی تعداد طلبۂ علومِ دینیہ سے ہزاروں بلکہ لاکھوں گنا زیادہ ہے۔

جن ممالکِ اسلامیہ میں جامعاتِ اسلامیہ بھی قانونِ مذکور کے تحت ہیں ان کی تعداد بھی بہت قلیل ہے، مگر جن ممالک میں جامعاتِ اسلامیہ قانونِ مذکور کے تحت نہیں ان کی تعداد غیر محدود ہے اور روز بروز بڑھتی ہی چلی جارہی ہے، ہر آئے دن نیا جامعہ وجود میں آرہا ہے اور ایک ہی شہر میں جامعات کی کافی بڑی تعداد ایک دوسرے سے فوقیت لے جانے کے چکر میں سرگرداں۔

قانونِ مذکور کے مطابق پورے پاکستان میں زیادہ سے زیادہ تین جامعات کافی تھے، علومِ متوسطہ کا مدرسہ ہر ضلع میں ایک اور مدرسہ ابتدائیہ ہر بڑے شہر میں ایک۔ اس صورت میں تعلیمِ دین پر مصارف بھی بہت کم آتے اور رجالِ کار کی دماغی وجسمانی صلاحیتیں اور قوتیں بھی بہت کم صرف ہوتیں، مزید سرمایہ اور دماغی وجسمانی صلاحیتیں اور قوتیں دین کے دوسرے شعبوں پر خرچ کی جاتیں۔

جامعات کھولنے کے شوق کے برعکس قرآن واحکامِ اسلام کی تعلیمِ عام کے مکاتب جیسی ضرورتِ شدیدہ وخدمتِ عظمیٰ کی طرف علماء کو توجہ نہ عوام کو۔ ایک جامعہ پر جتنا سرمایہ اور دماغی وجسمانی صلاحیتیں اور قوتیں خرچ ہو رہی ہیں ان سے ہزاروں مکاتب قائم کیے جاسکتے ہیں، گویا کہ ایک ایک جامعہ کی بنیادوں میں ہزاروں ہزاروں مکاتب مدفون ہیں، اللہ تعالیٰ اُمتِ مسلمہ کو عقلِ سلیم وفہمِ دین عطاء فرمائیں۔“

بہت بڑے جامعہ کے لئے ڈیڑھ سوا ایکڑ کی پیشکش:

(۳۲) حال ہی میں نہایت سرسبز و شاداب پہاڑوں، قدرتی چشموں اور ہرے بھرے پھلدار باغوں کی سرزمین میں بہت بڑا جامعہ بنانے کے لئے ایک بہت مخلص عقیدتمند نے ڈیڑھ سوا ایکڑ کی پیشکش کی ہے۔

تفصیل جلد دوم میں عنوان "دین پر استقامت" کے تحت نمبر ۴۳ میں ہے۔

اِنفاق فی سبیل اللہ کی برکت:

حضرتِ اقدس کا معمول ہے کہ ہر مہینے کی ابتداء میں اس ایک ماہ کے گھریلو مصارف رکھ کر باقی سب رقم فی سبیل اللہ لگا دیتے ہیں، ایک بار مہینے کی پہلی تاریخ کو اچانک ایک بہت اہم ذاتی کام کے لئے بیالیس ہزار کی ضرورت پیش آگئی۔ حضرتِ والا کو بہت شدت سے اس کا احساس ہوا کہ اگر یہ اچانک ضرورت پیش نہ آتی تو یہ رقم بھی فی سبیل اللہ صرف ہوتی۔ یہ صدمہ آپ کے دل و دماغ پر ایسا مسلّط ہوا کہ پریشان کر دیا۔

ان دنوں ایک قدیم مخلص خادم نے ایک خطیر رقم بطورِ ہدیہ پیش کی مگر آپ نے خلافِ شرائط ہونے کی وجہ سے قبول نہ فرمائی۔

تقریباً ایک ماہ کے بعد آپ کو تجارت کے سالانہ منافع ملنے والے تھے، آپ یہ منافع سب کے سب فی سبیل اللہ لگا دیتے ہیں۔ اس بارہ میں یہ تحریر لکھ رکھی ہے:

> "میں اس تجارت کے کل منافع اشاعتِ دین پر خرچ کر رہا ہوں، اس تجارت سے میرا یہی مقصد ہے، جمعِ مال مقصود نہیں،

تقبل اللّٰہ منی ومن سائر المسلمین ''۔

یہ معمول بنانے سے قبل آپ نے ''دار الافتاء والارشاد'' کے مفتیانِ کرام کے سامنے بغرضِ استشارہ تین تجاویز پیش فرمائیں :

۱ ـــ تجارت میں لگے ہوئے کل سرمایہ کو فی سبیل اللّٰہ لگانے کی وصیت لکھ دوں۔
۲ ـــ ابھی سے یہ پورا سرمایہ فی سبیل اللّٰہ وقف کر دوں ۔
۳ ـــ وصیت یا وقف کئے بغیر کل منافع فی سبیل اللّٰہ لگانے کا دائمی معمول بنالوں۔

علماءِ کرام نے ہر قسم کے مصالح پر خوب غور و فکر کرنے کے بعد تیسری صورت اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔

تقریباً ایک ماہ کے بعد ملنے والے ان منافع کے بارہ میں حضرت والا نے یہ وصیت تحریر فرمادی :

> ''اگر اللّٰہ تعالیٰ نے مجھے یہ منافع ملنے سے قبل وطن بلالیا تو ان میں سے بیالیس ہزار فی سبیل اللّٰہ خرچ کئے جائیں''۔

یہ وصیت لکھ کر محفوظ رکھنے کے علاوہ مندرجۂ ذیل تین افراد کو بھی بہت تاکید سے یہی وصیت فرمائی :

① محترمہ پیرانی صاحبہ مدظلہا۔
② راقم السطور بندہ عبدالرحیم ۔
③ مولانا خالد صاحب ۔

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ حضرتِ اقدس تجارت کے سب منافع فی سبیل اللّٰہ لگادیتے ہیں اس سے کسی کو یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ ان منافع میں سے بیالیس ہزار اگر ذاتی مصارف کے عوض میں دیئے جاتے تو اس سے صدمۂ مذکورہ کا تدارک کیسے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بیالیس ہزار کو فی سبیل اللّٰہ نکالنے کا وقت آچکا تھا

اور تجارت کے منافع کو فی سبیل اللہ لگانے کا وقت ابھی نہیں آیا تھا، دونوں کی نوعیت میں اس فرق کی وجہ سے پہلی صورت زیادہ قلق کا باعث بن رہی تھی۔

انفاق فی سبیل اللہ کے ایسے بلند جذبات اور انفاق کے لئے رکھی ہوئی رقم میں بضرورتِ شدیدہ کسی قدر وقوعِ نقص سے اس قدر رنج و غم اور حتی المقدور اس کی تلافی کی کوشش اور غیر معمولی اہتمام کی برکت سے ربِ کریم کی رحمتِ خاصہ کا یہ کرشمہ ظاہر ہوا کہ صرف دو تین روز ہی گزرنے پائے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے رقم مذکور کے ڈیڑھ گنا سے بھی زیادہ غیب سے عطاء فرما دیئے۔ حضرتِ والا نے ارشاد فرمایا:

> "اللہ تعالیٰ نے خزانۂ غیب سے ایسے عجیب طریق سے مدد فرمائی کہ عقل حیران ہے۔"

اختتام

"توکل اور اس کی برکات" کا باب یہاں تک لکھنے کے بعد حضرتِ والا کے حالات پر ایک نظر ڈالی تو قلم آگے بڑھانے کی ہمت ٹوٹ گئی، اس باب سے متعلق حضرت اقدس دامت برکاتہم وعمت فیوضہم کے احوالِ رفیعہ کے واقعات اتنے زیادہ ہیں کہ ان سب کو قلمبند کرنے کے لئے دفتروں کے دفتر بھی کافی نہیں؎

قلم بشکن سیاہی ریز و کاغذ سوز و دم درکش
حسن این قصۂ عشق ست در دفتر نمی گنجد

> "قلم توڑ دو، سیاہی گرادو، کاغذ جلا دو اور خاموش بیٹھ جاؤ، اس لئے کہ یہ قصۂ عشق ہے جو دفتروں میں نہیں سماتا۔"

ان واقعات میں سے بعض کا انتخاب بھی مشکل، اس لئے کہ ایک سے بڑھ کر ایک۔ مجبوراً قلم روکنا پڑا۔ جو واقعات زیرِ تحریر آ گئے ہیں درسِ عبرت کے لئے وہ بھی بہت ہیں۔

غلبۂ توحید

حضرتِ اقدس دامت برکاتہم کے توکل علی اللہ و تعلق مع اللہ کے اعلیٰ مقام کا دوسرا نام "غلبۂ توحید" ہے، آپ کے اس حال کے بارہ میں مختصرًا چند واقعات بطورِ مثال لکھے جاتے ہیں:

① آپ نے دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد تدریس کی ابتداء ہی میں تقریبًا بائیس سال کی عمر میں رسالہ "التحریر الفرید فی ترکیب کلمۃ التوحید" لکھا، جس کی ابتداء اس شعر سے فرمائی ؎

دریں دریائے بے پایاں دریں طوفانِ موج افزا
دل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا

"اس بے پایاں دریا میں اور اس موج افزاء طوفان میں ہم نے
دل ڈال دیا ہے، اس کا چلنا اور رکنا اللہ ہی کے نام سے ہے۔"

یہ تحریر کیا تھی؟

علومِ عالیہ و اسرارِ غامضہ کا شاہکار، علماء و اہلِ دل کے لئے خزینۂ معارف و سفینۂ نوح علیہ السلام۔

افسوس کہ یہ تحریر محفوظ نہ رہ سکی آپ نے اپنے کسی شاگرد میں کوئی خاص صلاحیت دیکھی تو یہ انمول سرمایہ اس کے حوالہ کر دیا۔

② ایک بار ملک بھر کے جامعاتِ اسلامیہ کے اکابر علماء کے اجتماع میں حضرتِ اقدس دامت برکاتہم نے "توحید" کے موضوع پر کچھ کلام فرمایا جس کو سن کر جلیل القدر اکابر علماء کا پورا مجمع حیران و ششدر رہ گیا، حالانکہ حضرتِ والا بالکل نوعمر تھے اور دوسرے علماء منصب، شہرت اور عمر میں بہت زیادہ۔

③ مباحثِ ”توحید“ پر ایک مخطوطہ رسالہ کے علومِ عالیہ، رموزِ کامنہ و دقائقِ غامضہ کی حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ نے بہت تعریف فرمائی ہے، یہ مخطوطہ رسالہ حضرت مفتی محمد حسن قدس سرہ کے پاس محفوظ تھا، آپ نے حضرت اقدس میں ”غلبۂ توحید“ کی خاص شان دیکھ کر آپ کو خصوصیت سے یہ رسالہ مطالعہ کے لئے عنایت فرمایا۔

④ شیخ عبداللہ القادری عمید کلیۃ اللغۃ بالجامعۃ الاسلامیۃ بالمدینۃ المنورۃ کو حکومتِ سعودیہ نے پوری دنیا کو ”درسِ توحید“ دینے پوری دنیا کے دورہ پر بھیجا۔ وہ شعبان ۱۳۹۸ھ میں پاکستان آئے تو سب سے پہلے حضرتِ اقدس کی زیارت کے لئے ”دارالافتاء والارشاد“ پہنچے، آپ سے صرف چند منٹ گفتگو کے بعد کہنے لگے:

> ”میں حکومتِ سعودیہ کی طرف سے پوری دنیا کو ”درسِ توحید“ دینے نکلا ہوں مگر مجھے یہاں پہنچ کر اس کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ آپ سے ”توحید“ کے کچھ اسباق پڑھوں۔“

ان کے تأثرات کی پوری تفصیل اور اس بارہ میں ان کی طرف سے مجلۃ الجامعۃ الاسلامیۃ بالمدینۃ المنورۃ میں شائع کردہ ان کی خود نوشتہ تحریر عنوان ”شہرت سے اجتناب“ میں ہے۔

⑤ حضرتِ اقدس اپنے مواعظِ عمومی و مجالسِ خصوصی میں عارفِ کامل حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اپنی بہت زیادہ عقیدت کا اظہار فرماتے رہتے ہیں اور اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں:

> حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ معرفتِ الٰہیہ اور ”توحید“ میں بہت بلند مقام پر ہیں، افسوس کہ علماء نے ان کے مقام کو نہیں پہچانا، ان کی کتابیں بچوں کے ہاتھوں میں پکڑا دیں، حالانکہ تمام علومِ ظاہرہ میں

پوری مہارت حاصل کرنے کے بعد کم از کم دس سال کسی عارفِ کامل کی صحبت میں گزارے جائیں تو حضرت سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ کے معارف تک رسائی ہوسکتی ہے۔"

حضرت سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اشعارِ ذیل میں "توحید" کی حقیقت آشکارا فرمائی ہے۔

موحد چہ برپائے ریزی زرش
چہ شمشیر ہندی نہی برسرش
امید و ہراسش نباشد زکس
ہمین است بنیادِ توحید و بس

"موحد وہ ہے کہ خواہ اس کے پاؤں پر سونا نچھاور کرو یا اس کے سر پر ہندی تلوار رکھ دو، بہر حال نہ اس کو کسی سے کوئی امید ہوتی ہے اور نہ ہی کسی سے کوئی خوف، بس توحید کی بنیاد یہی ہے۔"

اپنے عمومی وخصوصی مواعظ و مجالس میں حضرت سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذکورہ بالا اشعار بہت پڑھتے ہیں، بہت جوش و سطوت اور عجیب شان سے حاضرین کے دلوں میں "توحید" کی روح پھونک دیتے ہیں۔

⑥ حضرت اقدس دامت برکاتہم کی زبانِ مبارک پر ہر وقت "کلمۂ توحید" کا ذکر جاری رہتا ہے، آپ اپنے متوسلین کو بھی "کلمۂ توحید" کا ذکر ہر وقت جاری رکھنے کی بہت تاکید فرماتے رہتے ہیں۔

آپ کے "اقوالِ توحید" سے کہیں زیادہ بلند و بالاتر "احوالِ توحید" ہیں، جن کی مثالیں اس کتاب کے مختلف ابواب میں پھیلی ہوئی ہیں، جن میں حالاتِ رفیعہ کی صرف ادنیٰ سی جھلک زیرِ قلم لائی جاسکی ہے، حقائق کا ادراک بہت بعید۔

⑦ آپ ذکرِ "دوازدہ تسبیح" میں قلب پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کی اس قدر شدید ضربیں لگاتے کہ سننے والوں کے قلوب پگھلنے لگتے، حالاتِ درد دیکھنے والوں کو رحم آتا اور انہیں یہ منظر دکھائی دینے لگتا ؎

اے عشق مبارک تجھ کو ہو اب، ہوش اُڑائے جاتے ہیں
جو ہوش کے پردہ میں تھے نہاں وہ سامنے آئے جاتے ہیں
جب اس طرح چوٹ پہ چوٹ پڑے ویرانیٔ دل کیونکر نہ بڑھے
اٹھ اٹھ کر پچھلی راتوں میں کچھ تیر لگائے جاتے ہیں

⑧ ذکرِ "سلطان الاذکار" کا اعماقِ قلب اور پورے بدن کی ہر ہر رگ و پے میں اس قدر اثر ہوتا کہ اس کی لذت وحلاوت سے سرشار رہتے، آپ کے اس کیف و سُرور اور لذت وحلاوت کی ترجمانی آپ کے یہ اشعار کرتے ہیں ؎

دل وجاں کی لذت دہن کی حلاوت
اسی سے گلستاں ہے دل کی کیاری
مرے دل کی فرحت مری جاں کی راحت
یہ شیر و شکر ہیں مرے تن میں ساری

⑨ دائیں ہاتھ کی انگشتِ شہادت سے انگوٹھے کے پیٹ پر اسمِ اعظم "اللہ" لکھنے کا معمول۔

اس کی تفصیل عنوان "آتشِ عشق" کے تحت گزر چکی ہے۔

⑩ اسمِ اعظم "اللہ" کے بہت خوبصورت طغریٰ کے سامنے بیٹھ کر اس کے نقوش کا قلب پر ثبت کرنا اور انوار و تجلیات کا اعماقِ قلب وقالب میں اتارنا۔

اس کی تفصیل بھی عنوان "آتشِ عشق" کے تحت گزر چکی ہے۔

آپ کی اس حالت کی ترجمانی آپ کی زبانِ مبارک سے اشعارِ ذیل کی صورت میں ہوتی رہتی ہے ؎

میں یوں دن رات جو گردن جھکائے بیٹھا رہتا ہوں
تری تصویر سی دل میں کھنچی معلوم ہوتی ہے

دل کے آئینہ میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

⑪ ماہِ رمضان المبارک میں باغ میں جا کر تنہائی میں بیٹھ کر اشجار، اثمار و اوراق کے مناظر سے مراقبۂ قدرتِ الٰہیہ کرنے اور محبتِ الٰہیہ کا قلب و قالب میں اتارنے کا روزانہ کا معمول۔

اس کی تفصیل بھی عنوان "آتشِ عشق" کے تحت گزر چکی ہے۔

⑫ آپ نمازِ فجر کے بعد بغرضِ تفریح اپنے تلامذہ و احباب کے ساتھ باغ میں تشریف لے جاتے ہیں، باغ میں پہنچ کر سب احباب و تلامذہ سے الگ ہو جاتے ہیں، باغ میں تنہا چکر لگاتے ہیں، مناظرِ قدرت کے ذریعہ محبوبِ حقیقی کی معرفت و محبت سے قلب کو منور و معمور اور دل و دماغ کو سرشار و مسرور کرنے کے علاوہ آپ کی زبانِ مبارک پر معرفتِ الٰہیہ کے یہ اشعار جاری رہتے ہیں ؎

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار
ہر برگے دفتریست زمعرفتِ کردگار

"عارف کی نظر میں سبز درختوں کا ہر پتا معرفتِ الٰہیہ

کا بہت بڑا دفتر ہے۔"

گلستاں میں جا کر ہر اک گل کو دیکھا
تری ہی سی رنگت تری ہی سی بو ہے

مجھے ہر سو تری جلوہ گری معلوم ہوتی ہے
تری تصویر سی ہر سو کھنچی معلوم ہوتی ہے

فصلِ گل میں سب تو خنداں ہیں مگر گریاں ہم ہیں
جب چمک جاتی ہے بجلی یاد آجاتا ہے دل

پھرتا ہوں دل میں یار کو مہماں کیے ہوئے
روئے زمیں کو کوچۂ جاناں کیے ہوئے

⑬ آپ اندرون یا بیرونِ ملک کبھی اسفارِ طویلہ پر تشریف لے جاتے ہیں تو آپ کی زبانِ مبارک سے مندرجۂ ذیل اسباقِ معرفت سنائی دیتے ہیں:

۱۔ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (۲۔۱۱۵)

"اور اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب، سو جس طرف بھی تم رُخ کرو وہاں ہی متوجہ ہے اللہ۔ بے شک اللہ بے انتہا بخشش کرنے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔"

۲۔ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ
وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ۝ (۳—۱۹۶ تا ۱۹۸)

"کافروں کی شہروں میں چہل پہل تجھے دھوکا نہ دے، یہ تھوڑا سا فائدہ ہے پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے، لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ کے ہاں سے مہمانی ہے، اور جو اللہ کے ہاں ہے وہ نیک لوگوں کے لئے بہتر ہے۔"

۳— ؎

بت مجھے مائل کریں میں ان سے رُوگرداں ہوں
کعبہ آگے ہو مرے پیچھے صنم خانہ رہے
پھیر لوں رُخ پھیر لوں ہر ما سوا سے پھیر لوں
میں رہوں اور سامنے بس رُوئے جانانہ رہے
رہ کے دنیا میں بھی ہم دنیا سے بیگانہ رہے
وقفِ ذکرِ یار محوِ یادِ جانانہ رہے

۴— سفر میں یہ شعر بھی بکثرت پڑھتے ہیں ؎

پھرتا ہوں دل میں یار کو مہماں کئے ہوئے
روئے زمیں کو کوچۂ جانانہ کئے ہوئے

⑭ فضلِ عظیم:

ربِ کریم نے حضرتِ اقدس زادت مکارمہم کو "توحید" کے اعلیٰ مقام پر

ایک بہت ہی عجیب لطیفہ کے طور پر فائز فرمایا ہے۔

سن ۱۴۱۵ ہجری میں یوم النحر یعنی ۱۰ ذی الحجہ کی ابتداء سے لے کر ایامِ تشریق کے آخری دن یعنی ۱۳ ذی الحجہ کے آخر تک پورے چار ایامِ مبارکہ میں مسلسل منجانب اللہ حضرتِ والا کے ساتھ "جذبِ توحید" کا بہت خاص معاملہ فرمایا گیا ہے۔

تفصیل جلد سوم میں "مبشراتِ منامیہ" کے نمبر۵ میں بعنوان "رُوحِ توحید کے حصول کی بشارت" مذکور ہے، اور اس پورے کرم بالائے کرم کی تفصیل عنوانِ مذکور کے آخر میں عنوان "بشارتِ مذکورہ کی تفصیل" کے تحت ہے۔

اس "جذبِ توحید" کے مطابق حضرتِ اقدس کی زبانِ مبارک سے بکثرت یہ اشعار سنائی دیتے ہیں ؎

اے خیالِ دوست اے بیگانہ سازِ ماسوا
اس بھری دنیا میں تو نے مجھ کو تنہا کر دیا

پھیر لوں رُخ پھیر لوں ہر ماسوا سے پھیر لوں
میں رہوں اور سامنے بس روئے جانانہ رہے

نمودِ جلوۂ بے رنگ میں ہوش اس قدر گم ہیں
کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی

از یکی گو از ہمہ یکسوئی باش
یک دل و یک قبلہ و یک روئی باش
"سب سے توڑ ایک سے جوڑ"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إن أناسا من أمتى سيتفقهون فى الدين ويقرءون القران يقولون نأتى الأمراء فنصيب من دنياهم ونعتزلهم بديننا ولايكون ذلك كما لايجتنى من القتاد الا الشوك كذلك لايجتنى من قربهم الا الخطايا . (رواه ابن ماجه)

* * *

وعن محمد بن سلمة رحمه الله تعالى انه قال الذباب على العذرة أحسن من قارئ على باب هؤلاء الظلمة ورحم الله والدى كان يقول لى ما أريد أن تصير من العلماء خشية أن تقف على باب الأمراء . (مرقاة)

حکام سے اجتناب

جتنا حکام سے رابطہ بڑھتا جائے گا اتنا ہی احکم الحاکمین سے رابطہ گھٹتا جائے گا جس قدر حکام سے قرب بڑھے گا اسی قدر دین سے بُعد ہوگا، یہ خطرناک فساد کن کن طریقوں سے دیندار و اہل علم تک پہنچتا ہے؟ اور پھر کیسے کیسے دین و آخرت کو تباہ کرتا ہے؟ بربادی کے اس سیلاب پر کیسے بند لگایا جائے؟ اور اس وباء سے نجات کے راستے کیا کیا ہیں؟ یہ سب تفصیل حضرتِ والا کے ان قیمتی اور بیش بہا احوال و ارشادات میں دیکھی جا سکتی ہے۔

حُکّام سے اجتناب

عنوان	صفحہ
سرکاری علماء پر شعر	۵۶۳
کمشنر کی تمنائے ملاقات پر ٹکا سا جواب	۵۶۴
وزیر اعظم سردار عبدالرب نشتر کو تبلیغی خط	۵۶۵
"ضیف الرحمٰن" ہوں	۵۶۶
تبلیغی مرکز میں وفاقی وزیر	۵۶۶
ٹیلیفون پر وزیر اعلیٰ اور ایک وفاقی وزیر	۵۶۷
قِصّہ جاریۂ مالک رحمہ اللہ تعالیٰ	۵۶۸
صدرِ مملکت کو توبہ کی تلقین	۵۷۲
ریاست کے نواب کی علمِ دین پڑھنے کی درخواست	۵۷۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

إِنَّ أُنَاسًا مِنْ أُمَّتِي سَيَتَفَقَّهُونَ فِي

الدِّينِ وَيَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ يَقُولُونَ نَأْتِي الْأُمَرَاءَ فَنُصِيبُ مِنْ دُنْيَاهُمْ وَنَعْتَزِلُهُمْ

بِدِينِنَا وَلَا يَكُونُ ذٰلِكَ كَمَا لَا يُجْتَنٰى مِنَ الْقَتَادِ إِلَّا الشَّوْكُ كَذٰلِكَ لَا يُجْتَنٰى مِنْ قُرْبِهِمْ إِلَّا الْخَطَايَا

میری اُمت میں سے کچھ لوگ فہمِ دین حاصل کریں گے اور قرآنِ کریم پڑھیں گے، کہیں گے امراء کے پاس آؤ اُن کی دُنیا میں سے کچھ حاصل کریں
اور اُن کو کچھ دینی فائدہ پہنچائیں، حالانکہ ایسا نہیں ہو سکتا، جیسا کہ درخت قتاد سے سوائے کانٹوں کے کچھ نہیں چُنا جا سکتا اسی طرح اُنکے قرب سے سوائے گناہوں کے کچھ نہیں چُنا جا سکتا

حکام سے اجتناب

بعض ظاہرین علماء حکام سے تعلقات بڑھانے کی کوشش میں رہتے ہیں، کہتے ہیں کہ اس طرح حکام کو تبلیغِ دین کے مواقع ملتے ہیں۔

حالانکہ دلائلِ شرعیہ وعقلیہ اور تجارب سے ثابت ہے کہ ایسے علماء حکام کو دین کی طرف مائل کرنے کی بجائے اپنا دین بھی برباد کر بیٹھتے ہیں۔

حضرت والا سرکاری حکام سے بہت احتراز فرماتے ہیں، خود کسی حاکم سے ملاقات کرنا تو درکنار، کسی سرکاری تقریب میں یا کسی افسر کی نجی دعوت میں بھی تشریف نہیں لے جاتے، بلکہ کوئی وزیر آپ سے ملاقات کے لئے حاضرِ خدمت ہونا چاہے تو حُسنِ تدبیر کے ذریعہ اس سے بھی بچتے ہیں، ہاں کوئی حاکم اپنے کسی نجی کام سے یا دینی مقصد سے آئے تو اسے عام وقتِ ملاقات میں اجازت مرحمت فرمادیتے ہیں۔

حضرتِ اقدس دامت برکاتہم کے قلبِ مبارک پر اللہ تعالیٰ کی محبت وعظمت کا ایسا تسلط ہے کہ وہاں کسی غیر کا گزر ممکن نہیں۔ حضرت والا کا یہ حال کبھی آپ کی زبانِ مبارک سے بھی اس شعر کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے ؎

جو دبتا ہوں کسی سے میں تو دبتا ہوں تجھی سے میں
جو جھکتی ہے کہیں گردن تو جھکتی ہے یہیں میری

سرکاری علماء پر ایک شعر:

جو علماء حکومت کے زیرِ اثر آجاتے ہیں ان کے بارہ میں حضرت والا اکثر یہ شعر پڑھتے ہیں ؎

یہ اعمالِ بد کی ہے پاداش، ورنہ
کہیں شیر بھی جوتے جاتے ہیں ہل میں

حضرت والا کا حکام سے اجتناب اس قدر معروف و مشہور اور مشاہد ہے کہ کوئی معاند سے معاند بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ مع ھٰذا اس سلسلہ کے چند واقعات تحریر کئے جاتے ہیں:

کمشنر کی تمنائے ملاقات پر ٹکا سا جواب:

① جب حضرت والا دارالعلوم کراچی میں شیخ الحدیث تھے، اس زمانہ میں کمشنر نے ٹیلیفون پر آپ کی خدمت میں یوں درخواست پیش کی:

"میں آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں اس لئے میں گاڑی بھیج رہا ہوں آپ تشریف لائیں۔"

حضرت والا نے فرمایا:

"یہ عجیب بات ہے، ملاقات کی خواہش آپ کو، بلا رہے ہیں مجھے۔"

کمشنر صاحب نے کہا:

"ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے۔"

حضرت والا نے فرمایا:

"ٹیلیفون ہی پر پوچھ لیجئے، یا استفتاء لکھ کر بھیج دیجئے۔"

کمشنر صاحب نے کہا:

"مودودی صاحب کے متعلق فتوی لینا ہے اس سلسلہ میں دوسرے علماء بھی تشریف لا رہے ہیں۔"

اس کے جواب میں حضرت اقدس مدظلہم نے جو جملہ ارشاد فرمایا وہ بالخصوص اہلِ علم حضرات کے لئے درسِ عبرت ہے، فرمایا:

> ”آپ کے پاس جو آرہے ہیں وہ عالم نہیں ہیں، باقی رہا مودودی صاحب کا معاملہ سو میں اس بارہ میں کئی فتاوی لکھ چکا ہوں، جن میں سے بعض چھپ بھی چکے ہیں، مگر آپ کے کہنے سے کچھ نہیں لکھوں گا۔“

وزیرِ اعظم سردار عبدالرب نشتر کو تبلیغی خط:

② جس زمانہ میں سردار عبدالرب نشتر وزیرِ صنعت تھے اور خواجہ ناظم الدین کے کہیں باہر چلے جانے پر قائم مقام وزیرِ اعظم بھی بن گئے تھے، اس زمانہ میں حضرتِ والا نے نشتر صاحب کو ایک تبلیغی خط لکھا، جس میں پاکستان میں حکومتِ اسلامیہ کے اجراء اور قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ تھا۔ اس سے متعلق ایک نظم بھی لکھ کر بھیجی جس میں نشتر صاحب کو خطاب تھا، اس نظم کے چند اشعار جو اس وقت حضرتِ والا کو یاد آگئے نقل کئے جاتے ہیں ؎

زمیں پر کر دے قائم عبدِ رب، رب کی حکومت کو
لعینِ قادیاں کی ختم کر جھوٹی نبوّت کو
تو نشتر ہے تو ہر ناسورِ باطل کاٹ کر رکھ دے
وجودِ پاک سے ناپاک عنصر چھانٹ کر رکھ دے
وہ انگریزی نبی تھا، آسمانی ہو نہیں سکتا
وزیرِ[عہ] خارجہ یہ قادیانی ہو نہیں سکتا

نشتر صاحب نے اس کا جو جواب لکھا وہ حضرتِ والا کی بالکل نوعمری

[عہ] اُس زمانہ میں ظفر اللہ قادیانی وزیرِ خارجہ تھا ۱۲

کے باوجود آپ کے ساتھ اظہارِ عقیدت کے لحاظ سے خاص اہمیّت رکھتا تھا، حضرتِ والا نے دوسری عام ڈاک کی طرح اس خط کو بھی ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا، بعد میں ایک سلسلۂ گفتگو میں اس کا ذکر آیا تو ایک مولوی صاحب نے کہا:

"یہ خط تو بہت ہی اہم تھا، اسے محفوظ رکھنا چاہئے تھا۔"

حضرت اقدس دامت برکاتہم نے یہ سُن کر ارشاد فرمایا:

"پہلے تو خیال تھا کہ اسے دوسری ردی کے ساتھ جلاؤں گا مگر
اب اسے اتنی دیر بھی نہیں رکھوں گا فوراً جلاؤں گا۔"

"ضَیفُ الرَّحمٰن" ہوں:

③ ایک بار سفرِ عمرہ سے قبل سعودی سفیر نے حضرت والا کی دعوت کی، اور سعودیہ میں سرکاری مہمان کی حیثیت سے رہنے کا خصوصی خط دیا۔

آپ نے بوجہِ مروّت اس وقت یہ خط قبول فرمالیا، بعد میں فرمایا:

"میں ضَیفُ الرَّحمٰن (رحمٰن کا مہمان) ہوں جس سرکار
کے دروازہ پر جا رہا ہوں وہ میری مہمانی کے لئے کافی ہے۔"

پورے سفر میں یہ خط کسی کو نہیں دکھایا، اور سرکاری مہمان بننا گوارا نہیں فرمایا۔

تبلیغی مرکز میں وفاقی وزیر:

④ ایک وفاقی وزیر نے کئی بار حضرت والا سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی مگر آپ ٹالتے رہے۔ ایک بار تبلیغی مرکز کی مسجد سے ایک صاحب پیغام لائے کہ مکّی مسجد میں کھانے کی دعوت کا انتظام کیا گیا ہے آپ اس میں تشریف لائیں، حضرت والا نے ان صاحب سے دریافت فرمایا:

"اس دعوت میں دوسرے کون لوگ مدعو ہیں؟"

انھوں نے سب سے پہلے انہی وزیر صاحب کا نام لیا۔ حضرت اقدس دامت برکاتہم نے اس طرح معذرت فرمادی:

"میرا معمول ہے کہ جس دعوت میں کوئی سرکاری عہدہ دار مدعو ہوتا ہے میں اس میں شریک نہیں ہوتا۔"

خیال ہے کہ یہ دعوت وزیر صاحب ہی نے ذریعۂ ملاقات کی تدبیر کے طور پر کرائی ہوگی، مگر آپ کی نظرِ عمیق فوراً اسے بھانپ گئی اور اس تقریب میں شریک نہیں ہوئے۔

ٹیلیفون پر وزیرِ اعلیٰ اور ایک وفاقی وزیر:

⑤ ایک بار صوبائی وزیرِ اعلیٰ نے حضرت والا سے بات کرنے کے لئے ایسے وقت ٹیلیفون کیا کہ وہ وقت ٹیلیفون پر ملاقات کا نہ تھا، خادم نے بتادیا کہ یہ وقتِ ملاقات نہیں۔ تقریباً پانچ منٹ بعد ایک وفاقی وزیر کا فون آیا، خادم نے انھیں بھی یہی جواب دیا۔ اس کے بعد یہ خادم حضرت والا کو یہ قصہ بتانا بھول گئے، دوسرے روز شام میں بتایا۔

آپ اس خادم پر بہت خوش ہوئے اور اسے بار بار شاباش دی، پھر فرمایا:

"ایک مسرّت تو اس پر ہے کہ آپ نے وزیروں سے مرعوب ہوکر خلافِ ضابطہ اسی وقت مجھ سے ٹیلیفون نہیں ملایا، اگر ایسا کرتے تو مجھے سخت ناگوار ہوتا۔

اس سے بھی زیادہ مسرّت اس پر ہے کہ آپ یہ قصہ بعد میں مجھے بتانا بھول گئے، یہ اس کی دلیل ہے کہ ماشاء اللہ! آپ کے قلب میں منصبِ وزارت کی کوئی وقعت نہیں، ماشاء اللہ! میرے پاس

> رہنے کا مقصد آپ نے پورا کر لیا، مولویوں کو یہاں رکھنے سے یہی مقصود ہے کہ ان کے قلب سے دنیا کی وقعت نکل جائے، میں آپ کا نام ”جاریۂ مالک“ رکھتا ہوں۔“

اس کے بعد امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک باندی کا قصہ بیان فرمایا جس کی نظر میں پوری متمدّن دنیا کے بادشاہ امیر المؤمنین ہارون الرشید رحمہ اللہ تعالیٰ کے گورنر کی بھی کوئی حیثیت نہ تھی۔

یہ خادم خط میں اب تک اپنے نام کے ساتھ اپنا لقب ”جاریۂ مالک“ لکھتے ہیں۔

قصہ جاریۂ مالک رحمہ اللہ تعالیٰ:

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> ”مجھے حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے حدیث پڑھنے کا شوق تھا، مگر آپ کی جلالتِ شان کی وجہ سے براہِ راست آپ سے درخواست کرنے کی ہمّت نہیں ہوتی تھی، اس لئے میں نے امیر المؤمنین ہارون الرشید رحمہ اللہ تعالیٰ سے سفارشی خط لکھوایا۔ امیر المؤمنین سے میرا تعلقِ قرابت تھا، امیر المؤمنین نے مدینہ منورہ کے گورنر کے نام خط لکھا کہ وہ مجھے بنفسِ خود امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں پہنچا کر آئیں۔ میں مدینہ منورہ پہنچا اور گورنر کو امیر المؤمنین کا خط دیا، وہ خط پڑھ کر مجھ سے یوں مخاطب ہوئے:
>
> ”صاحبزادے! اگر امیر المؤمنین مجھے مدینہ سے مکہ پیدل چل کر پہنچنے کا حکم فرماتے تو میرے لئے اس کی تعمیل امام مالک کے دروازہ پر پہنچنے کی بنسبت بہت آسان تھی۔“

میں یہ سمجھا کہ گورنر صاحب امام کے دروازہ پر جانے کو اپنے منصب کے خلاف سمجھتے ہیں، اس لئے میں نے کہا:

"آپ امام کو اپنے پاس بُلوالیں"

گورنر نے کہا:

"یہ کیسے ممکن ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اگر میں امام کے دروازہ پر جا کر گھنٹوں باہر کھڑا رہوں اور پھر ملاقات کی اجازت مل جائے تو غنیمت ہے، اس لئے ان کی خدمت میں حاضری بہت مشکل ہے مگر امیر المؤمنین کا حکم ہے، تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہیں"

گورنر صاحب مجھے ساتھ لے کر امام عالی مقام کے دروازہ پر حاضر ہوئے، دستک دی، بہت انتظار کے بعد ایک حبشیہ باندی باہر آئی۔ گورنر نے امام کو اپنی حاضری کی اطلاع دینے کی درخواست کی۔ باندی اندر گئی اور غائب۔ ہم دونوں دروازہ پر کھڑے انتظار کرتے رہے۔ بہت انتظار کے بعد امام کی طرف سے یہ جواب لائی:

"اگر کوئی ضروری مسئلہ دریافت کرنا ہے تو سُوال اندر بھیج دیں، میں جواب لکھ دوں گا، اور اگر کوئی دوسری غرض ہے تو واپس چلے جائیں، میں نے ہفتہ میں ایک متعیّن دن میں ملاقات کی اجازت دے رکھی ہے، آپ نے اس کی خلاف ورزی کیوں کی؟"

گورنر نے باندی سے کہا:

"امیر المؤمنین کا خط لے کر حاضر ہوا ہوں"

باندی پھر غائب۔ بہت انتظار کے بعد ایک بہت عظیم الشان کرسی لائی اور باہر رکھ کر چلی گئی، یہ کرسی امام کے لئے تھی، اس لئے

گورنر صاحب اسی طرح میرے ساتھ کھڑے رہے۔ کرسی باہر آنے کے بعد بھی حضرت امام باہر تشریف نہیں لا رہے، کرسی خالی رکھی ہے اور گورنر صاحب پاس کھڑے انتظار کی کٹھن گھڑیاں کاٹ رہے ہیں۔

بہت انتظار کے بعد حضرت امام باہر تشریف لاکر کرسی پر جلوہ افروز ہوئے، گورنر صاحب سامنے کھڑے ہیں، امیر المؤمنین کا خط حضرت امام کی خدمت میں پیش کیا۔ امام نے خط پڑھا تو بہت غضبناک ہوکر خط پھاڑ کر پھینک دیا، اور فرمایا:

”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم، اور وہ حاصل کیا جارہا ہے بادشاہ کی سفارش سے؟“

گورنر صاحب پر تو سکتہ طاری ہوگیا، مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے ہمت عطار فرمائی۔ میں نے عرض کیا:

”مجھ سے غلطی ہوگئی، معاف فرمائیں، میں طلبِ حدیث کی آرزو لے کر حاضرِ خدمت ہوا ہوں۔“

یہ سنتے ہی فوراً ٹھنڈے ہوگئے، اور میرے ساتھ بہت محبت وشفقت کا اظہار فرماتے ہوئے اپنی خدمت میں رہنے کی اجازت عطا فرمائی۔ میں نے آپ سے آپ کی کتاب موطا پڑھنا شروع کی، پھر تو محبت وشفقت کا یہ عالم تھا کہ بسا اوقات میں آپ کے آرام و دیگر اہم مشاغل کے پیشِ نظر حالتِ درس میں عرض کرتا:

”بس، اتنا درس کافی ہے۔“

مگر آپ فرماتے:

بیٹھو، ''ابھی نہیں، کچھ اور پڑھ لو''

حضرت والا دامت برکاتہم نے یہ قصہ بیان فرمانے کے بعد فرمایا:

''اس میں کسی کو یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی باندی ہر بار اتنی دیر کیوں کرتی رہی؟ ابتداءً دروازہ پر دستک دینے کے بعد بہت دیر سے باہر آئی، پھر امام کی طرف گورنر کا پیغام لے کر گئی تو بہت دیر کے بعد جواب لائی، پھر دوبارہ پیغام لے کر گئی تو بہت دیر کے بعد کرسی لے کر باہر آئی۔

اس کی متعدد وجوہ ہوسکتی ہیں۔

۱۔ آقا کی عظمتِ شان کا اثر اس کے غلاموں اور باندیوں پر بھی لازماً پڑتا ہے۔ بادشاہ کے چپراسی بلکہ بھنگی کو بھی اپنے مقام پر ناز ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کو علم و تقویٰ اور غیر اللہ سے استغناء کی بدولت وہ مقام عطاء فرمایا تھا کہ اس کی جلالتِ شان کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت بھی گرد ہے۔ امیر المؤمنین ہارون الرشید رحمہ اللہ تعالیٰ اس وقت کی تقریباً پوری متمدن دنیا کے بادشاہ تھے، اس کے باوجود حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے درسِ حدیث میں شریک ہوتے اور آپ کے سامنے مساکین طلبہ کے ساتھ بیٹھتے، بھلا ایسے جلیل القدر امام کی باندی کی نظر میں گورنر کی کیا وقعت ہوسکتی ہے؟

۲۔ یہ بھی بعید نہیں کہ حضرت امام رحمہ اللہ تعالیٰ نے از خود باندی کو یہ تعلیم دی ہو جس سے دُنیوی مال وجاہ رکھنے والے یعنی اہلِ اقتدار

> وابلِ ثروت کی دینی اصلاح و تربیت مقصود تھی۔ دنیادار طبقہ جب تک علماء و مشائخ کو اپنے سے برتر اور خود کو ان کا محتاج نہیں سمجھتا اُس وقت تک اس کی اصلاح ممکن نہیں۔
>
> ۳۔ حضرت امام رحمہ اللہ تعالیٰ بہت اہم دینی مشاغل میں مستغرق رہتے تھے، اس لئے باندی آپ سے کوئی بات کہنے میں فرصت کا انتظار کرتی ہوگی۔"

صدرِ مملکت کو توبہ کی تلقین:

⑥ ایک صدرِ مملکت جنرل نے ایک عام جلسہ میں تقریر کے دوران اسلام کی رُو سے بعض صریح حرام کاموں کو حلال بتایا بلکہ ان محرمات کی توصیف کو بھی عینِ اسلام قرار دیا، مگر عوام اور بہت سے علماء کو بھی ان سے اسلامی خدمات اور پاکستان میں مکمل اسلامی آئین نافذ کرنے کی توقعات تھیں، اس لئے پنجاب کے بعض علماء کا خیال تھا کہ حفاظتِ دین کی خاطر علماء کو صدر صاحب سے ملتے رہنا چاہئے۔ بعض علماء حضرت والا کو بھی ملاقات کی ترغیب دیتے رہے۔ بعض نے یہاں تک کہا کہ خود صدر صاحب کو آپ سے ملنے کی خواہش ہے مگر حضرت والا تیار نہ ہوئے۔

جب زیادہ اصرار بڑھا تو اتمامِ حجت کے لئے حضرت والا نے سفر فرمایا، اور ملتان سے بعض علماء کو ساتھ لے کر لاہور پہنچے، وہاں کے علماء کو بھی جمع کیا، اور سب کے سامنے یہ تجویز پیش فرمائی:

> "اگر آپ حضرات کو صدر صاحب سے یہ توقع ہو کہ ہمارے جانے سے وہ اپنی تقریر میں اسلام کے خلاف کہی ہوئی باتوں سے توبہ کا اعلان

کرنے پر تیار ہو جائیں گے تو چلئے میں ساتھ جانے کو تیار ہوں۔"

سب نے بالاتفاق یہ جواب دیا:

"اس کی کوئی توقع نہیں۔"

اس پر آپ نے ملاقات کرنے سے انکار فرما دیا اور واپس کراچی تشریف لے آئے۔

ریاست کے نواب کی علمِ دین پڑھنے کی درخواست:

⑦ خیرپور کے ریاستی دور میں حضرتِ والا نوخیزی کے زمانہ میں جب کہ آپ کی ابھی کوئی شہرت بھی نہیں ہوئی تھی سائیکل پر تشریف لے جا رہے تھے، پیچھے سے ریاست کے نواب صاحب آئے، حضرتِ والا کے قریب آکر گاڑی روک لی، بہت ادب اور انشراح سے سلام کیا، حضرتِ والا بھی رک گئے، وہ بہت عقیدت کے ساتھ حضرتِ والا سے کچھ دیر مزاج پرسی اور نیازمندانہ باتوں میں ہمہ تن مشغول رہے، پھر حضرتِ والا سے علمِ دین پڑھنے کی درخواست کی۔

حضرتِ والا نے معذرت فرما دی۔

حکومت اور حکام کی طرف سے خدماتِ دینیہ میں اراضی و اموال سے تعاون اور مناصبِ جلیلہ کی پیشکش کو قبول نہ کرنے کے واقعات اسی جلد میں عنوان "توکل اور اس کی برکات" اور عنوان "قبولِ مناصب سے انکار" کے تحت اور دوسری جلد میں عنوان "دین پر استقامت" کے تحت ہیں۔

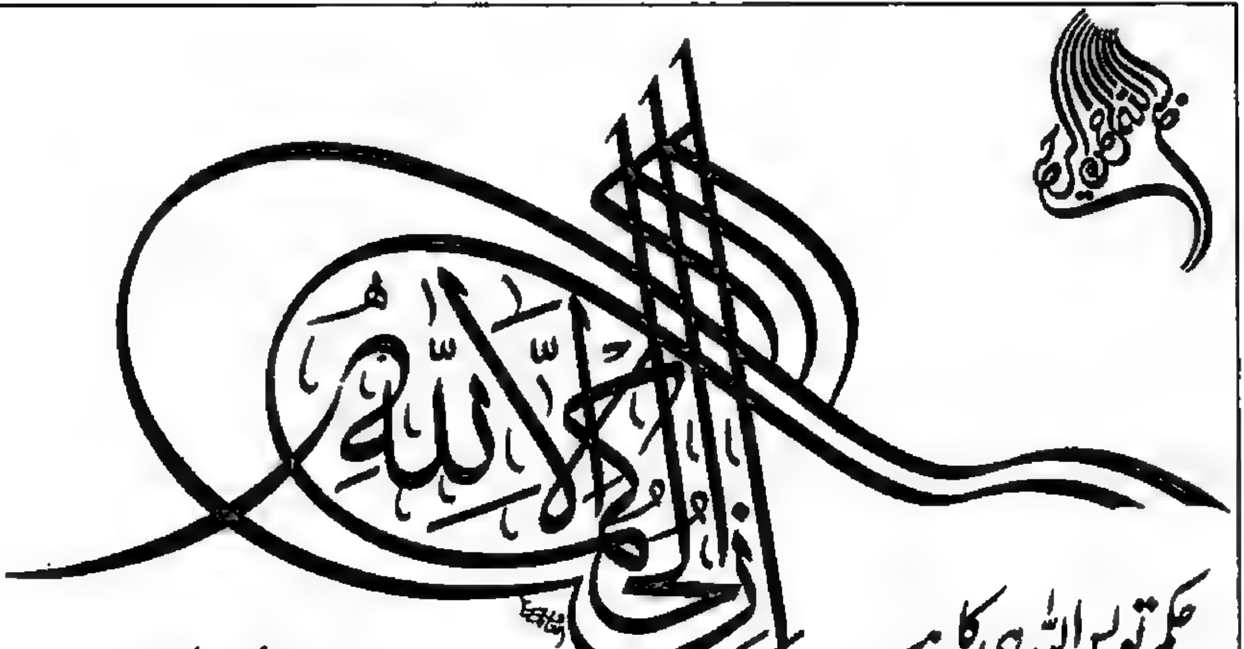
ان الحکم الا للہ

حکم تو بس اللہ ہی کا ہے

(یوسف، آیت ۲۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا (۲۰-۸۲)

بِحَسْبِ امْرِئٍ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ يُّشَارَ اِلَيْهِ بِالْاَصَابِعِ فِيْ دِيْنٍ وَّدُنْيَا اِلَّا مَنْ عَصَمَهُ اللّٰهُ (ترمذی)

الگ رہتا ہوں میں سب سے ہزاروں میں ہوں کس سے
طبیعت اب کسی سے مل ہی کھاتی نہیں میری

شہرت سے اجتناب

دنیا میں جاری دینی خدمات اور اسلامی تحریکات میں بے برکتی اور ناکامی کا ایک بڑا سبب ہے راہنماؤں اور کارکنوں میں شہرت کمانے کی خواہش بلکہ اس کی تڑپ جس کا وبال انفرادی و اجتماعی طور پر پوری اُمت بھگت رہی ہے، اُمّت حیران ہے کہ

حساب جوں کا توں کنبہ ڈوبا کیوں؟

زیرِ نظر مضمون میں حضرتِ اقدس کے ارشادات اور پاکیزہ احوال کے ذریعہ اسی سبب کی نشاندہی کی گئی ہے۔ شاید کوئی دیکھنے والی آنکھ عبرت حاصل کرے اور کوئی سوچنے والا دل راہنمائی حاصل کرے۔

قدر مجذوب خاصانِ خدا سے پوچھو
شہرتِ عام تو اک قسم کی رسوائی ہے

شہرت سے اجتناب

عنوان	صفحہ
شہرت سے اجتناب کے فوائد	۵۸۱
دورِ فساد کے بھی کچھ حالات	۵۸۳
ناظم آباد کا مسافر خانہ	۵۸۴
سعودیہ کے اصحابِ منصب عُلماء سے بھی قِلّتِ اختلاط	۵۸۷
عمید کلیۃ اللغۃ دار الافتاء میں	۵۸۷
”مفتیِ اعظم پاکستان“	۵۹۰
حضرتِ والا کا ذوق و مزاج اشعار میں	۵۹۲

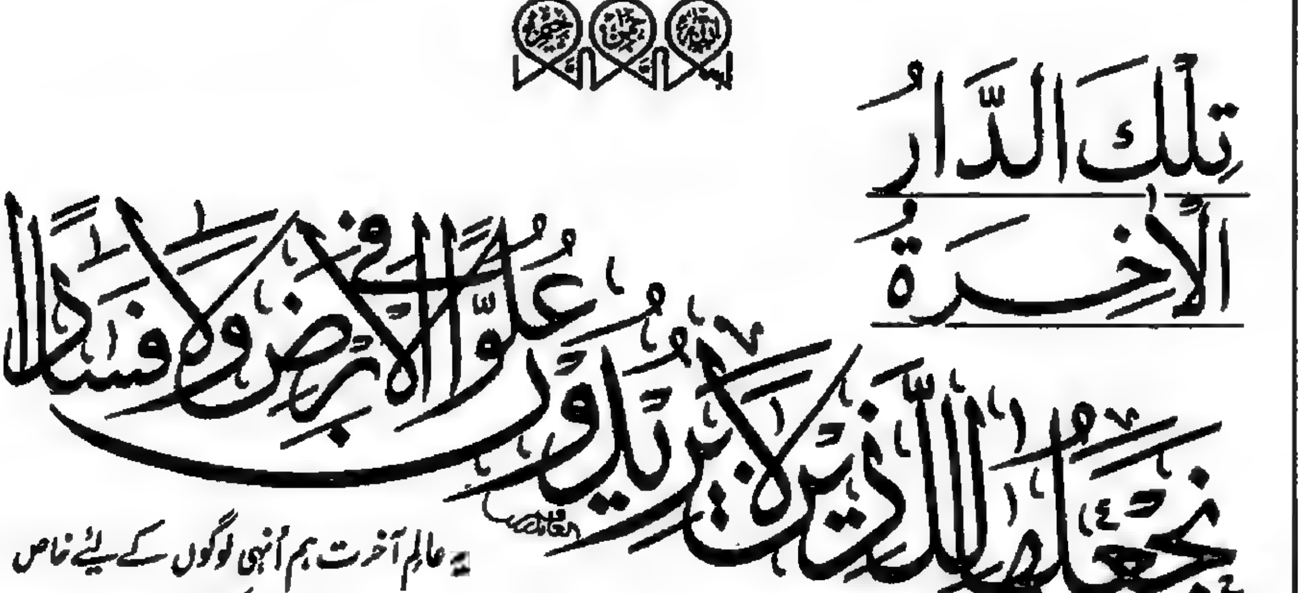

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا

یہ عالم آخرت ہم اُنہی لوگوں کے لیئے خاص
کرتے ہیں جو دُنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا (العنکبوت: ۸۳)

شہرت سے اجتناب

حضرت والا اسبابِ شہرت سے بہت گریز فرماتے ہیں۔ گمنامی آپ کو بہت محبوب ہے۔ غلبۂ تعلق مع اللہ کی وجہ سے آپ کا حال یہ ہے ؎

پھیر لوں رُخ پھیر لوں ہر ماسوا سے پھیر لوں
میں رہوں اور سامنے بس روئے جانانہ رہے

بڑھ گیا ربط کچھ ایسا مرا پیمانوں سے
کچھ تعلق نہ رہا اپنوں سے نہ بیگانوں سے

اے خیالِ دوست اے بیگانہ سازِ ماسوا
اس بھری دنیا میں تو نے مجھ کو تنہا کر دیا

یہ کس نے کر دیا سب دوستوں سے مجھ کو بیگانہ
مجھے تو دوستی بھی دشمنی معلوم ہوتی ہے

الگ رہتا ہوں میں سب سے ملوں تو میں ملوں کس سے
طبیعت بس کسی سے میل ہی کھاتی نہیں میری

آپ نے ایک مجلس میں اسبابِ شہرت سے اجتناب پر بیان فرمایا، جس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے:

”لوگوں میں شہرت سے سخت نقصان پہنچتا ہے، مثلاً ایک نقصان یہ کہ شہرت سے عجب و کبر پیدا ہو جاتا ہے، جو شخص شہرت

سے اجتناب کرتا ہے وہ عجب و کبر سے محفوظ رہتا ہے۔

استاذِ محترم حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک عجیب شعر ہے ؎

خُمُولِیْ اَطْیَبُ الْحَالَاتِ عِنْدِیْ
وَاِعْزَازِیْ لَدَیْھِمْ فِیْہِ عَارِیْ

”میری گمنامی ہی میرے نزدیک سب سے اچھی حالت ہے اور لوگوں میں میرا اعزاز میرے لئے باعثِ شرم ہے۔“

یہ شعر واقعۃً آپ کا حال تھا، تنہا ایک کمرے میں تشریف رکھتے تھے جس کا دروازہ ہر وقت بند رہتا تھا، ہر وقت تصنیف و تالیف اور مطالعہ میں مشغول رہتے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

بِحَسْبِ امْرِئٍ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ یُّشَارَ اِلَیْہِ بِالْاَصَابِعِ فِیْ دِیْنٍ اَوْ دُنْیَا اِلَّا مَنْ عَصَمَہُ اللّٰہُ۔

رواہ البیہقیؒ فی شعب الایمان۔

”انسان کے شر اور خرابی کے لئے یہ کافی ہے کہ اس کی دینی یا دنیوی شہرت کی وجہ سے اس کی طرف انگلیوں سے اشارے کئے جانے لگیں، مگر جس کی اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائیں۔“

مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں اس کو کسی وجہ سے خصوصیت حاصل ہو جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایسا شخص اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگے گا یہی عُجب ہے، جو سببِ ہلاکت ہے۔

شہرت کا دوسرا نقصان یہ کہ شہرت خواہ دینی ہو یا دنیوی بہر صورت

صاحبِ شہرت کے دشمن زیادہ ہوجاتے ہیں، اسے تکلیف پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں، تہمت اور الزام تراشی کی فکر میں لگے رہتے ہیں، اُس پر حسد کرتے ہیں۔

جب کسی کو مال یا جاہ حاصل ہوجاتی ہے تو لوگ عموماً اس سے جلنے لگتے ہیں، خاص طور پر اس کے اقرباء اسے نقصان پہنچانے کی تدبیریں سوچتے ہیں، یہاں تک کہ اس کے قتل تک کے درپے ہوجاتے ہیں، اور ایسا بھی واقع ہوا ہے کہ بیٹے نے مال کی خاطر باپ کو یا ملازم نے اپنے آقا کو قتل کردیا۔

اسی طرح دینی شہرت بھی مضر ہے، اس سے بھی دوسرے لوگ حسد کرنے لگتے ہیں، اور ایذاء رسانی و الزام تراشی کے درپے رہتے ہیں۔

شہرت سے اجتناب کے فوائد:

شہرت سے اجتناب کے دینی اور دنیوی بہت فوائد ہیں، انسان آرام وسکون سے رہتا ہے، کسی چیز کی اسے فکر نہیں ہوتی اور وقت ضائع ہونے سے محفوظ رہتا ہے۔

شہرت سے بچنے کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ انسان دین کے کام چھوڑ دے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"جو شخص دین کا کوئی کام کرسکتا ہو اُس کے لئے یہ جائز نہیں کہ خود کو ضائع کرے۔"

یعنی دینی کام کی صلاحیت ہونے کے باوجود دین کا کام نہ کرنا

اپنے آپ کو ضائع کرنا ہے۔

اس لئے شہرت سے اجتناب کا یہ مطلب ہے کہ اخلاص کے ساتھ دین کی خدمت کرے، شہرت مطلوب و مقصود نہ ہو، نیز غیر ضروری اسبابِ شہرت سے بچے، اس کے باوجود اگر خود بخود شہرت ہو جاتی ہے تو وہ منجانب اللہ ہے، اس لئے اس میں کوئی ضرر نہیں۔"

عام طور پر مشائخ اور اداروں کے سربراہ جب ہوائی سفر کرتے ہیں تو ان کے معتقدین و خدام کا ایک بڑا مجمع ان کے ساتھ ہوتا ہے، پھر ایرپورٹ کے اعلیٰ افسران ان کا استقبال کرتے ہیں اور وہ افسر انہیں جہاز تک لے جاتے ہیں۔ غرضیکہ ایرپورٹ پر اچھی خاصی ایک ہنگامہ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے، مگر حضرتِ والا کسی سفر میں ایرپورٹ پر آمد و رفت کی کسی کو اطلاع نہیں دیتے۔ باوجودیکہ کراچی ایرپورٹ میں آپ سے محبت رکھنے والوں اور آپ کے عقیدت مندوں کی کمی نہیں۔

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ پی۔ آئی۔ اے کے چیرمین کے سکریٹری اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، اور بہت زیادہ عقیدت مندی کا اظہار کرتے ہیں، دُعائیں کراتے ہیں اور اکثر یوں کہتے رہتے ہیں:

"میری یہ دنیوی ترقی اور یہ منصب جو کچھ بھی ہے سب آپ ہی کی دُعاؤں کے طفیل ہے۔"

اس کے باوجود حضرت والا کو جب بھی کوئی ہوائی سفر درپیش ہوتا ہے کبھی بھی انہیں اطلاع نہیں ہونے دیتے، ایمیگریشن کی قطار میں کھڑے ہونے کی زحمت گوارا فرما لیتے ہیں، مگر امتیازی شان کے ساتھ کبھی نہیں تشریف لے جاتے، اگر چاہیں تو ہر قسم کی سہولت، راحت اور شان و شوکت حاصل کر سکتے ہیں مگر یہاں تو حال یہ بن چکا ہے ؎

خُمُوْلِیْ اَطْیَبُ الْحَالَاتِ عِنْدِیْ
وَاِعْزَازِیْ لَدَیْهِمْ فِیْهِ عَارِیْ

"میری گمنامی ہی میرے نزدیک سب سے اچھی حالت ہے
اور لوگوں میں میرا اعزاز میرے لئے باعث شرم ہے۔"

دورِ فساد کے بھی کچھ حالات :

اس دورِ فساد میں ایک یہ وبا بھی بہت عام ہوگئی ہے کہ لوگ شہرت و نمایش کی ہوس میں بلاضرورت اپنے نام کا بہت خوبصورت پیڈ چھاپنے لگے ہیں، نام کے ساتھ بڑے بڑے القاب و مناصب بھی لکھتے ہیں۔

حضرت اقدس دامت برکاتہم کو اپنے نام کا پیڈ چھاپنا بہت ناگوار ہے، بعض قانونی مجبوریوں کی وجہ سے بادلِ نخواستہ پیڈ چھاپنا ہی پڑا تو اس میں مندرجہ ذیل دروسِ عبرت رکھ دیئے:

① دائیں جانب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد:

کَفٰی بِالْمَوْتِ وَاعِظًا۔

"نصیحت کے لئے موت کا دھیان کافی ہے۔"

② بائیں جانب صرف اپنا نام، جس کے ساتھ نہ کوئی لقب نہ منصب۔

③ پیڈ میں اپنا پتا نہیں لکھا جس کی وجہ یہ ارشاد فرمائی:

"مسافر کا کوئی ٹھکانا ہے ہی نہیں جس کا پتا لکھا جائے ؎

مسافر در سرا مہمان شبے دیگر نمے ماند
اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند

"مسافر خانہ میں کوئی مسافر دوسری رات نہیں ٹھہرتا،

اگر کسی وجہ سے دوسری رات ٹھہر گیا تو تیسری نہیں ٹھہرتا۔"

ناظم آباد کا مسافر خانہ:

ایک بار سفرِ عمرہ سے واپسی پر مکہ مکرمہ سے ایک خادم نے بخیریت پہنچنے کی خبر دریافت کی تو ارشاد فرمایا:

"بحمد اللہ تعالیٰ ناظم آباد کے مسافر خانہ میں بخیریت پہنچ کر منتظرِ وطن ہوں۔"

انہیں بہت تعجب ہوا کہ مسافر خانہ میں کیوں ٹھہرے؟ سیدھے گھر کیوں تشریف نہیں لے گئے؟

خدام نے پیڈ میں پتا چھاپنے پر بہت اصرار کیا اور عرض کیا:

"بلا پتا پیڈ چھاپنے سے پورا مقصد ادا نہیں ہوتا۔"

اس پر ارشاد فرمایا:

"اگر پتا لکھنا ضروری ہی ہے تو ٹیلیفون نمبر لکھنے کی اجازت دیتا ہوں، اتنا ہی پتا کافی ہے۔"

④ آپ یہ پیڈ صرف قانونی ضرورت کے موقع میں استعمال فرماتے ہیں، عام مراسلات میں استعمال نہیں فرماتے۔

⑤ پیڈ چھپواتے وقت بعض احباب نے مشورہ دیا کہ اس کی پیشانی پر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھوالیں۔

حضرت اقدس دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا:

"یہ طریقہ دو وجہ سے صحیح نہیں:

۱۔۔۔ تحریر کو بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے شروع کرنے کی

سُنّت اس سے ادا ہوگی یا نہیں؟ اس میں شبہ ہے۔

۲— میرا دل یہ گوارا نہیں کرتا کہ اپنے ہاتھ سے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ لکھنے کی بجائے مطبوع پر اکتفاء کروں۔ مجنوں تو بلاضرورت بھی صرف تسکینِ خاطر کے لئے نامِ لیلیٰ کی تحریر میں مست و سرشار رہتا تھا اور آج کے مسلمان پر بضرورت بھی نامِ مولیٰ لکھنا بار ہے۔“

اسی طرح مہریں بنوانے میں بھی عوام و خواص نام و نمود کی ہوس کے شکار ہیں، بلاضرورت اپنے نام اور منصب کی طرح طرح کی مہریں بنواتے ہیں اور بغرضِ تشہیر موقع بے موقع ہر جگہ لگاتے پھرتے ہیں۔

ہمارے حضرت اقدس دامت برکاتہم نے قانونی مجبوری کے تحت اپنے نام کی مہر بنوائی اور اسے صرف قانونی ضرورت ہی کے موقع میں استعمال کرنے کی اجازت دیتے ہیں، آپ کے تحریر فرمودہ فتاوی پر بھی یہ مہر نہیں لگائی جاتی۔

مہر کیسی ہے؟:

① بہت چھوٹی سی۔

② صرف ”دستخط“ کی نقل۔

③ ساتھ کوئی منصب وغیرہ نہیں۔

پیڈ اور مہر کا عکس:

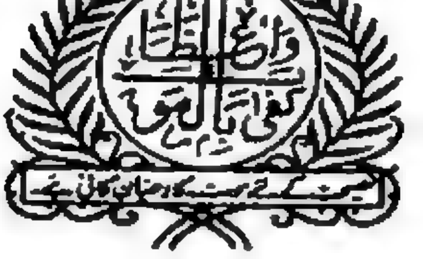

رشید احمد

ان ۶۲۲۲۳۶۱۰

طلبِ شہرت و نمائش کے طریقوں میں سے ایک یہ طریقہ بھی عام ہو گیا ہے کہ کسی سے ٹیلیفون پر بات کرنا ہو تو خود بات نہیں کرتے بلکہ یہ کام کسی چھوٹے کے ذمہ لگا دیتے ہیں۔

اور اگر کسی وجہ سے خود ہی بات کرنا ضروری ہو تو ٹیلیفون کی لائن خود نہیں ملاتے بلکہ ان کی طرف سے کوئی دوسرا شخص لائن ملاتا ہے، پھر ریسیور اٹھانے والے سے یوں کہتا ہے:

"جناب . . . . صاحب فلاں صاحب سے بات کرنا چاہتے ہیں، انہیں فون پر بلائیں۔"

جب وہ صاحب فون پر آکر ریسیور ہاتھ میں لے لیتے ہیں تو لائن ملانے والا پھر ان سے کہتا ہے:

"جناب . . . . صاحب سے بات کیجئے۔"

اس کے بعد وہ ریسیور جناب . . . . صاحب کو دیتا ہے۔

راحت، مشغولیت یا اور کسی ضرورت سے کسی خادم سے یہ کام لینے میں مضائقہ نہیں، مگر آج کل عموماً یہ حرکت اپنی بڑائی جتلانے کے لئے کی جاتی ہے۔

بعض کے قلوب کو تو جاہ طلبی کی ہوس نے اس قدر مسخ کر دیا ہے کہ انہیں اپنے بڑوں کے ساتھ بھی ایسی گستاخی کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔

ہمارے حضرت اقدس دامت برکاتہم اپنے چھوٹوں، شاگردوں، مریدوں حتیٰ کہ کسی خاص سے خاص خادم سے بھی ٹیلیفون پر بات فرمانا چاہتے ہیں تو لائن خود ہی ملاتے ہیں، باوجودیکہ آپ کے پاس اسٹینو ٹیلیفون ہے جو موضوع ہی اسی لئے ہے کہ کوئی خادم یا ملازم لائن ملا کر دے، علاوہ ازیں آپ پر لائن ملانا بہت شاق بھی گزرتا ہے، آپ اکثر ارشاد فرماتے ہیں:

"مجھے تین کام بہت مشکل معلوم ہوتے ہیں۔ دعوت کھانا، نوٹ گننا، فون کی لائن ملانا۔"

دعوت قبول کرنے میں مشکلات کی تفصیل عنوان "اکابر کے ساتھ موافقت" کے تحت نمبر ۱۳ میں گزر چکی ہے۔

طبیعت پر سخت گرانی کے علاوہ ہوشربا مصروفیت کے باوجود آپ صرف امتیازی شان سے بچنے کے لئے خود لائن ملانے کی مشقّت برداشت فرماتے ہیں، اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کو امتیازی شان سے کس قدر نفرت ہے۔

سعودیہ کے اصحابِ منصب عُلماء سے بھی قلتِ اختلاط :

حضرت والا کی بلند پایہ تحقیقاتِ علمیہ اور بعض اہم مسائل میں مکاتبت کی وجہ سے حرمین شریفین اور ریاض کے مشہور عرب علماء آپ سے متعارف ہیں، مگر آپ ان کی بھی ملاقات سے حتی الامکان گریز فرماتے ہیں۔ سفرِ عمرہ میں صفِ اوّل میں امام سے قریب نہ ہونے کی وجوہ میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان سے ملاقات ہو گی تو مقصدِ سفر میں خلل واقع ہونے کے علاوہ ملاقاتوں اور دعوتوں کا سلسلہ شروع ہو جائے گا جو طبعاً ناپسند ہے۔

عمید کُلیۃ اللغۃ دار الافتاء میں :

ایک بار جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے عمید کلیۃ اللغۃ شیخ عبداللہ القادری کو حکومت سعودیہ نے توحید کی تبلیغ کے لئے مختلف ممالک کے دورہ پر بھیجا، اس سلسلہ میں وہ پاکستان آئے تو سب سے پہلے کراچی میں حضرت والا کے پاس پہنچے۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے مجلّہ میں ان کی تحریر کے مطابق ان کی یہاں آمد

۲۶؍ شعبان سنہ ۱۳۹۸ھ میں ہوئی ہے۔ چند گھنٹے حضرت کے پاس ٹھہرے اور بہت زیادہ متأثر ہوئے، ان کے تأثرات ملاحظہ ہوں:

۱۔۔۔ کہنے لگے کہ میں حکومتِ سعودیہ کی طرف سے دنیا کو توحید کا سبق دینے نکلا ہوں مگر یہاں آکر معلوم ہوا کہ مجھے آپ سے کچھ پڑھنا چاہیئے۔

۲۔۔۔ مزید کہا کہ میں آپ کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی محبت کی تری محسوس کر رہا ہوں، سعودیہ کے علماء کے قلوب خشک ہیں۔

۳۔۔۔ یہ خواہش ظاہر کی کہ حضرت والا کی تصانیف کے عربی تراجم شائع کئے جائیں تاکہ عرب ممالک بھی مستفید ہو سکیں۔

۴۔۔۔ اس کے بعد وہ کراچی اور پاکستان کے دوسرے شہروں میں مشہور دینی اداروں میں گئے۔ جہاں بھی پہنچے حضرت والا کی تعریف میں رطب اللسان رہے، مختلف اداروں اور اخباری نمایندوں نے ان سے انٹرویو لیا تو اس میں بھی حضرت والا سے تأثر و عقیدت کا اظہار کرتے رہے اور ان کے یہ انٹرویو اخباروں میں شائع ہوتے رہے۔

۵۔۔۔ مختلف ممالک کے دورہ سے فارغ ہو کر واپس مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے تو جامعہ اسلامیہ کے سہ ماہی مجلہ میں حضرت اقدس کے بارہ میں اپنے تأثرات اس طرح شائع کئے:

> فدخلنا فی غرفۃ الاستقبال التی یجتمع بہ فیہا تلامیذہ وضیوفہ، وفیہا بعض الکتب من المراجع الاسلامیۃ ومن مؤلفاتہ وفتاواہ والرجل یحب العزلۃ الا فی مذاکرۃ العلم ویکثر من ذکر اللہ تعالیٰ فبدأ فی مذاکرۃ بعض المسائل العلمیۃ ومنہا کیفیۃ تحدید

القبلة بمناسبة رحلتنا الطويلة التی کانت حول الارض فی مشارقها ومغاربها وکذلك تحدید اوقات الصلوٰة وتحدید الاهلة وله المام طیب بعلم الفلك وله فی ذلك مؤلفات، تأتیه الفتاوی من داخل باکستان ومن خارجها فیجیب علیها. (مجلة الجامعة الاسلامیة بالمدینة المنورة العدد ۴۹ ـ ۱۴۰۱ ھ ـ الصفحة ۳۰۵)

”ہم نے آپ کے کمرے میں آپ کی تصانیف اور آپ کے فتاوی کی کتابیں دیکھیں۔

آپ خلوت پسند ہیں صرف علمی باتیں کرتے ہیں۔

آپ ذکر اللہ کثرت سے کرتے ہیں۔

آپ ہمارے ساتھ بیٹھے تو بس مسائل علمیہ پر گفتگو شروع کر دی۔

چونکہ ہمارا سفر مشرق و مغرب میں پورے زمین کے گرد تھا، اس لئے آپ نے دوسرے مسائلِ علمیہ کے ساتھ ہمیں سمتِ قبلہ اور اوقاتِ نماز کی تعیین کے طریقے بھی بتلائے۔

فلکیات پر بات شروع ہو جانے کی وجہ سے آپ نے چاند کا حساب بھی بتایا۔

آپ کو فلکیات میں بہت مہارت ہے اور اس فن میں آپ کی بہت سی تصانیف ہیں۔

آپ کے پاس اندرونِ پاکستان کے علاوہ بیرونی ممالک سے بھی استفتاء آتے ہیں، آپ ان کے جواب تحریر فرماتے ہیں۔“

حضرتِ اقدس کا مقام کسی کی عقیدت اور اس کے اظہار و اشاعت سے

بہت بلند اور بالاتر ہے اور ایسے اُمور کی اشاعت حضرت والا کو طبعاً بہت ناگوار بھی ہے مگر حضرت والا سے ان عمید صاحب کی عقیدت اور ایسے گہرے تأثرات کی تفصیل زیرِ نظر مضمون "ذوقِ گمنامی" ہی کی ایک مثال بیان کرنے کے لئے لکھی گئی ہے تاکہ اس کے بعد ان کی ملاقات سے بھی حضرت والا کے احتراز کا قصہ پڑھ کر حضرت اقدس دامت برکاتہم کے ذوقِ گمنامی اور شہرت سے اجتناب کا قارئین کو کچھ اندازہ ہو سکے۔

عمید صاحب کے اس دورہ کے بعد حضرت والا حسبِ معمول سفرِ عمرہ میں جب مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو عمید صاحب نے آپ کو اپنے مکان پر کھانے کی دعوت دی۔ حضرت والا خلافِ طبع و خلافِ معمول محض ان کی دلجوئی کے لئے ان کے یہاں تشریف لے گئے۔ انہوں نے وہاں حضرت سے کچھ علمی استفادہ بھی کیا اور پھر جامعہ اسلامیہ میں تشریف لے چلنے اور وہاں خطاب فرمانے کی درخواست کی مگر حضرت اقدس نے اس سے معذرت فرمادی۔

اس کے بعد دوسرے سال پھر حسبِ معمول حضرت والا تشریف لے گئے تو وہ پہلے ہی سے حضرت کی تشریف آوری کے منتظر تھے، انہوں نے پھر حضرت کو اپنے مکان پر لے جانے کی کوشش کی مگر حضرت اقدس دامت برکاتہم نے فرمایا:

"مسجد ہی میں تشریف لاکر ملاقات کرلیا کریں۔"

حضرت والا کا یہ جواب بھی ان کی خصوصی رعایت کی وجہ سے تھا ورنہ آپ مسجد حرام و مسجد نبوی میں بھی ملاقاتوں سے بہت احتراز فرماتے ہیں۔

مفتئ اعظم پاکستان:

حضرتِ والا کے استاذِ محترم حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ "مفتی

اعظم پاکستان" کے لقب سے مشہور تھے، آپ کی وفات کے بعد حضرتِ والا حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی کے سوا پاکستان کے دوسرے سب مفتیانِ کرام سے عمر و منصب دونوں میں بڑے ہیں، اس دَور کے اکثر مفتی حضرات آپ کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد ہیں۔

علاوہ ازیں عمر سے قطعِ نظر نوعمری ہی سے سب علوم میں فوقیت اور تفقہ وافتاء میں آپ کا اعلیٰ مقام اصاغر واکابر سب میں مسلّم اور معروف ومشہور ہے، جس کی چند مثالیں عنوان "نوعمری ہی میں تعمقِ علم" کے تحت گزر چکی ہیں۔

مزید بریں حضرت مفتی محمد شفیع اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہما اللہ تعالیٰ "مجلس تحقیقِ مسائلِ حاضرہ" میں حضرتِ والا کا نام نامی سب سے مقدم رکھتے تھے، تحقیقاتِ مجلس کی مطبوعہ کتابوں میں بھی فہرستِ ارکان میں آپ کا نام سرِفہرست ہے۔

ان خصوصیات کی بناء پر حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کے بعد اکابر علماء ومفتیانِ کرام کی نظریں حضرتِ اقدس پر تھیں کہ اب "مفتیِ اعظم پاکستان" کا لقب آپ ہی کے شایانِ شان ہے، آپ کے سامنے اس کا ذکر آیا تو فرمایا:

> "حضرت استاذ رحمہ اللہ تعالیٰ کے لئے تو اس لقب کی شہرت تعمیرِ پاکستان کی وجہ سے منجانب اللہ ہوگئی تھی، قصداً اس کی تجویز میں اگر کوئی مصلحت ہے تو وہ اسی کے لئے ہوسکتی ہے جو اس کے ذریعہ بنیتِ تبلیغ حکومت اور اخباروں کے اداروں میں اثر ورسوخ پیدا کرنا اور ان سے روابط بڑھانا چاہتا ہو، مجھے ان دونوں سے مناسبت نہیں، میں تو حکومت اور اخباری دنیا دونوں سے بہت دُور رہنے کی کوشش کرتا ہوں، حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی تو مجھ سے بھی ہر لحاظ سے بڑے ہیں غالباً وہ بھی اسی وجہ سے اپنے لئے اس لقب کو پسند نہیں فرمائیں گے۔"

حضرتِ والا کا ذوق و مزاج اشعار میں ؛

حضرت اقدس کے اس حال "ذوقِ گمنامی، خلوت پسندی اور شہرت سے اجتناب" کے مطابق آپ کی زبانِ مبارک سے یہ اشعار بکثرت سُننے جاتے ہیں ؎

خُمُوْلِیْ اَطْیَبُ الْمَالَاتِ عِنْدِیْ
وَاِعْزَازِیْ لَدَیْهِمْ فِیْهِ عَارِیْ

"میری گمنامی میرے نزدیک سب سے اچھی حالت ہے
اور لوگوں کی نظر میں میرا اعزاز میرے لئے باعثِ شرم ہے۔"

نہ گلم نہ برگِ سبزم نہ درختِ سایہ دارم
در حیرتم کہ دھقان بہ چہ کار کِشت مارا

"میں نہ تو پھول ہوں اور نہ ہی سبز پتا اور نہ ہی سایہ دار درخت ہوں، میں حیران ہوں کہ کاشتکار نے مجھے کس مقصد کے لئے بویا؟"

خود چہ جائے جنگ و جدلِ نیک و بد
کین دلم از صلحہا ہم می رمد

"اچھے برے جھگڑوں کی کہاں فرصت ؟ میرا یہ دل تو دوستیوں سے بھی بھاگتا ہے۔"

حضرت بُلّھے شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ کافی ؎

چل بُلّھیا اوتھے چلیئے جتھّے وسدے نے انّھے
نہ کوئی ساڈوں ویکھے تے نہ کوئی ساڈوں منّے

"بُلّھے! چلو وہاں چلیں جہاں اندھے بستے ہیں، نہ ہمیں کوئی دیکھے نہ ہمیں کوئی مانے۔"

مجھے دوست چھوڑ دیں سب کوئی مہرباں نہ پوچھے
مجھے میرا رب ہے کافی مجھے کل جہاں نہ پوچھے
شب و روز میں ہوں مجذوب اور یاد اپنے رب کی
مجھے کوئی ہاں نہ پوچھے، مجھے کوئی ہاں نہ پوچھے

اے عشق! کہیں لے چل، دور اور کہیں لے چل
دور اور کہیں لے چل، لِلّٰہ! کہیں لے چل
آفاق کے اُس پار اک اس طرح کی بستی ہو
صدیوں سے جو انسان کی صورت کو ترستی ہو
اور اس کے مناظر پر تنہائی برستی ہو
اے عشق! وہیں لے چل، لِلّٰہ! وہیں لے چل

اے خیالِ دوست اے بیگانہ سازِ ماسوا
اس بھری دنیا میں تو نے مجھ کو تنہا کر دیا

یہ کس نے کر دیا سب دوستوں سے مجھ کو بیگانہ
مجھے اب دوستی بھی دشمنی معلوم ہوتی ہے
جو میں دن رات یوں گردن جھکائے بیٹھا رہتا ہوں
تری تصویر سی دل میں کھنچی معلوم ہوتی ہے

رہتا ہے جو سر خم ترا مخمور ہمیشہ
دل میں ترے بیٹھا کوئی دلبر تو نہیں ہے؟

بڑھ گیا ربط کچھ ایسا مرا پیمانوں سے
کچھ تعلق ہے نہ اپنوں سے نہ بیگانوں سے

دیوانہ کو ویرانہ سے کیوں لطف نہ آئے
آخر تو ہر اک شخص کا انجام یہی ہے
سب دھندے ہیں دنیا کے جو مٹ جائیں گے اک دن
خلوت میں خدا ڈھونڈیئے بس کام یہی ہے

ایک تم سے کیا محبت ہو گئی
ساری خلقت ہی سے وحشت ہو گئی
اب تو میں ہوں اور شغلِ یادِ دوست
سارے جھگڑوں سے فراغت ہو گئی
ہر تمنّا دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آجا! اب تو خلوت ہو گئی

تا ابد مجذوبؔ اب بس تیرا دیوانہ رہے
یار کیا اغیار کیا اپنے سے بیگانہ رہے
ہم تو بس دنیا میں محوِ یادِ جانانہ رہے
غیر تو ہیں غیر خود اپنے سے بیگانہ رہے
رہ کے دنیا میں بھی ہم دنیا سے بیگانہ رہے
وقفِ ذکرِ یار محوِ یادِ جانانہ رہے
بت مجھے مائل کریں میں ان سے روگرداں رہوں
کعبہ آگے ہو مرے، پیچھے صنم خانہ رہے

پھیر لوں رُخ پھیر لوں ہر ماسوا سے پھیر لوں
میں رہوں اور سامنے بس روئے جاناں رہے

دل آرامے کہ داری دل درو بند
دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

"تو دل کو آرام پہنچانے والا جو محبوب رکھتا ہے دل اسی میں باندھ لے، دوسرے سارے جہاں سے آنکھ بند کرلے"

از یکے گو از ہمہ یکسوئے باش
یک دل و یک قبلہ و یک روئے باش

"ایک ہی کی بات کر، اور سب سے یکسو ہو جا، یک دل اور یک قبلہ اور یک رو ہو جا"

سب اس بازار میں محوِ تماشا ہیں میں رو گرداں
خدا جانے کہاں پہنچی نگاہِ دور بیں میری
تماشا گاہِ عالم میں اب ان کا جی نہیں لگتا
یہ کیا دکھلا گئی منظر نگاہِ واپسیں میری
الگ رہتا ہوں میں سب سے ملوں تو میں ملوں کس سے
طبیعت اب کسی سے میل ہی کھاتی نہیں میری
بس اب تو رات دن ساقی ہے میں ہوں اور میخانہ
نہیں لگتی جہاں میں اب طبیعت ہی کہیں میری

یہ بے سبب نہیں مری خلوت پسندیاں
چھپ چھپ کے خوب لوٹ رہا ہوں بہارِ دل

نہ خلوت میں بھی رہ سکے ہم اکیلے
کہ دل میں لگے ہیں حسینوں کے میلے
اب ایسے میں کیا کہہ سکے کوئی ظالم
جو چپکے ہی سے چٹکیاں دل میں لے لے
دکھاوے کے ہیں سب یہ دنیا کے میلے
بھری بزم میں ہم رہے ہیں اکیلے

نمودِ جلوۂ بے رنگ سے ہوش اس قدر گم ہیں
کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی
اڑا دیتا ہوں میں بس تار تار ہست و بود اک دم
لباسِ زہد و تقوی میں بھی عریانی نہیں جاتی

ہر کام میں نظم وضبط کی پابندی، حفاظتِ وقت کے اہتمام اور خلوت پسندی وذوقِ گمنامی کے اثر سے آپ کا طبعی مزاج ہی ایسا منضبط ہوگیا ہے کہ اس کے خلاف ذرا سی بھی کوئی بات ہوجائے تو آپ کی صحت بگڑ جاتی ہے۔

ایک بار ارشاد فرمایا:

”کسی نے کہا ہے ؎

قیس جنگل میں اکیلا ہے مجھے جانے دو
خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

مگر مجھے تو قیس سے بھی وحشت ہے، میرا حال تو یہ ہے ؎

پھیر لوں رُخ پھیر لوں ہر ما سوا سے پھیر لوں
میں رہوں اور سامنے بس رُوئے جانانہ رہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انکم ستحرصون على الامارة وستكون ندامة
يوم القيامة فنعمت المرضعة وبئست الفاطمة
(رواه البخاری ومسلم)

ليوشكن رجل أن يتمنى أنه خرّ من الثّريّا
ولم يل من أمر الناس شيئًا. (ابن حبان)

قبولِ مناصب سے انکار

اہلِ اسلام مایوسی کا شکار ہیں، دینی جماعتوں سے وابستگان نا امید ہیں، تنظیموں کے کارکن بددل ہیں، دینی اداروں کے خادمین و معاونین خاطر خواہ نتائج سے محروم ہیں اس لئے کہ کام کی باگ ڈور سنبھالنے والوں کی بڑی تعداد کام سے کم اور مناصب سے زیادہ دلچسپی رکھتی ہے، ہر طرف عہدوں کی بندربانٹ اور اس پر کھینچا تانی "حبِ جاہ" کا کرشمہ ہے۔ ایسے پُرآشوب دَور میں حضرتِ والا کے یہ زرّیں حالات جہاں سلف صالحین کی تاریخ دُہراتے ہیں اور اکابر کی یاد تازہ کرتے ہیں وہاں اَصاغر اور خلف کے لئے راہبر و راہنما بلکہ نجات دہندہ و تریاق بھی ہیں۔

قبولِ مناصب سے انکار

عنوان	صفحہ
جمعیۃ العلماء کی صوبائی صدارت	٦٠١
مرکزی جمعیۃ العلماء کی صوبائی صدارت	٦٠١
مرکزی جمعیۃ کی چار رکنی اعلیٰ کمیٹی کی رکنیت	٦٠٢
فتنۂ سوشلزم کے خلاف جہاد	٦٠٢
اسلامی نظریاتی کونسل کی رکنیت	٦٠٤
حکام کی درخواستِ ملاقات پر زرّیں اصول	٦٠٥
جامعہ دار الھدیٰ ٹھیڑھی میں انتظامی امور سے معذرت	٦٠٦
جامعہ دار العلوم کراچی میں نظامت سے معذرت	٦٠٦
جامعہ خیر المدارس کے اہتمام و منصب شیخ الحدیث سے معذرت	٦٠٧
جامعہ دار العلوم ٹنڈو اللہ یار کے اہتمام و عہدۂ شیخ الحدیث سے معذرت	٦٠٨
منصبِ اہتمام و عہدۂ نظامت کے مفاسد	٦٠٩
دار الافتاء والارشاد کے لئے خازن اور حضرتِ والا کی احتیاط	٦١٠

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّكُمْ سَتَحْرِصُوْنَ عَلَى الْاِمَارَةِ

وَسَتَكُوْنُ نَدَامَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ

(بخاری)

فَنِعْمَتِ الْمُرْضِعَةُ

وَبِئْسَتِ الْفَاطِمَةُ

بے شک تم عنقریب امارت پر حرص کرنے لگو گے اور عنقریب قیامت کے دن وہ امارت ندامت (کا باعث) ہوگی پس وہ (ابتداء) کیسی اچھی دودھ پلانے والی ہے اور (انتہاء) کیسی بری دودھ چھڑانے والی ہے (صحیح بخاری)

قبولِ منصب سے انکار

حضرت والا کو کئی بار سیاسی جماعتوں کی طرف سے صدارت کی درخواست کی گئی مگر آپ ہمیشہ قبولِ منصب سے انکار فرماتے رہے۔

جمعیۃ العلماء کی صوبائی صدارت:

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے جمعیۃ العلماء کی صوبائی صدارت قبول کرنے پر بہت اصرار فرمایا۔ حضرت والا نے معذرت پیش کرنے کے بعد فرمایا:

”میں صدارت کی بجائے ویسے ہی تعاون کرتا رہوں گا۔“

چنانچہ حضرت والا تدریس اور افتاء و ارشاد کے ہجوم مشاغل کے باوجود جمعیت کے ساتھ تعاون فرماتے رہے۔

مرکزی جمعیۃ العلماء کی صوبائی صدارت:

پھر کچھ عرصہ بعد فتنۂ سوشلزم کے مقابلہ کے لئے جب مرکزی جمعیۃ العلماء کی از سر نو تنظیم ہوئی تو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی رحمہما اللہ تعالیٰ نے صوبائی صدارت کا منصب قبول کرنے پر اصرار فرمایا، مگر حضرت والا نے قبول نہیں فرمایا، جبکہ ان دونوں حضرات کے ساتھ حضرت والا کے بہت مخلصانہ تعلقات تھے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تو حضرت والا کے استاذ بھی تھے، ان کی خدمت میں بھی حضرت والا نے یہی عرض کیا:

"میں بدونِ صدارت ہی ہر طرح سے تعاون کروں گا۔"

مرکزی جمعیۃ کی چار رکنی اعلیٰ کمیٹی کی رکنیت:

ایک بار لاہور میں مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے زیرِ صدارت مرکزی جمعیت کے اجلاس میں چار رُکنی اعلیٰ کمیٹی کا انتخاب ہوا، مولانا تھانوی نے حضرت سے دریافت کئے بغیر اس میں حضرت کا نام بھی لکھ دیا۔

حضرت والا نے اس سے بھی انکار فرمادیا، مگر جمعیت کے مقصد کے لئے اس قدر جدوجہد کی کہ سوشلزم کے دیو پر سے اسلامی نقاب اتار کر اس کی اصل تصویر دنیا کے سامنے ظاہر فرمادی۔ جو لوگ سوشلزم پر اسلام کا لیبل لگا رہے تھے آپ نے قرآن و حدیث اور فقہ کے دلائل سے اُن کی زبانوں پر خاموشی کی مُہر لگادی' اور بحمد اللہ تعالیٰ سوشلزم کا تابوت دفن ہوگیا۔

آپ نے اس سلسلہ میں سندھ، پنجاب، سرحد اور مشرقی پاکستان کا متعدد بار سفر فرمایا۔

فتنۂ سوشلزم کے خلاف جہاد:

حضرت والا نے سوشلزم کے مقابلہ میں جہاد کے حالات بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

> "مجھے اس سے قبل سوشلزم کے بارہ میں قطعاً کسی قسم کی کچھ بھی معلومات نہیں تھیں، نہ کبھی سوشلزم کے دلائل کی تفصیل دیکھی تھی اور نہ ہی اس کے ردّ میں کوئی مضمون نظر سے گزرا تھا، پھر یہ بوجھ مجھ پر ایسا اچانک آپڑا کہ عین وقت پر کتابیں دیکھنے یا کسی دوسرے ذریعہ

سے کچھ معلومات حاصل کر کے اس کے مقابلہ میں تیاری کرنے کی بالکل فرصت نہ ملی۔ اس وقت مجھے صرف وسوسہ کے درجہ میں کچھ خیال آیا کہ میں ان حالات میں کہنہ مشق شعبدہ بازوں سے مقابلہ کیسے کروں گا؟

اللہ تعالیٰ نے فوراً بہت قوت کے ساتھ قلب میں القاء فرمایا کہ دلیل تو صرف وہی معتبر ہوگی جو قرآن یا حدیث یا فقہ سے ہو۔ بحمد اللہ تعالیٰ ان علوم میں ایسی بصیرت ہے کہ کوئی شعبدہ باز مجھے دھوکا نہیں دے سکتا، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے عقل بھی اتنی عطاء فرمائی ہے کہ بڑے سے بڑے فلاسفروں اور سائنسدانوں اور شاطر سے شاطر سیاستدانوں کے مکر و فریب کی طویل و عریض اور دور رس کمندوں کی وہاں تک رسائی نہیں۔

اس کے بعد اپنے قلب کو مقابلہ کے لئے پورے طور پر مستعد پایا اور طاغوتی قوتوں پر احکم الحاکمین کے قانون کے غلبہ کا یقینِ مستحکم قلب میں راسخ ہوگیا۔

اس وقت میرے پاس مثنوی رکھی تھی، میں نے جیسے ہی کھولی فوراً اس شعر پر نظر پڑی ؎

قوتے خواہم زحق دریا شگاف
تا بسوزن برکنم این کوہِ قاف

"میں اللہ تعالیٰ سے دریا کو چیرنے والی قوت مانگتا ہوں، تاکہ سوئی سے کوہِ قاف کو اکھاڑ پھینکوں۔"

اس نے تو بس جلتی پر پٹرول کا کام کیا، باطل کو پاش پاش کرنے کے لئے رگوں کا خون گرما دیا۔ اللہ کا نام لے کر بدونِ اسلحہ بالکل

خالی ہاتھ طاغوتی مسلح لشکروں کے مقابلہ میں نکل کر انہیں ایسی شکستِ فاش دی کہ دنیا نے اس کا نظارہ یوں دیکھا ؎

گیا سانپ اندر پٹاری گیا
تماشا دکھا کر مداری گیا

اب بھی جب اس معرکہ کا تصور آجاتا ہے خون جوش مارنے لگتا ہے۔“

اسلامی نظریاتی کونسل کی رکنیت :

حکومت کی طرف سے اسلامی نظریاتی کونسل کی رکنیت کے لئے کئی بار پیشکش کی گئی۔ حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بہت اصرار فرمایا، اور مولانا غلام غوث ہزاروی جب قومی اسمبلی کے رکن تھے اس مقصد کے لئے سفر کرکے حضرت والا کے پاس تشریف لائے، مگر حضرت والا نے فرمایا:

”میں بلا رکنیت ہی خدمت کرتا رہوں گا۔“

چنانچہ اسلامی نظریاتی کونسل اہم مسائل میں مسلسل آپ سے استفادہ کر رہی ہے۔

ایک بار قومی اسمبلی کے ایک رکن نے حضرت والا سے ملاقات کی اجازت چاہی، آپ نے اجازت دے دی۔ وہ چند رفقاء کو لے کر بصورتِ وفد پہنچ گئے، کہنے لگے:

”آپ اسلامی نظریاتی کونسل کی رکنیت قبول فرمالیں۔“

حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا:

”مجھے حکومت کی طرف سے یہ پیشکش پہلے بھی کئی بار کی جا چکی ہے مگر میں نے قبول نہیں کی، اب بھی وہی بات کہتا ہوں کہ میں باہر

ہی رہ کر تعاون کرتا رہوں گا۔“

پھر انہوں نے کہا:

”دار الافتاء والارشاد کی عمارت بہت تنگ ہے، بہت وسیع رقبہ پر اس کی وسیع تعمیر کی ضرورت ہے۔“

حضرت اقدس دامت برکاتہم نے فرمایا:

”میں تو اس عمارت کو بہت ہی چھوٹی اور کام کو بہت ہی مختصر رکھنا چاہتا تھا اور اس کی انتہائی کوشش بھی رہی کہ بڑھنے نہ پائے مگر اس کے باوجود میری خواہش کے خلاف عمارت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔“

آخر میں چلتے وقت بولے:

”مجھے احباب کہہ رہے تھے کہ آپ سے ملاقات کرنے سے کسی فائدہ کی کوئی توقع نہیں، اس کے باوجود میں نے کہا کہ ملاقات ضرور کریں گے۔“

حضرت والا نے فرمایا:

”اب آپ ہی سمجھ سکتے ہیں کہ کوئی فائدہ ہوا یا نہیں۔“

بعض دفعہ صوبائی وزیر اعلیٰ اور بعض وفاقی وزراء نے حضرت والا سے ملاقات کی کوشش کی، مگر آپ نے موقع نہیں دیا، اس کی تفصیل عنوان ”حکام سے اجتناب“ کے تحت گزر چکی ہے۔

حکام کی درخواستِ ملاقات پر زرّیں اصول:

حضرت اقدس دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

”جب کوئی سیاسی لیڈر یا کوئی سرکاری عہدہ دار مجھ سے ملاقات کی

خواہش ظاہر کرتا ہے تو میں یوں جواب دیتا ہوں:

"آپ کسی کار آمد شخص سے ملیں جس سے کوئی سیاسی فائدہ ہو، مجھ جیسے بیکار آدمی سے ملاقات سے کیا فائدہ؟"

اور اگر کبھی کسی سرکاری تقریب میں شرکت کی دعوت دی جائے تو یوں جواب دیتا ہوں:

"مجھ جیسے بیکار آدمی کی شرکت سے آپ کی کوئی عزّت افزائی نہیں، اور عدمِ شرکت سے آپ کی عزّت میں کوئی نقصان نہیں، اس لئے میری شرکت بے سُود ہے۔"

بعد میں امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات میں شیخ نجم الدین کبری رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایسے موقع میں بعینہٖ یہی جواب نظر سے گزرا۔ اس توافق سے مسرّت ہوئی۔ فللّٰہ الحمد۔"

جامعہ دار الہدیٰ ٹھیڑھی میں انتظامی امور سے معذرت:

حضرت والا نے جب جامعہ دار الہدیٰ ٹھیڑھی میں شیخ الحدیث اور دار الافتاء کی ذمہ داری سنبھالی، تو آپ نے یہ شرط لگائی:

"میں انتظام سے متعلق کسی قسم کی کوئی ذمہ داری ہرگز قبول نہیں کروں گا، اس لئے کہ یہ میرے مشاغلِ علمیہ میں مخل ہوگی۔"

اس پر مہتمم صاحب اور دوسرے ارکان بہت خوش ہوئے، اس لئے کہ انھیں سابقہ اساتذہ نے انتظام میں دخل اندازی کرکے بہت پریشان کر رکھا تھا۔

جامعہ دار العلوم کراچی میں نظامت سے معذرت:

حضرت والا جب اپنے استاذِ محترم حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

کی فرمائش پر جامعہ دار العلوم کراچی تشریف لائے تو حضرت مفتی صاحب نے انتظامی معاملات کے لئے جامعہ کے اساتذۂ حدیث کی مجلس علمی تشکیل دے کر حضرت والا کو اس کا امیر متعین فرما دیا۔

حضرت نے استاذ محترم کے حکم اور جامعہ کے مفاد کی خاطر یہ ذمہ داری قبول فرمالی، مگر ایک دو ماہ ہی کے تجربہ کے بعد اس کو خدمات علمیہ میں مُخل پا کر اس سے سبکدوشی کی درخواستیں شروع کر دیں۔ آخر سال تک حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں کئی بار عرض کیا مگر شنوائی نہ ہوئی۔ بالآخر سال ختم ہونے پر حضرت والا نے آیندہ سال جامعہ میں کام کرنے کے لئے یہ شرط پیش کر دی:

> "مجھے آیندہ اس ذمہ داری سے سبکدوش کیا جائے ورنہ میں جامعہ میں کام نہیں کروں گا۔"

اس شرط کے بعد امارت سے نجات ملی۔

لُطف یہ کہ انہی ایام میں ایک دوسرے استاذ نے یہ درخواست پیش کر دی کہ اگر آیندہ سال انھیں ناظم نہیں بنایا گیا تو وہ جامعہ چھوڑ دیں گے چنانچہ اس کے بعد مجلس علمی اور اس کی امارت تو نہ رہی مگر ان صاحب کو ناظم بنا دیا گیا، الحمد للہ دونوں کا مطالبہ پورا ہو گیا ع

ھر کسے را بہر کارے ساختند
"ہر شخص کو کسی خاص کام کے لئے پیدا فرمایا ہے۔"

جامعہ خیر المدارس کے اہتمام و منصب شیخ الحدیث سے معذرت:

حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے انتقال کے بعد حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کے خلیفہ حضرت حاجی محمد شریف صاحب اپنے ساتھ حضرت

مولانا خیر محمد صاحب کے صاحبزادہ مولانا محمد شریف صاحب اور چند دوسرے معزز حضرات کو بصورتِ وفد لے کر حضرت والا کے ہاں تشریف لائے، جامعہ خیر المدارس ملتان کے اہتمام و شیخ الحدیث کا منصب سنبھالنے پر بے حد اصرار فرمایا۔

یہ حضرات انتہائی کوشش کے باوجود حضرت والا کو جامعہ خیر المدارس کی زمام سنبھالنے پر راضی کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اس کی تفصیل عنوان "حضرتِ اقدس کا مقامِ عشق اکابر اولیاء اللہ کی نظر میں" کے تحت گزر چکی ہے۔

جامعہ دار العلوم ٹنڈو اللہ یار کے اہتمام و عہدۂ شیخ الحدیث سے معذرت:

حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی نے اپنے جامعہ دار العلوم ٹنڈو اللہ یار کے مہتمم و شیخ الحدیث کا منصب سنبھالنے کی حضرت والا سے درخواست کی اور ساتھ ہی یہ سہولت بھی پیش کی کہ ہفتہ میں صرف دو روز وہاں تشریف لے جایا کریں، آمد و رفت کے لئے ایک مستقل کار مع ڈرائیور آپ کی تحویل میں رہے گی۔

مولانا کے ساتھ بہت گہرے روابط کے باوجود حضرت والا نے اس خدمت سے معذرت فرمادی۔

پھر مولانا نے فرمایا:

> "ہم یہیں کراچی ہی میں زمین کا کوئی بہت بڑا رقبہ لے کر اس میں بہت اونچے معیار کا جامعہ بناتے ہیں بشرطیکہ آپ اس کا اہتمام سنبھالیں۔"

حضرتِ والا نے اس سے بھی معذرت فرمادی۔

یہاں بطورِ نمونہ صرف چند مثالیں پیش کرنے پر اکتفاء کیا گیا ہے ورنہ اس قسم کے اور بھی کئی واقعات ہیں۔

منصبِ اہتمام وعُہدۂ نظامت کے مفاسِد :

حضرت اقدس دامت برکاتہم کا ارشاد ہے :

"مہتمم یا ناظم کا منصب قبول کرنے میں یہ مفاسد ہیں :"

① آمرانہ منصب وحاکمانہ شان کی وجہ سے باطنی بربادی کا سخت خطرہ ہے۔

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ (١٢-٥٣)

"بے شک نفس برائی کا بہت حکم کرتا ہے سوائے اس کے جس پر میرا رب رحم کرے۔"

② ماتحت عملہ اگرچہ بظاہر ادب واحترام سے پیش آتا ہے، مگر آجکل اکثر طبائع میں غلبۂ فساد کی وجہ سے باطنی طور پر حسد وبغض رکھتا ہے اور اندرونی طور پر ایذاء رسانی وبدنام کرنے کی کوشش میں مصروف رہتا ہے، بالخصوص جبکہ کوئی فیصلہ کسی کی نفسانی خواہش کے خلاف ہو، اس طرح قیمتی وقت ضائع ہونے کے علاوہ سکونِ قلب کا خزانہ بھی برباد ہوجاتا ہے، اللہ والوں کی حالت تو یہ ہوتی ہے ؎

خود چہ جائے جنگ وجدل نیک وبد
این دلم از صلحہا ہم می رمد

"اچھے بُرے جھگڑوں کی کہاں فرصت؟ میرا دل تو دوستیوں سے بھی بھاگتا ہے۔"

③ انتظامی مصروفیات کی وجہ سے علمی واصلاحی خدمات میں بہت

نقصان ہوتا ہے، بالخصوص جبکہ ماتحت عملہ بھی درپئے آزار ہو۔"

حضرت والا کی خدمت میں مختلف مساجد اور دینی اداروں کی منتظمہ کمیٹیوں کی طرف سے مسلسل درخواستیں آتی رہتی ہیں کہ آپ سرپرستی قبول فرمالیں۔ سرپرستی بھی مروّج دستور کے مطابق محض برائے نام نہیں بلکہ کُلّی اختیارات کے ساتھ۔

حضرت والا انہیں جواب میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"ضابطہ کی سرپرستی کی بجائے رابطہ کا تعلق رکھنے کی اجازت ہے۔ ارکانِ منتظمہ اگر مجھ سے رابطہ رکھیں گے اور کسی کام میں مشورہ طلب کریں گے تو اِن شاء اللہ تعالیٰ اپنی صوابدید کے مطابق مشورہ دیتا رہوں گا۔"

دارالافتاء والارشاد کے لئے خازن اور حضرت والا کی احتیاط:

حضرت والا نے جب "دارالافتاء والارشاد" کی بنیاد رکھی تو تعمیر اور کتب خانہ کے لئے کافی سرمایہ درکار تھا، آپ نے یہ فیصلہ تو ابتداء ہی سے فرما رکھا تھا کہ کبھی چندہ کی اپیل تو درکنار اشارۃً وکنایۃً ترغیب سے بھی مکمل احتراز کیا جائے گا، اس مقصد کے لئے اپنے مخلص احباب از خود جو عطیات پیش کر رہے تھے ان رقوم کی تحویل کے لئے کسی دیانتدار شخصیت کی ضرورت تھی۔ حضرت والا یہ ذِمہ داری خود سنبھالنے کے لئے ہرگز تیار نہ تھے، اس لئے اپنے اکابر حضرت مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب اور مولانا شبیر علی صاحب سے ایسے شخص کی تعیین کی درخواست کی۔

ان تینوں حضرات نے بالاتفاق یہی فیصلہ فرمایا کہ یہ ذِمہ داری آپ خود ہی قبول کریں۔ مجبوراً یہ فیصلہ قبول کرنا پڑا اور اس کے بعد اس دعاء کا معمول بن گیا:

اَللّٰھُمَّ اَنْجِزْ وَعْدَ وَمَنْ اُکْرِہَ عَلَیْہِ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْہِ مَلَکًا یُّسَدِّدُہٗ.

"یا اللہ! اپنا یہ وعدہ پورا فرما کہ جس شخص کو باصلاح لوگ مجبور کرکے

نقصان ہوتا ہے، بالخصوص جبکہ ماتحت عملہ بھی درپئے آزار ہو۔"

حضرت والا کی خدمت میں مختلف مساجد اور دینی اداروں کی منتظمہ کمیٹیوں کی طرف سے مسلسل درخواستیں آتی رہتی ہیں کہ آپ سرپرستی قبول فرمالیں۔ سرپرستی بھی مروّج دستور کے مطابق محض برائے نام نہیں بلکہ کُلّی اختیارات کے ساتھ۔

حضرت والا انہیں جواب میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

> "ضابطہ کی سرپرستی کی بجائے رابطہ کا تعلّق رکھنے کی اجازت ہے، ارکانِ منتظمہ اگر مجھ سے رابطہ رکھیں گے اور کسی کام میں مشورہ طلب کریں گے تو اِن شاء اللہ تعالیٰ اپنی صوابدید کے مطابق مشورہ دیتا رہوں گا۔"

دار الافتاء والارشاد کے لئے خازن اور حضرت والا کی احتیاط:

حضرت والا نے جب "دار الافتاء والارشاد" کی بنیاد رکھی تو تعمیر اور کتب خانہ کے لئے کافی سرمایہ درکار تھا، آپ نے یہ فیصلہ تو ابتداء ہی سے فرما رکھا تھا کہ کبھی چندہ کی اپیل تو درکنار اشارۃً وکنایۃً ترغیب سے بھی مکمل احتراز کیا جائے گا، اس مقصد کے لئے اپنے مخلص احباب از خود جو عطیات پیش کر رہے تھے ان رقوم کی تحویل کے لئے کسی دیانتدار شخصیت کی ضرورت تھی۔ حضرت والا یہ ذِمہ داری خود سنبھالنے کے لئے ہرگز تیار نہ تھے، اس لئے اپنے اکابر حضرت مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحب اور مولانا شبیر علی صاحب سے ایسے شخص کی تعیین کی درخواست کی۔

ان تینوں حضرات نے بالاتفاق یہی فیصلہ فرمایا کہ یہ ذِمہ داری آپ خود ہی قبول کریں۔ مجبورًا یہ فیصلہ قبول کرنا پڑا اور اس کے بعد اس دعاء کا معمول بن گیا:

اَللّٰھُمَّ اَنْجِزْ وَعْدَ وَمَنْ اَکْرِہَ عَلَیْہِ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْہِ مَلَکًا یُّسَدِّدُہٗ.

"یا اللہ! اپنا یہ وعدہ پورا فرما کہ جس شخص کو باصلاح لوگ مجبور کر کے

کسی منصب پر متعین کردیں اس کی رہنمائی اور مدد کے لئے اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ متعین فرمادیتے ہیں۔"

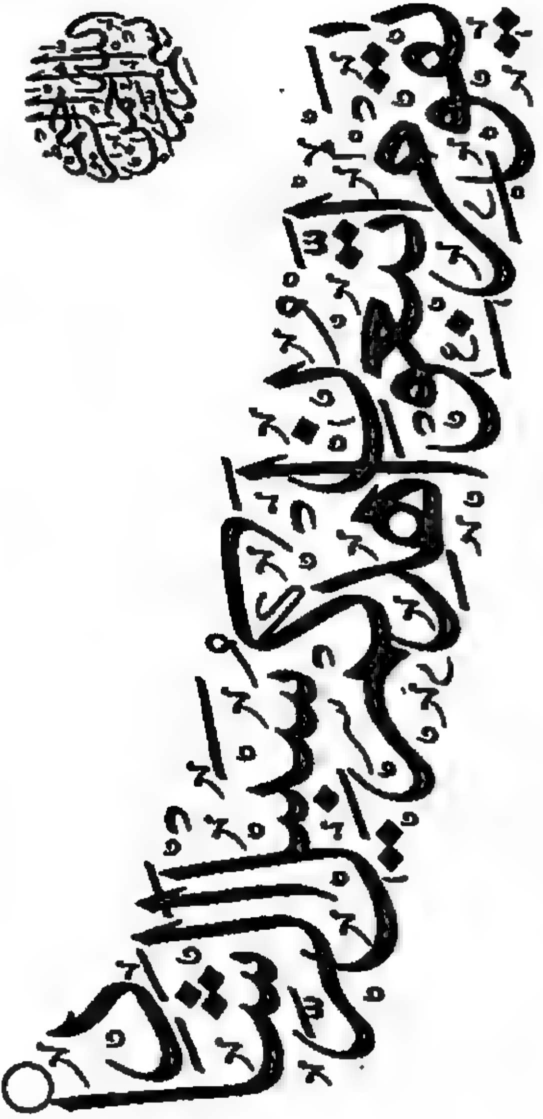
بسم اللہ الرحمن الرحیم
یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ

اے میری قوم! میرا اتباع کرو میں تمہیں ہدایت کا راستہ بتاتا ہوں (۴۰-۳۸)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰقَوْمِ اِنَّمَا ھٰذِہِ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ

وَّاِنَّ الْاٰخِرَۃَ ھِیَ دَارُ الْقَرَارِ

اے میری قوم! یہ دُنیوی زندگی محض چند روزہ ہے اور اصل ٹھیرنے کا مقام تو آخرت ہے (۴۰-۳۹)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝
كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ
مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (۸۲-۱۰تا۱۲)

مصارف وقف میں احتیاط

ان عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کانت تسرج له الشمعة ما کان فی حوائج المسلمین فاذا فرغ من حاجتهم اطفأها ثم اسرج علیه سراجه. (الحلیة لابی نعیم)

حضرتِ اقدس دامت برکاتہم کی حیاتِ بابرکت کا نہایت قابلِ رشک بلکہ
واجب التقلید باب

مصارفِ وقف و اموالِ وقف میں قرآن و حدیث و سلف صالحین کے مطابق شدید احتیاط، قدم قدم پر فکرِ آخرت، ہر ہر لمحہ میں ورع و تقویٰ، ہر ہر موڑ پر قبر و حشر کا خیال۔

تمام دینی تحریکات، تنظیمات، ادارات بالخصوص جامعات، مدارس اور مساجد کے منتظمین کی دُنیوی و اُخروی تباہی و گرفت سے نجات کا ذریعہ۔

وقف سے متعلق پیچیدہ احکام اور مشکل مسائل کا حل، احتیاط کے مواقع، بے احتیاطی کے مواقع کی نشاندہی۔ علماء و مشائخ و قائدین و راہبرانِ دین کے لئے آبِ حیات۔

مصارفِ وقف میں احتیاط

عنوان	صفحہ
خلیفۂ اوّل ـ اہلیہ کی حلوا کھانے کی خواہش	٦١٧
حضرت عمر بن عبدالعزیز اور وقف کا چراغ	٦١٨
بیت المال کے مطبخ میں احتیاط	٦١٩
مہمانوں کے لئے ہدایات	٦٢١
ملاحظات	٦٢٣
حضرت پیرانی صاحبہ مدظلہا کو خصوصی ہدایت	٦٢٤
دارالافتاء کی صفائی کی مشین مانگنے پر بہو کو انکار	٦٢٥
گٹر کھولنے کے پمپ پر بہو اور خادم کی اہلیہ کو تنبیہ	٦٢٦
مریدِ خاص اور دارالافتاء کا فون	٦٢٦
دارالافتاء کا ٹیلی فون اور ایک مریدِ خاص انجینئر کی ذاتی ضرورت	٦٢٧
مسجد کی چٹائیاں	٦٢٨
”یہ مصلّٰی مسجد کا نہیں میرا ذاتی ہے“	٦٢٩
وقف کا پانی اور پڑوس کی شدید ضرورت	٦٢٩
افطار کے لئے مدرسہ سے پانی باہر لے جانا	٦٣٠
”ایک تغاری ریتی دے دیں“	٦٣٢
دارالافتاء کا پیچ کش	٦٣٢
طلبہ سے کیا اور کتنی خدمت لی جاسکتی ہے	٦٣٣

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝

كِرَامًا كٰتِبِيْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝

اور تم پر نگہبان مقرر ہیں - عزت والے عمل لکھنے والے - جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو (۸۲—۱۰ تا ۱۲)

مَصارفِ وَقف میں احتیاط

حضرتِ والا کا مصارفِ وقف میں فکرِ آخرت اور کمالِ احتیاط کا یہ عالم رہا کہ بعض مرتبہ پانچ پیسے کے مصرف کے لئے گھنٹوں سوچنا پڑا۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مصارفِ وقف میں پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کی احتیاط کے چند واقعات تحریر کر دیئے جائیں؛

خلیفۂ اوّل ــــ اہلیہ کی حلوا کھانے کی خواہش؛

① ان زوجته اشتهت حلوا فقال ليس لنا ما نشتري به فقالت انا استفضل من نفقتنا في عدة ايام ما نشتري به قال افعلي ففعلت ذلك فاجتمع لها في ايام كثيرة شيء يسير فلما عرفته ذلك ليشتري به حلوا اخذه فرده الى بيت المال وقال هذا يفضل عن قوتنا واسقط من نفقته بمقدار ما نقصت كل يوم وغرمه لبيت المال من ملك كان له۔ (التاريخ الكامل ص۴۲۳ ج ۲)

”حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ نے حلوا کھانے کی خواہش ظاہر کی، آپ نے فرمایا:

”ہمارے پاس اتنے پیسے نہیں جن سے حلوا خرید سکیں۔“

اہلیہ نے کہا:

”میں چند ایام میں اپنے نفقہ سے اتنے پیسے بچا لوں گی جن

سے حلوا خریدا جا سکے۔"

آپ نے فرمایا: ——— "کر لیجئے"۔

اہلیہ نے کئی دنوں میں تھوڑے سے پیسے جمع کر کے آپ کو بتایا تو آپ نے وہ پیسے لے کر بیت المال میں لوٹا دیئے اور فرمایا:

"یہ ہماری معیشت سے زیادہ ہیں"۔

اور آیندہ کے لئے بیت المال سے اپنے نفقہ سے اس قدر کم کر دیا، اور اس سے قبل اتنی مقدار جو زیادہ لے چکے تھے اس کا بیت المال کو تاوان ادا فرمایا۔"

حضرت عمر بن عبد العزیز اور وقف کا چراغ:

② عن ابى شعيب عبد الله بن مسلم يحدث عن ابيه قال دخلت على عمر بن عبد العزيز رحمه الله تعالىٰ وعنده كاتب يكتب قال وشمعة تزهر وهو ينظر فى امور المسلمين قال فخرج الرجل واطفئت الشمعة وجىء بسراج الى عمر فدنوت منه فرأيت عليه قميصا فيه رقعة قد طبق ما بين كتفيه قال فنظر فى امرى. (الحلية لابى نعيم ص٣٢٣ ج ٥)

"عبد اللہ بن مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ کے پاس ایک کاتب شمع کی روشنی میں لکھ رہا تھا اور آپ مسلمانوں کی حاجات میں غور فرما رہے تھے۔ پھر وہ کاتب چلا گیا تو وہ شمع بجھا دی گئی اور آپ کے پاس ایک چراغ لایا گیا، میں آپ سے قریب ہوا تو میں نے آپ پر کُرتا دیکھا جس میں دونوں کندھوں کے درمیان پورے عرض میں پیوند لگا ہوا تھا، آپ

نے میری حاجت ۔ ۔ ۔ رفرمایا"

③ ان عمر بن عبد العزيز رحمه الله تعالى كانت تسرج له الشمعة ما كان في حوائج المسلمين، فاذا فرغ من حاجتهم اطفأها ثم اسرج عليه سراجه. (الحلية لابي النعيم ص۳۲۴ ج ۵)

"حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ جب تک مسلمانوں کی حاجات میں مشغول رہتے آپ کے لئے شمع جلائی جاتی، جب فارغ ہو جاتے تو اسے بجھا دیتے، پھر آپ کا اپنا چراغ جلایا جاتا۔"

④ وكان له سراج يكتب عليه حوائجه وسراج لبيت المال يكتب عليه مصالح المسلمين لا يكتب على ضوئه لنفسه حرفا (بداية ص۲۰۲ ج۹)

"حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک چراغ اپنا تھا جس پر اپنی حاجات لکھتے تھے اور دوسرا چراغ بیت المال کا تھا جس پر مسلمانوں کی مصلحت کی چیزیں لکھتے تھے، اس کی روشنی میں اپنے لئے ایک حرف بھی نہیں لکھتے تھے۔"

بیت المال کے مطبخ میں احتیاط:

⑤ وبعث يوما غلامه ليشوي له لحمة فجاءه بها سريعا مشوية فقال اين شويتها قال في المطبخ فقال في مطبخ المسلمين قال نعم فقال كلها فاني لم ارزقها هي رزقك. (البداية والنهاية ص۲۰۲ ج ۹)

"ایک روز آپ نے اپنے غلام کو بھیجا کہ گوشت بھون کر لائے، وہ جلدی سے بھون کر لے آیا۔

آپ نے فرمایا: ——— "کہاں بھونا؟"

اس نے کہا: ——— "مطبخ میں۔"

آپ نے فرمایا: ——— "مسلمانوں کے بیت المال کے مطبخ میں؟"

اس نے کہا: ـــــــــــ "ہاں"۔

آپ نے فرمایا: ـــــــــــ "اسے تو کھالے یہ میرا رزق نہیں تیرا رزق ہے"۔

⑥ وسخنوا له الماء فی المطبخ العام فرد بدل ذٰلك بدرهم حطبا.

(البدایة والنهایة ص۲۰۲ ج ۹)

"خدام نے آپ کے لئے بیت المال کے مطبخ میں پانی گرم کیا، تو آپ نے اس کے عوض ایک درہم کا سوختہ بیت المال میں لوٹایا"۔

جس طرح عام عبادات و معاملات میں حضرتِ اقدس کے حیرت انگیز تقویٰ اور دین میں استقامت و تصلب کا پورے عالم میں شہرہ ہے، اسی طرح مصارفِ وقف میں بھی آپ کی احتیاط و فکرِ آخرت اس قدر زبان زد اور عوام و خواص میں اس حد تک مشہور و معروف ہے کہ بڑے سے بڑے معاندین بھی سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور ہیں۔

اس کا ایک بہت عام تأثر یہ ہے کہ حضرتِ اقدس کبھی کسی جامعہ میں تشریف لے جاتے ہیں اور رئیسِ جامعہ کسی قسم کی کوئی خدمت پیش کرنا چاہتے ہیں تو ساتھ ہی یہ وضاحت پیشِ خدمت کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ پیشکش جامعہ کی طرف سے نہیں بلکہ ان کی اپنی طرف سے ہے، مثلاً:

یہ مشروب جامعہ کی طرف سے نہیں بلکہ میری اپنی جیب سے ہے۔

حضرت کی قیامگاہ میں اے سی جامعہ کا نہیں، میرا اپنا ہے۔

حضرت میری گاڑی میں تشریف لے چلیں، یہ جامعہ کی نہیں میری ذاتی ہے۔

اس قسم کی ہر خدمت میں یہ وضاحت اس لئے ضروری سمجھی جاتی ہے کہ حضرت والا کو مالِ جامعہ سے ہونے کا ذرا سا بھی شبہہ ہو گیا تو قبول نہیں فرمائیں گے۔

اب مصارفِ وقف میں حضرتِ اقدس دامت برکاتہم کی احتیاط و فکرِ آخرت کی چند مثالیں تحریر کی جاتی ہیں:

① ”دارالافتاء والارشاد“ کے مہمان خانہ میں یہ تحریر آویزاں ہے:

مہمانوں کے لئے ہدایات

یہ قیامگاہ خالص دینی مقاصد کے لئے ہے دُنیوی اَغراض والوں کے لئے خیراتی مُسافرخانہ نہیں

لہٰذا ہدایاتِ ذیل کی پابندی کریں

① کسی دنیوی غرض سے آنے والے حضرات یہاں قیام نہ کریں۔

② میرے یا میری اولاد کے ذی رحم محرم رشتہ دار قیام کرسکتے ہیں اگرچہ دُنیوی غرض سے آئے ہوں، مگر مندرجۂ ذیل امور کا اہتمام کریں:

  ① شرعی لباس میں آئیں اور نماز باجماعت کی پابندی کریں۔

  ② کچھ دینی فائدہ بھی حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

  ③ اپنے ساتھ کسی ایسے شخص کو نہ ٹھیرائیں جو محض دُنیوی کام کے لئے آیا ہو۔

  ④ دن میں ۲ بجے سے ۳ بجے تک اور رات میں ۱۰ بجے کے بعد نہ آئیں۔

  ⑤ کھانے کے وقت سے کم از کم ایک گھنٹہ قبل آئیں یا پہلے اطلاع کردیں۔

  ⑥ کھانے کے وقت پر موجود رہیں۔

  ⑦ میرے یا کسی اور کے مشاغل میں خلل نہ ڈالیں۔

رشید احمد

۳ رذی الحجہ ۱۳۹۵ھ

ناظرین اس تحریر سے مصارفِ وقف میں احتیاط کے علاوہ دوسرے اُمور میں بھی حدودِ شرع پر استقامت، نظم وضبط اور حفاظتِ وقت کا سبق حاصل کریں۔

② محترمہ پیرانی صاحبہ مدظلہا کے بارہ میں مندرجۂ ذیل وصیت نامہ تحریر فرمایا:

رشید احمد
(فن: ۶۱۲۲۳۶۱۰

اگر میرا انتقال میری اہلیہ سارہ سے پہلے ہوا تو میرے بعد ان کے لئے "دارالافتاء والارشاد" کے مکان میں رہنا جائز ہوگا یا نہیں؟ جبکہ یہ عزیزم مفتی عبدالرحیم کے لئے بمنزلۂ والدہ ہیں۔ علاوہ ازیں وجوہِ ذیل کی بناء پر "دارالافتاء والارشاد" کے مفاد کے لئے ان کا یہیں قیام مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے:

① عزیزم مفتی عبدالرحیم کو ان کی سرپرستی کی ضرورت ہے۔

② یہ "دارالافتاء والارشاد" سے بغرضِ استفادہ وابستہ حضرات کی توجہ کا مرکز ہیں۔

تفصیلِ مذکور کی بناء پر میرے خیال میں ان کے لئے "دارالافتاء والارشاد" کے مکان میں رہنا بلاشبہ جائز ہے، مگر چونکہ اس مسئلہ کا تعلق میری ذات سے ہے اس لئے میں نے اس بارہ میں خود فیصلہ کرنے کی بجائے مفتی جمیل احمد صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور، مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مفتی عبدالستار صاحب خیر المدارس ملتان سے استفتاء کیا، تینوں حضرات نے جواز کا فتویٰ دیا بلکہ مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب اور مفتی عبدالستار صاحب نے تو انہیں مہتمم نامزد کرنے کا مشورہ دیا۔

مع ھٰذا میں "دارالافتاء والارشاد" کے مکان میں ان کا قیام بلاضرورت مناسب نہیں سمجھتا، لہٰذا خدانخواستہ کوئی مجبوری ہو تو اس فتویٰ کے مطابق یہاں قیام کریں ورنہ ہدایاتِ ذیل پر عمل کریں:

۱ — اگر ان کے یہاں رہنے میں "دارالافتاء والارشاد" کا فائدہ ہو تو یہیں رہنا مناسب ہے مگر "دارالافتاء والارشاد" کو مکان کا کرایہ دیں۔

۲ — اگر یہاں رہنے میں "دارالافتاء والارشاد" کا کوئی معتد بہ فائدہ نہ ہو اور مکان کرایہ پر دینے میں کوئی نقصان نہ ہو تو جہاں مناسب سمجھیں قیام کریں۔

۳ — اگر مکان کرایہ پر دینے میں "دارالافتاء والارشاد" کا نقصان ہو تو مکان فوراً خالی کر دیں، عدت بھی دوسرے مکان میں جا کر گزاریں۔

۴ — اُمورِ مذکورہ کا فیصلہ اور کرایہ کی مناسب مقدار کی تعیین مفتی عبدالرحیم دو تجربہ کار و دیانتدار صالح حضرات کے مشورہ سے کریں۔

اس تحریر سے دو مقاصد ہیں:

۱ — اپنے لئے خسارۂ آخرت سے حفاظت۔

۲ — عزیزم مفتی عبدالرحیم کے لئے سبق کہ وہ ایسے اُمور میں اپنے دین کی حفاظت کے لئے ہر ممکن احتیاط سے کام لیا کریں۔

واللہ تعالیٰ ھو المستعان۔

١٤٠٨ ٠١ ٠٨

ملاحظات:

۱ — حضرتِ والا "دارالافتاء والارشاد" کے بانی ہونے کے علاوہ متولی و مہتمم بھی ہیں، بس سب کچھ آپ ہی ہیں۔

۲ـــ آپ کے اختیارات کسی فرد یا مجلس کے تحت نہیں، بلکہ آپ کسی کے مشورہ کے بھی پابند نہیں، سب معاملات میں تنہا خود مختار ہیں۔

۳ـــ آپ نے "دارالافتاء والارشاد" کی بنیاد انتہائی کٹھن حالات میں رکھی، یار و اغیار سب کی مخالفت کی بادِ سموم میں صرف توکلاً علی اللہ کام شروع کیا۔

۴ـــ آپ نے کسی مرحلہ میں بھی چندہ نہیں کیا، خود اپنے اندر بھی اُس وقت مالی وسعت نہیں تھی، اللہ تعالیٰ پر توکل، غیر اللہ سے استغناء، قناعت، صبرو استقامت کی بدولت آج بفضل اللہ تعالیٰ یہاں ایسا چشمہ جاری ہے جس کا فیض پوری دنیا میں پہنچ رہا ہے۔

۵ـــ "دارالافتاء والارشاد" کی تعمیر میں آپ نے اور آپ کے بچوں نے حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی سنت کے مطابق مزدوروں کی طرح کام کیا ہے۔

۶ـــ مالی وسعت کے بعد "دارالافتاء والارشاد" کے تمام مصارف آپ تنہا ادا کر رہے ہیں، علاوہ ازیں "دارالافتاء والارشاد" کے نام سے تجارت میں اتنی رقم لگادی ہے جس کے منافع سے آیندہ تمام مصارف کی کفالت ہوتی رہے۔

ان حالات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے گزشتہ اور آیندہ چند مثالوں سے اندازہ لگائیں کہ آپ کے تورّع و تقویٰ کا مقام اور دین میں تصلّب و مضبوطی کا معیار کس قدر بلند ہے۔

حضرت پیرانی صاحبہ مدظلہا کو خصوصی ہدایت:

③ محترمہ پیرانی صاحبہ مدظلہا نے حضرتِ والا کی اطلاع کے بغیر کسی بچہ کے ذریعہ خادمِ خاص کو کوئی بہت ہی معمولی سا کام بتا دیا، اس پر حضرتِ والا نے

پیرانی صاحبہ سے فرمایا:

”دارالافتاء والارشاد“ کے کسی فرد کو بھی میری اطلاع کے بغیر کوئی کام نہ بتایا کریں، خواہ وہ کام کتنا ہی معمولی ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں رہنے والا ہر فرد خدمتِ دین میں مشغول ہے اور ”دارالافتاء والارشاد“ اسی مقصد کے لئے وقف ہے، اس لئے یہاں دینی کام کرنے والوں سے اپنا ذاتی کام لینے کے لئے ان اُمور پر غور کرنا پڑتا ہے:

۱۔۔۔ کام کی نوعیت کیا ہے؟

۲۔۔۔ کس سے کام لیا جائے؟

۳۔۔۔ کس وقت لیا جائے؟

۴۔۔۔ کتنی دیر لیا جائے؟

اِن اُمور کا فیصلہ وہی کر سکتا ہے جس کی نظر پورے نظم پر ہو۔“

دوسرے لوگوں کو اس واقعہ کا علم ہوا تو انہیں بہت تعجب ہوا، اس لئے کہ محترمہ پیرانی صاحبہ مدظلہا حضرتِ والا کے اس خادمِ خاص کے لئے والدہ کے قائم مقام ہیں۔ یہ خادم حضرتِ والا کے صرف خادمِ خاص ہی نہیں، بلکہ شاگرد و خلیفۂ مجاز بھی ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ کہ حضرتِ والا سے ایسی والہانہ محبت رکھتے ہیں کہ اس زمانہ میں اس کی مثال ملنا بہت مشکل ہے۔ پھر کام بھی بہت ہی معمولی سا، اس کے باوجود حضرت والا نے اسے گوارا نہ فرمایا۔

دارالافتاء کی صفائی کی مشین مانگنے پر بہو کو انکار:

④ حضرتِ والا کی بہو نے آپ سے درخواست کی کہ قالین کی صفائی

کے لئے ”دارالافتاء والارشاد“ کی مشین منگوادیں۔

حضرتِ والا نے ارشاد فرمایا:

”آپ کے قالین کے لئے ’دارالافتاء والارشاد‘ کی مشین کا استعمال جائز نہیں۔“

گٹر کھولنے کے پمپ پر بہو اور خادم کی اہلیہ کو تنبیہ:

⑤ ”دارالافتاء والارشاد“ کے ایک خادم کی اہلیہ نے ”دارالافتاء والارشاد“ سے گٹر کھولنے کا پمپ اپنی گھریلو ضرورت کے لئے منگوایا۔ اس سے حضرتِ والا کی بہو نے لے کر اپنے گھر میں بھی استعمال کر لیا۔ حضرتِ والا کو عِلم ہوا تو دونوں کو سخت تنبیہ فرمائی اور دو رکعت نفل پڑھنے کا حکم فرمایا۔

بہو سے فرمایا:

”ان کے میاں تو ’دارالافتاء والارشاد‘ میں کام کرتے ہیں، لہٰذا ان کے لئے تو ”دارالافتاء والارشاد“ کا پمپ استعمال کرنا جائز ہے، آپ کے لئے جائز نہیں۔“

خادم کی اہلیہ کو اس پر تنبیہ فرمائی کہ اس نے پمپ بہو کو کیوں دیا؟

مرید خاص اور دارالافتاء کا فون:

⑥ حضرتِ والا کے ایک مرید دنیوی لحاظ سے بہت اونچے طبقہ کے ہیں، حضرتِ والا سے والہانہ عقیدت و محبت رکھتے ہیں، مختلف قسم کے نہایت ہی قیمتی ھدایا بہت کثرت سے پیش کرتے رہتے ہیں، بالخصوص مختلف انواع کے شروبات اور ہر قسم کے پھل بہت فراوانی کے ساتھ پہنچانا انہوں نے

مستقل طور پر اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔ روزانہ کم از کم ایک بار لازماً بذریعہ فون حضرتِ والا کی خدمت میں سلام، مزاج پرسی اور دُعاء کی درخواست کے بعد کم از کم تین بار یوں عرض کرتے ہیں:

"حضرت جی کوئی حکم؟"

انہیں ایک بار مجلسِ وعظ میں حاضری کے وقت اچانک کہیں ٹیلیفون کرنے کی ضرورت پیش آگئی، حضرتِ والا سے اجازت طلب کی، حضرتِ والا نے ارشاد فرمایا:

"یہ ٹیلیفون "دارالافتاء والارشاد" کا ہے، لہٰذا آپ کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں۔"

انہوں نے عرض کیا:

"میں یہ سمجھتا تھا کہ ٹیلیفون حضرتِ والا کا ذاتی ہے، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ "دارالافتاء والارشاد" کا ہے تو میں ہرگز ایسی درخواست نہ کرتا۔"

دارالافتاء کا ٹیلیفون اور ایک مریدِ خاص انجینئر کی ذاتی ضرورت:

⑦ ایک مرید تعمیرات کے انجینئر ہیں، اس کے علاوہ بجلی کی فیٹنگ اس سے متعلقہ مصنوعات اور دوسرے کئی فنون میں ماہر ہیں، بیشتر وقت "دارالافتاء والارشاد" میں گزارتے ہیں، تعمیر اور بجلی سے متعلق کاموں کے علاوہ اور بھی کئی متفرق کام بدوں معاوضہ بہت تندہی و جانفشانی سے انجام دیتے ہیں، ان کے مشاغل کو دیکھ کر ایک ناواقف نے کہا:

"دارالافتاء والارشاد" کے کئی ہزار روپے ماہانہ تو انہی کی

تنخواہ میں چلے جاتے ہوں گے۔"

اتنی بڑی جسمانی خدمات کے علاوہ مالی خدمات کے جذبہ کا یہ عالم کہ ایک بار حضرتِ والا کی خدمت میں یوں درخواست پیش کی:

"حضرتِ والا اپنی کُل آمدنی کی ایک تہائی اُمورِ خیر میں صَرف فرما رہے ہیں، اس کے اتباع میں میری خواہش ہے کہ میں بھی اپنی کل آمدنی کی ایک تہائی پیش کیا کروں۔"

حضرتِ والا نے انہیں اس کی اجازت نہ دی۔

انہوں نے ایک بین الاقوامی بہت بڑی کمپنی کی ایجنسی لے رکھی ہے، اس لئے لوگوں کو ان سے رابطہ قائم کرنے کی سخت ضرورت رہتی ہے اور یہ بیشتر وقت "دارالافتاء والارشاد" میں گزارتے ہیں، لوگ مجبور ہو کر "دارالافتاء والارشاد" کی طرف رجوع کرنے لگے، کسی نے "دارالافتاء والارشاد" کے نمبر پر فون کر کے ان سے بات کرنے کی کوشش کی، حضرت والا کو اس کا علم ہوا تو ارشاد فرمایا:

"'دارالافتاء والارشاد' کا ٹیلیفون کسی دنیوی مقصد کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں، لہٰذا ان کا کوئی فون آئے تو انہیں فون پر بلانے سے انکار کر دیا جائے۔"

خیال رہے کہ یہ مسئلہ "دارالافتاء والارشاد" سے فون کرنے کا نہیں تھا، بلکہ باہر سے آئی ہوئی کال سننے کا مسئلہ تھا، حضرت والا نے اس کی بھی اجازت نہ دی۔

مسجد کی چٹائیاں:

⑧ ارشاد فرمایا:

"مسجد کی کوئی چیز مسجد سے باہر لے جا کر استعمال کرنا جائز

نہیں، یہاں جو چٹائیاں تراویح یا جمعہ کے لئے باہر استعمال کی جاتی ہیں یہ ”دارالافتاء والارشاد“ کی ہیں مسجد کی نہیں، پہلے ہی سے ہم نے یہ احتیاط کرلی ہے کہ یہ چٹائیاں مسجد کے لئے وقف نہیں کیں، مسجد کی چیز کو باہر نکال کر مسجد سے بالکل متصل استعمال کرنا بھی جائز نہیں۔“ (وعظ مسجد کی عظمت)

یہ مصلّٰی مسجد کا نہیں میرا ذاتی ہے:

⑨ ارشاد فرمایا:

”غیرِ رمضان میں ہمارا معمول ہے کہ جمعرات کے دن نمازِ عصر کے بعد بغرضِ تفریح شہر سے باہر جاتے ہیں اور مغرب کی نماز وہیں باہر ہی پڑھتے ہیں، اس وقت یہ مصلّٰی ساتھ لے جاتا ہوں، یہاں طلبہ کو بھی اور وہاں جو لوگ ساتھ ہوتے ہیں انھیں بھی یہ مسئلہ بتادیا ہے:

”یہ مصلّٰی مسجد کا نہیں میرا ذاتی ہے، اگر مسجد کا ہوتا تو اتنی دُور تو کیا مسجد سے متصل بھی باہر نکال کر نماز نہ پڑھتے۔“

فکرِ آخرت پیدا کیجئے، اگر دل میں درد ہو، فکر ہو کہ کہیں پیش ہونا ہے اور شریعت کی کچھ حُدود ہیں، ان حُدود کے بارہ میں سُوال ہوگا تو انسان مرنا گوارا کرلے مگر حُدودِ شریعت کی خلاف ورزی کبھی نہ کرے۔“ (وعظ مسجد کی عظمت)

وقف کا پانی اور پڑوسی کی شدید ضرورت:

⑩ ارشاد فرمایا:

"چند روز پہلے کی بات ہے کہ ہمارے ایک صالح پڑوسی نے کہا:

"ہماری ٹنکی میں پانی نہیں آرہا، کوئی ایسی صورت ممکن ہے کہ دارالافتاء سے پانی لے لوں؟"

مجھے ایسی فکر لاحق ہوئی کہ فجر کے بعد سونے کا معمول ہے مگر اسی فکر کی وجہ سے نیند نہ آئی، اس لئے کہ پوچھنے والے ایک تو نیک اور دیندار آدمی، دوسرے محبت کا تعلق رکھنے والے، تیسرے پڑوسی، اتنے حقوق، لیکن کیا کروں؟ اگر اجازت دوں تو خود جہنم کا لقمہ بنوں، نہ دوں تو نہ معلوم انہیں کتنی سخت تکلیف ہو، کیسی سخت ضرورت درپیش ہو، آخر ان کا حق کیسے ادا کروں؟ اس فکر سے میری نیند اُڑ گئی، بہت سوچا مگر جواز کی کوئی صورت نظر نہ آئی اس لئے ان سے معذرت کر دی۔" (وعظ مسجد کی عظمت)

افطار کے لئے مدرسہ سے باہر پانی لے جانا:

⑪ ارشاد فرمایا:

"یہاں سامنے سے ایک خاتون اوپر مکان میں آتی رہتی ہیں، کل افطار کے وقت انہوں نے بچی کو بھیجا کہ کولر سے ٹھنڈا پانی لے آؤ۔ اب ایک طرف اتنی اہمیت کہ گرمیوں کے دن، روزہ دار افطار کے لئے پانی طلب کر رہے ہیں، اور کسی کو افطار کرانے کا کتنا بڑا ثواب ہے، دوسری طرف شریعت کا مسئلہ ہے، اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ "دارالافتاء والارشاد" کا پانی باہر دینا جائز نہیں۔

میں نے پانی لے جانے کی اجازت نہ دی، دل اتنا کڑھ رہا تھا، تکلیف ایسی ہو رہی تھی کہ حد نہیں، اس پر مزید یہ کہ ناواقف عوام اسے یہ رنگ دیں گے کہ دیکھئے افطار کے لئے پانی کا گھونٹ تک نہ دیا، لیکن کچھ بھی ہو جائے بھائی! ہم ایسے بہادر نہیں کہ جہنم پر صبر کرلیں۔ جسے آخرت کا خوف ہو وہ لوگوں کی بدنامی کو خاطر میں نہیں لاتا، کسی کی مدد کی جائے یا نہ کی جائے یہ اپنی استطاعت پر موقوف ہے۔ مثال یوں سمجھیں کہ کوئی بھوکا پیاسا آپ کے پاس آیا اور آپ نے کسی کی چوری کرکے اس کی مدد کردی، ثواب ہوگا یا گناہ؟ جب کسی کی چیز دینا جائز نہیں تو وقف کی چیز دینا کیسے جائز ہوگا؟ یہ تو اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ وقف جن چیزوں کے لئے، جن جگہوں کے لئے اور جس مقصد کے لئے کیا گیا ہے انہی تک محدود رہے گا، ان سے باہر نکالنا جائز نہیں۔

آخر میں ایک بات بتا دوں، بتانے کی تو نہیں لیکن ضرورت سے بتا رہا ہوں، میں چند ماہ سے اپنی ذاتی آمدنی کا دسواں حصہ اپنے ذاتی مصارف پر اور باقی نو حصے علمِ دین کی اشاعت پر خرچ کر رہا ہوں۔ اس سے سمجھ لیں کہ افطار کے لئے پانی نہ دینا بخل کی وجہ سے نہیں بلکہ حدودِ شریعت پر استقامت کی وجہ سے ہے۔ دین کے معاملہ میں ہم دنیا کی باتوں پر کان نہیں دھرتے، کل جو بچی پانی لینے آئی تھی اس پر لوگ تو یہی کہتے ہوں گے کہ روزہ دار کو پانی کا گھونٹ تک نہ دیا، کہتے رہیں ہمارا کیا بگڑتا ہے؟

ہمارے ایک استاذ تھے اللہ تعالیٰ غریقِ رحمت فرمائیں، نام

"ولی اللہ" تھا اور تھے بھی "ولی اللہ"، انہوں نے مجھے جو سند عنایت فرمائی اس میں ایک عجیب دُعا لکھی جس میں یہ جملہ بھی ہے :

وَاجْعَلْهُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَخَافُوْنَ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَآئِمٍ

يَا اَللّٰهُ !

"اسے ان لوگوں میں سے بنا دے جو تیرے دین کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔" (وعظ مسجد کی عظمت)

"ایک تغاری ریتی دے دیں" :

⑫ ارشاد فرمایا :

"ایک دفعہ یہاں تعمیر کا کام ہو رہا تھا، سامنے والے دوکاندار نے آدمی بھیجا :

"ایک تغاری ریتی دے دیں۔"

میں نے کہا :

"وقف کی چیز ہے ہماری تو نہیں کہ دے دیں۔"

پھر یہ تجویز سمجھ آئی کہ ریتی ابھی کام میں لگی نہیں صرف لا کر رکھی ہوئی ہے، اپنے پیسوں سے ایک تغاری خریدی اور دے دی، اور ساتھ ہی وضاحت بھی کر دی کہ خرید کر دی ہے ورنہ وقف کی ایک تغاری کیا ایک آدھ پاؤ ریتی بھی دینا جائز نہیں۔" (وعظ مسجد کی عظمت)

دار الافتاء کا پیچ کش :

⑬ حضرتِ والا کے بڑے صاحبزادہ کے مکان میں بجلی کے کسی معمولی سے کام کی ضرورت تھی، چونکہ صاحبزادہ یہاں نہیں تھے اس لئے بہو نے حضرتِ والا سے درخواست کی کہ کسی طالب علم سے یہ کام کروا دیں۔

حضرتِ والا نے ایک خادم کو یہ کام کرنے کی ہدایت فرمادی، انہوں نے عرض کیا:

"اس کام کے لئے پیچ کش کی ضرورت ہے، کیا "دارالافتاء" کا پیچ کش اس مقصد کے لئے استعمال کرنا جائز ہے؟"

حضرتِ والا نے ارشاد فرمایا:

"دارالافتاء کا پیچ کش وہاں استعمال کرنا جائز نہیں، آپ کے اس سؤال سے مسرت ہوئی کہ بحمداللہ تعالیٰ یہاں رہ کر کچھ تو مصالحہ لگ رہا ہے، ہر کام شروع کرنے سے پہلے اس کا شرعی حکم معلوم کرنے کی فکر صلاحِ قلب کی علامت ہے۔"

طلبہ سے کیا اور کتنی خدمت لی جاسکتی ہے:

⑭ ایک بار حضرتِ والا نے صاحبزادہ کے مکان میں کام کے لئے دو طلبہ کو بھیجا، انہیں وہاں کچھ دیر ہوگئی، ان کی واپسی پر حضرتِ والا نے خانقاہ میں مقیم سب خدام و طلبہ کو جمع کرکے ارشاد فرمایا:

"استاذ یا شیخ اور ان کی وہ اولاد جو ان کے ساتھ رہتی ہو، ان کی خدمت اَسباق سے بھی زیادہ مقدم ہے، اس سے علم میں برکت ہوتی ہے۔ جو اولاد الگ رہتی ہو، ان کے کام کی وجہ سے سبق میں ناغہ کرنا جائز نہیں، البتہ بقدرِ معروف نقصان برداشت کرنے کی گنجائش ہے مثلاً سبق میں معمولی تقلیل یا مطالعہ میں تقدیم و تأخیر۔ لہٰذا قدرِ معروف سے زائد کام کی اُجرت وصول کرکے "دارالافتاء" میں داخل کی جائے گی، ان طلبہ کو نہیں دی جائے گی، اس لئے کہ وہ دنیا نہایت قبیح ہے جو دینی نقصان سے حاصل ہو۔"

علماء کے لئے ایک اہم وصیت

حضرت اقدس دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں:

"میں بالخصوص اُن علماء کو جو مجھ سے تعلق رکھتے ہیں اُمورِ ذیل کی وصیت کرتا ہوں۔

۱۔ تحصیلِ چندہ کا کام ہرگز نہ کریں، اس سے متعلق حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کا رسالہ "التوریع عن فساد التوزیع" اور وعظ "تأسیس البُنیان علیٰ تقویٰ من اللہ و رضوان" اور میرا رسالہ "صیانۃ العلماء عن الذل عند الاغنیاء" کا مطالعہ کریں، یہ رسالہ "احسن الفتاویٰ" جلد اول میں شائع ہوا ہے۔

۲۔ انتظامِ مالیات یعنی جمع شدہ سرمایہ کے مصارف کی ذِمہ داری قبول نہ کریں۔

۳۔ مہتمم یا ناظم کے منصب سے گریز کریں۔

جس میں کچھ علمی استعداد ہو اس کے لئے انتظام یا اہتمام کے بکھیڑوں میں پڑ کر اپنی علمی استعداد کو ضائع کرنا جائز نہیں، ایسے معاملات سے بالکل الگ تھلگ رہ کر سکون و یکسوئی کے ساتھ خدمتِ علم میں مشغول رہیں۔

البتہ اہلِ صلاح حضرات کسی منصب پر مجبور کریں تو قبول کر سکتے ہیں، ایسی صورت میں غلطی سے حفاظت کا اہتمام اور دُعاء کا التزام رکھیں، مگر تحصیلِ چندہ کا کام کسی صورت میں بھی ہرگز ہرگز نہ کریں۔"

مال سے پیدائشی بے رغبتی

اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضرت کو بچپن ہی سے بلند نظری سے نوازا ہے ؎

بازِ شہ در دست آرد شیرِ نر
کرگسان بر مردگان بکشادہ پر

”شاہی باز شیرِ نر کا شکار کرتا ہے اور کرگس مُرداروں پر جھپٹ رہے ہیں۔“

ہمارے حضرت اقدس دامت برکاتہم کو فطرۃً مال سے محبت نہیں، آپ کے بچپن کا واقعہ ہے کہ آپ کے والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے ساتھ قریبی شہر میاں چنوں لے گئے، آپ کی عمر اُس وقت تقریباً پانچ سال ہو گی، گاؤں سے پہلی بار شہر کی دلفریب فضا میں آئے، دن بھر شہر میں رہے، آپ کو نہ تو کھانے کی کسی چیز کا خیال تک آیا اور نہ ہی کسی کھلونے کا۔

شام کو واپسی پر راستہ میں آپ کے والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہمراہیوں سے فرمایا:

”اس بچہ کا کمال دیکھئے! دن بھر شہر میں رہا، نہ کھانے کی کوئی چیز مانگی اور نہ ہی کوئی اور چیز طلب کی، مجھے بھی مصروفیت کی وجہ سے کچھ خیال نہیں رہا۔“

شہر سے آٹھ میل دُور چھوٹے سے گاؤں میں رہنے والا بچہ پہلی بار شہر میں آیا تو شہر کی رنگینیاں اسے اپنی طرف متوجہ نہ کر سکیں۔

ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ (۶۲ — ۴)

”یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔“

آپ کے بچپن ہی کا ایک اور واقعہ ہے، آپ کی عمر تقریباً بارہ برس ہوگی، ایک روز مسجد میں آئے تو دیکھا کہ کچھ رقم پڑی ہوئی ہے، اچھی خاصی رقم تھی، آپ نے اٹھا کر اپنے استاذ کو دے دی، تاکہ مالک کو تلاش کیا جائے۔ اہلِ مجلس نے بہت تعجب کا اظہار کیا، کہنے لگے:

"اس عمر میں پیسے سے یہ بے اعتنائی اور اس قدر دیانتداری۔"

دنیا کے بارہ میں دُعاء:

حضرتِ اقدس دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا:

"چالیس سال کی عمر تک مجھے یاد نہیں کہ کبھی دنیا کی کسی غرض کے لئے طبیعت دُعاء کرنے پر آمادہ ہوئی ہو، اس لئے کہ دو باتیں پیش نظر رہتی تھیں:

① کوئی حاجت ایسی تھی ہی نہیں جو اللہ تعالیٰ نے پوری نہ فرمائی ہو؎

ما نبودیم و تقاضا ما نبود
لطفِ تو ناگفتۂ ما می شنود

"نہ ہم تھے اور نہ ہمارے تقاضے، تیرا کرم ہماری ناگفتہ دُعائیں سن رہا تھا۔"

سب ضرورات بلا مانگے ہی پوری ہو رہی تھیں، بلکہ ربِ کریم نے ضرورت سے بھی ہزاروں درجہ زیادہ نعمتوں سے نوازا ہے۔ اب مانگیں تو کیا مانگیں؟

② اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا دربار، اس سے سؤال کیا جائے تو اس کی

> شان کے مطابق ہونا چاہئے، اور وہ صرف آخرت ہی ہے اس کے مقابلہ میں پوری دنیا کی کوئی حقیقت نہیں۔
>
> جب زندگی کی چالیس منزلیں طے ہوگئیں تو ایک بار سفرِ عمرہ میں بیت اللہ کے سامنے ربِ کریم نے دل میں یہ بات ڈالی:
>
> "حاجاتِ دنیویہ بھی اللہ تعالیٰ سے مانگنا عبدیّت کی دلیل ہے، ہم تو سراسر اُس کے محتاج ہیں، پانی کے ایک قطرہ تک کے لئے بھی۔
>
> اُس وقت سے نِعَمِ دنیا و آخرت دونوں کی دُعاء کا معمول ہوگیا، مگر یہ یاد نہیں کہ کبھی دنیا کی کوئی مُتعیّن حاجت طلب کی ہو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے سب حاجتیں پوری کر رکھی ہیں، سوچنے پر بھی کوئی حاجت نظر نہیں آتی۔"

اس زمانہ میں حضرت والا کے پاس مال و دولت کی فراوانی نہیں تھی، دینی اداروں میں علومِ اسلامیّہ کی تدریس اور افتاء پر بادلِ نخواستہ تنخواہ لینے پر مجبور تھے، اس کے باوجود قناعت، غناءِ قلب و شکرِ نعمت کا یہ عالَم تھا۔

اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے دنیوی مال و دولت سے بھی ایسا نوازا کہ خدمتِ دین پر لی ہوئی تنخواہ کی مقدار کا شروع سے حساب لگا کر اتنی رقم اپنی طرف سے تعلیمِ دین پر صرف فرمائی۔ پھر اس کے بعد بھی آج تک دینی کاموں پر اپنی ذاتی رقوم وافی مقدار میں خرچ کرنے کا معمول جاری ہے۔

جلد اول ختم اس کے بعد چار جلدیں ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ط

اور ان سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فسادِ عقیدہ نہ رہے اور دین پورا اللہ ہی کا ہو جائے (۸ —